حرفِ محرمانہ
ڈاکٹر غلام جیلانی برق

حرفِ محرمانہ

(احمدیت پہ ایک نظر)

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

اِنتساب

اُن احمدی بھائیوں کے نام

جنہیں

حق وصداقت سے محبت ہے

اور جو

تلاشِ حقیقت کے لیے بے تاب ہیں

(برقؔ)

فہرست مضامین

چھٹا باب

ساتواں باب

آٹھواں باب

نواں باب

دسواں باب

گیارہواں باب

بارھواں باب

❁❁❁

ابتدائیہ

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی تصانیف و تعارف

ڈاکٹر غلام جیلانی برق 1901ء میں لسبال (ضلع اٹک) میں پیدا ہوئے اور 12 مارچ 1985ء کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ آپ کے والد علاقے کے دینی اور مذہبی عالم تھے۔ ان کا نام محمد قاسم شاہ تھا اور گاؤں میں ایک مسجد میں امامت کرتے تھے۔ اور پھر اس مسجد کو خود اپنے وسائل سے تعمیر کروایا۔ جو ابھی لسبال میں قائم و دائم ہے اور جناب قاسم شاہ صاحب اور انکی اہلیہ اسی مسجد کے احاطے میں مدفون ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نسل در نسل ایک مذہبی و دینی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم دینی مدرسوں میں حاصل کی جس میں مولوی فاضل، منشی فاضل، ادیب فاضل وغیرہ شامل ہیں۔ پھر بائیس سال کی عمر میں میٹرک کیا اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب ہوئے۔ عربی میں گولڈ میڈل لیا۔ ایم اے فارسی کیا اور 1940ء میں پی ایچ ڈی کیا۔ اس وقت آپ 37 سال کے تھے۔ اور تھیسس انگلش زبان میں امام ابن تیمیہ لکھا۔ اس کی تصحیح مولانا مودودی سے کروائی۔ پہلے مولوی تھے مسجد میں نماز پڑھاتے تھے پھر 1920ء سے 1933ء تک اسکول ٹیچر رہے پھر 1934ء سے 1957ء تک کالج میں عربی کے پروفیسر رہے۔ آپ کے PHD کا تھیسس HARVARD اور OXFORD یونیورسٹیوں سے پاس ہوا۔ اور یوں آپ مولوی غلام جیلانی سے ڈاکٹر غلام جیلانی برق بن گئے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ آسمانوں میں پرندے اُڑ رہے ہیں اور ان کی چونچوں میں تختیاں ہیں۔ ایک پر ڈاکٹر صاحب کا نام سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اور باقی دوسرے بھائیوں کا نام عام حروف میں لکھا ہے۔

آپ کے بڑے بھائی غلام ربانی عزیز بھی پچیس اسلامی کتب کے مصنف تھے اور گورنمنٹ سروس کے آخر میں قصور کالج سے بطور پرنسپل ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ نے کئی کتب کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ اسلام پر تحقیقی کتب لکھیں جس میں اسلام کا طول و عرض، حکمائے عالم مشہور ہیں۔ آپ کے سب سے بڑے بھائی نور الحق علوی تھے۔ جو عربی کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ (1915ء تا 1944ء) اور عربی گرائمر پر مستند عالم سمجھے جاتے تھے۔ علامہ اقبال آپ سے عربی گرائمر اور

عربی تاریخ ادب پر اکثر تبادلہ خیال کرتے اور مشورہ لیتے۔ (میری داستان حیات۔ڈاکٹر برق) اس کا ذکر ڈاکٹر برق صاحب نے اپنی خودنوشت داستان حیات میں کیا ہے۔ڈاکٹر صاحب کے رشتہ دار بھی اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

جناب غلام ربانی عزیز کو 1982ء میں سیرت طیبہ لکھنے پر آدم جی ایوارڈ بھی ملا تھا۔سیرت طیبہ پر آپ نے دو کتب تحریر کی تھیں۔ برصغیر میں تین بھائی اور تینوں اسلامی علوم کے عالم۔ یہ جناب قاسم شاہ صاحب اور انکی اولاد کے لئے پاک و ہند میں ایک منفرد اعزاز تھا۔ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے بھائی غلام یحییٰ صاحب بھی تعلیم وتدریس کے شعبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ڈاکٹر صاحب اک ہمہ جہت شخصیت اور ایک ادارہ تھے۔دلکش شخصیت کے مالک اور آنکھوں سے ذہانت عکس ریز تھی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ان میں مولانا مودودی، ڈاکٹر باقر، ڈاکٹر عبداللہ، شورش کاشمیری، پروفیسر اشفاق علی خان، جنرل عبدالعلی ملک (شاگرد) ڈاکٹر فضل الٰہی (جید عالم) مولانا زاہد الحسینی، مولوی غلام جیلانی، پروفیسر ڈاکٹر اجمل، ڈاکٹر حمید اللہ، پروفیسر سعادت علی خان، عنایت الٰہی ملک، (مصنف و مولف) میاں محمد اکرم ایڈووکیٹ، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، حفیظ جالندھری، طفیل ہوشیار پوری، جنرل شیریں دل خان نیازی، پروفیسر سعد اللہ کلیم صاحب (مصنف)، کیپٹن عبداللہ خان (مصنف و مولف) صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، شیخ عبدالحکیم، شیخ محمد افضل صاحب سردار امیر اکبر خان (مشہور ایڈووکیٹ) کرنل محمد خان، جنرل شوکت، جنرل شفیق الرحمان، احمد ندیم قاسمی، جسٹس کیانی شامل تھے۔

الفیصل ناشران وتاجران کتب کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی کتب کو اعلیٰ درجے کی طباعت، کاغذ، متناسب سائز، دیدہ زیب سرورق اور خوب صورت آرٹ ومصوری سے مزین کریں اور قارئین کو پیش کریں۔ڈاکٹر صاحب کو خوبصورتی، حسن کائنات، جمال، موسیقیت، فنون لطیفہ سے عشق تھا کیوں کہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ڈاکٹر برق اِک عہد ساز انسان تھے اور مستقبل پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ہم ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کی حد درجہ کوشش کررہے ہیں اُمید ہے ہمارا معیار اشاعت وطباعت قاری کے ذوق سلیم کے مطابق ہوگا۔کتاب قاری اور مصنف کے درمیان پل کا کام کرتی ہے۔اس لئے یہ پل یہ رابطہ حسین سے حسین تر کی جانب سفر کرتا رہے گا۔(انشاءاللہ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ناشر: محمد فیصل

بسم اللہ سبحانہ

حرفِ اوّل

میرے احباب میں ایک خاصی تعداد احمدی حضرات کی ہے جن سے میرے مراسم ہمیشہ برادرانہ رہے اور میں نے کبھی محسوس نہ کیا کہ ہم میں کوئی ذہنی اختلاف موجود ہے۔ جب گزشتہ مارچ ۱۹۵۳ء میں احمدی حضرات کے خلاف ملک میں ایک طوفان اٹھا تو میری توجہ اس صرف منعطف ہوئی اور میں نے جناب مرزا غلام صاحب کی تصانیف کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یہ تحریر میرے تاثرات مطالعہ کی آئینہ دار ہے۔

میں اسلام کی بین الاقوامیّت اور نسلِ آدم کی جمعیت کا مبلغ ہوں اور ہر قسم کی تفریق کا خواہ وہ قومی ہو یا ملّی۔ مخالف ہوں اور اسلامی فرقہ بندی پہ کچھ لکھنا تضیع اوقات سمجھتا ہوں لیکن جو سوال اس تحریر کا محرک بنا۔ وہ یہ تھا کہ احمدی بھائیوں اور دیگر مسلمانوں میں مجھے بظاہر کوئی اختلاف نظر نہیں آتا تھا۔ ان کا قبلہ ایک طریق عبادت ایک۔ تمدن ایک۔ معاشرت ایک۔ قانون ایک۔ فقہ ایک پھر یہ تصادم کیوں ہو! کیوں ایک دوسرے سے الجھ کر دنیا کو تماشہ دکھائیں اور پاکستان میں انتشار کی آگ بھڑکائیں۔

اس سلسلے میں میں نے علمبردارانِ تحریک کے ہر بیان، ہر تحریر اور دیگر لٹریچر کا غور سے مطالعہ کیا اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب، جناب میاں بشیر الدین صاحب محمود نیز ان کے جریدہ موقرہ ''الفضل'' کی تحریرات و مقالات کو پڑھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ احمدی حضرات اور دیگر مسلمان ایک دوسرے سے دُور جا رہے ہیں ان کے درمیان ذہنی دیواریں حائل ہو چکی ہیں اور اس لیے ہر خیر خواہ ملک و ملت کا فرض اولین ہے کہ وہ بھائی کو بھائی سے ملائے اور ان اخلاقی خلیجوں کو پاٹ دے جو انہیں جدا کر رہی ہیں۔

طرفین میں مابہ النزاع ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ علمائے اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام پر نبوت ختم ہو چکی ہے اور علمائے قادیان اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ اس مسئلے کا فیصلہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اگر علمائے احمدیّت کی رائے صحیح ہو تو ہمیں سپر ڈال دینا چاہیے اور اگر غلط ہو تو وہ دیگر مسلمانوں کے ہم آہنگ ہو جائیں۔

مذہب ایک عمیق ترین تعصّب اور محبوب ترین تعلق کا نام ہے اس کی بنیاد ماں کی آغوش میں ڈالی جاتی ہے اور گھر کے عزیز ترین ماحول میں یہ پروان چڑھتا ہے گوشت سے ناخن کو جدا کرنا سہل ہے لیکن مذہبی تصورات سے جدا ہونا مشکل۔ دنیا کی کوئی منطق اور جہان علم و حکمت کا کوئی فلسفہ ہمارے مذہبی عقائد کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ مجھے ان مشکلات کا پوری طرح احساس ہے لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ سعد بن ابی وقاصؓ کے حملے کے اقل قلیل مدت میں سارا ایران حلقہ بگوش اسلام بن گیا تھا۔ زرتشتیوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے آتش کدوں کی بنیادیں کھود ڈالی تھیں اور نصارائے شام نے بلا اکراہ اپنے کلیساؤں کو مسجدوں میں بدل دیا تھا تو میری ڈھارس بندھ جاتی ہے ایران و شام میں عقائد کی مکمل تعمیر کو ڈھانا تھا اور یہاں صرف ایک تصور کو جھٹکانا ہے اس لیے میرا کام نسبتاً سہل ہے۔

دنیا میں کوئی شخص گمراہی کو پسند نہیں کرتا ہم صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ قرآن و صاحبِ قرآن کو وسیلۂ نجات سمجھتے ہیں اسی طرح احمدی بھائی بھی نجات و سعادت ہی کی خاطر جناب مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ ہیں اگر آج ہمیں یقین دلایا جائے کہ حضور علیہ السلام (خاکم بدہن) دعوٰی نبوت میں صادق نہیں تھے تو ہم سب لازماً کوئی اور ذریعۂ نجات تلاش کریں گے اسی طرح اگر احمدی بھائیوں کو بھی پورا یقین ہو جائے کہ جناب مرزا صاحب کا دعوٰی درست نہیں تھا تو وہ یقیناً اس راہ کو چھوڑ جائیں گے آخر گمراہ ہونا کوئی خوبی نہیں اس سے نہ دنیا سنورتی ہے اور نہ آخرت۔ کون چاہتا ہے کہ گمراہ رہ کر یہاں کروڑوں بھائیوں کے عتاب کا شکار بنے اور وہاں خدائی عذاب کا۔ میرا اپنا وتیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جہاں کوئی معقول بات سنی فوراً قبول کر لی ایک زمانہ تھا کہ میں ہر جدید تصور کا دشمن اور ہر دقیانوسی رسم و عقیدہ کا پرستار تھا۔ قبروں پہ ماتھے رگڑتا تھا۔

رہبانیت کا قائل تھا حرز وافسوں پہ گزارہ تھا انبیاء کو عالم الغیب، مُردوں کا سمیع وبصیر اور احبار و رُہبان کو اپنا رب سمجھتا تھا بعد میں جب مفکرین اسلام کے فلسفیانہ دلائل کا مطالعہ کیا تو میرے عقائد کی مضبوط چٹانیں پاش پاش ہوتی گئیں یہاں تک کہ آج میرے دل کی دنیا میں تباہ شدہ عقائد کے کھنڈرات دور افق تک پھیلے ہوئے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ احمدی حضرات بات نہیں سنتے مجھے اس رویے سے شدید اختلاف ہے آخر اس جماعت میں بڑے بڑے وکلاء، پروفیسر، جج اور دیگر معقول لوگ موجود ہیں ایک معقول انسان سے اس غیر معقولیت کی امید ہی نہیں ہوسکتی کہ وہ دوسرے کی بات نہ سنے بشرطیکہ بات میں کوئی معقولیت ہو آج تک احمدیت پر جس قدر لٹریچر علمائے اسلام نے پیش کیا ہے اس میں دلائل کم تھے اور گالیاں زیادہ ایسے دشنام آلود لٹریچر کو کون پڑھے اور مغلظات کون سنے میٹھے انداز اور ہمدردانہ رنگ میں کہی ہوئی بات پر ہر شخص غور کرتا ہے لیکن گالیاں کوئی نہیں سنتا۔

مسئلہ ختم نبوت پر میں نے جناب مرزا صاحب کی تقریباً چالیس ضخیم تصانیف پڑھیں ساتھ ہی ان کے صاحبزادے کی تحریرات کو دیکھا اجرائے نبوت پر جس قدر دلائل ان کتابوں میں موجود تھیں ان کو قرآن وعقل کی میزان میں تولا اور بالآخر ان نتائج پر پہنچا جو صفحاتِ آئندہ میں درج ہیں۔

یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ اس کتاب کے تمام حوالوں میں انتہائی دیانت سے کام لیا گیا ہے اقتباسات کو نہ تو مسخ کیا گیا ہے اور نہ قطع و برید سے حسب منشا بنایا گیا ہے بلکہ ہر حوالے میں صاحب کتاب کی منشاء کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ یہ اس لیے تا کہ مسئلہ کے تمام پہلو ہو بہو سامنے آجائیں اور احمدی وغیر احمدی حضرات کو صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اس کتاب میں دلائل کی بنیاد صرف دو چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

۱۔ قرآن حمید پر کہ اسے احمدی وغیر احمدی سب تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

۲۔ جناب مرزا صاحب کی تحریرات پر کہ وہ احمدی بھائیوں کے ہاں واجب الایمان ہیں۔

احادیث من حیث المجموع نہ میرے ہاں سند ہیں نہ احمدی حضرات کے ہاں جناب مرزا

صاحب صرف ایسی احادیث کو قابل اعتنا سمجھتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہوں اور جن کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہو اور یہی مسلک میرا ہے۔ میرے ہاں کوئی حدیث قرآن پہ حکم نہیں بن سکتی۔ البتہ تفسیر کر سکتی ہے اور یہ تفسیر بعض مسائل کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔ حدیث میں یا تو حضور علیہ السلام کے اقوال ہیں اور صحابہؓ کرام کے قرآن حکیم ان حضرات پر انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا اس لیے وہ آیات کو ہم سے بہتر سمجھ سکتے تھے ان لوگوں نے جو کچھ کسی آیت کے متعلق حضور ﷺ سے سنا، یا خود سمجھا پیش کر دیا۔ امام بخاری (وفات ۲۵۶ھ، ۸۷۰ء) کے عہد میں صرف تفسیری احادیث کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تھی۔ ہمارے مفسرین نے گزشتہ تیرہ سو برس میں ہزارہا تفاسیر لکھیں جن کی بنیاد ان احادیث پہ رکھی۔ میں نے بھی اس کتاب میں چند احادیث سے تفسیر کا کام لیا ہے (سند کا نہیں صرف تفسیر کا) تا کہ قارئین کرام فیصلہ کر سکیں کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ کرام نے کسی خاص آیت کا مطلب کیا سمجھا تھا۔

جماعت احمدیہ کے موجودہ امام جناب میاں محمود احمد صاحب غیر معمولی فہم و فراست اور علم و تدبر کے مالک ہیں۔ نزاکت وقت کو محسوس کرتے ہوئے آج سے ایک ہفتہ پہلے (جون ۱۹۵۳ء کے آخر میں) آپ نے ایک طویل بیان اخبارات کے حوالے کیا جس میں اعلان فرمایا:

> کہ ہم مسلمان ہیں دیگر مسلمانوں سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں ہمارا رسول ایک۔ کتاب ایک۔ قبلہ ایک۔ تمدن ایک۔ روایات ایک اور سب کچھ ایک۔

یہ ایک نہایت مبارک اقدام ہے اللہ کرے کہ احمدی و غیر احمدی کے مصنوعی اختلافات ختم ہو جائیں اور ہم سب مل کر پاکستان کے استحکام اور قرآنی اقدار کے احیاء کے لیے کام کریں۔

گزشتہ ستر برس میں احمدی کو غیر احمدی سے جدا کرنے کے لیے کئی ہزار صفحات سپرد قلم ہوئے اور انہیں ملانے کے لیے شاید ایک لفظ بھی کسی زبان سے نہ نکلا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جنازے اور نمازیں ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں رشتے کٹ گئے اور کفر و اسلام کے پہاڑ درمیان میں حائل ہو گئے۔

جناب مرزا میاں محمود احمد صاحب کا یہ بیان اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ مصالحت کی طرف یہ پہلا جرأت مندانہ قدم ہے میں اس سلسلے میں امام جماعت سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ وہ اپنی جماعت کو یہ بھی ہدایت کریں کہ وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ ان کی مساجد میں نماز پڑھیں ان کے جنازوں میں شامل ہوں۔ اسلامی تقریبات مل کر ادا کریں اور کفر و اسلام کے مصنوعی و غیر فطری تصورات کو جھٹک دیں:

والسلام

برق۔ کیمبلپور

۶۔ جولائی ۱۹۵۳ء

پہلا باب

مسئلۂ ختم نبوّت قرآن کی روشنی میں

قبل اس کے کہ ہم آیہ خاتم النبیین پہ بحث کریں یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آیا تھا بلکہ تمام انبیاء ایک ہی پیغام کو مختلف زبانوں اور زمانوں میں دہراتے رہے اس موضوع پر مفصل بحث تو میری کتاب ''ایک اسلام'' میں ملے گی یہاں مختصراً اتنا بتانا کافی ہوگا کہ حقیقت ہر زمانے میں ایک رہی ہے دو اور دو ہر دور میں چار تھے۔ لوہا ہمیشہ پانی سے بھاری رہا اور پانی سدا ڈھلان کی طرف بہتا رہا اگر مذہب بھی کسی سچائی کا نام ہے تو اسے لازماً ہر زمانے میں ایک ہونا چاہیے ایک خدا کا پیغام ایک نسل انسانی کی طرف اس کی ایک فطرت کی اصلاح کے لیے ایک ہی ہو سکتا تھا دس یا بیس نہیں ہو سکتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن میں فرمایا:

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ط

(یہ قرآن پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے)

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ

(ہم تمہیں وہی پیغام دے رہے ہیں جو تم سے پہلے انبیاء کو دیا گیا تھا)

''لِلرُّسُلِ'' کا الف لام استغراقی ہے یعنی تمام انبیاء کو یہی پیغام دیا گیا تھا اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ہر نبی کوئی نہ کوئی پیغام لے کر آیا تھا۔ اسی پیغام کا نام شریعت تھا۔ یہ فرض کر لینا کہ بعض انبیاء شریعت کے بغیر آئے تھے ایک مضحکہ خیز تصور ہے اگر ان انبیاء کے پاس کوئی پیغام یا شریعت یا ضابطۂ اخلاق موجود نہیں تھا تو ان کی تشریف آوری کا مقصد کیا تھا۔ کیا وہ بھیڑیں چرانے آئے تھے یا ایران وعرب میں تجارتی تعلقات قائم کرنے آئے تھے جب وہ نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے لازماً وحی سے ان کی مدد کی ہوگی۔ خیر وشر کے تمام ضوابط سمجھائے ہوں گے اور ان انبیاء

نے نسلِ انسانی سے کہا ہوگا کہ چوری، زنا، جھوٹ، بد دیانتی وغیرہ سے بچو اور سچائی کو اختیار کرو۔ نیز ان کے معاشرتی روابط میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے نکاح۔ وراثت وغیرہ پر مفصل ہدایات دی ہوں گی کیا شریعت ان اخلاقی و معاشری ضوابط سے الگ کوئی چیز ہے؟ پس ہم کسی نبی کو غیر شرعی فرض ہی نہیں کر سکتے ہر نبی کے ساتھ وحی تھی۔ وہ نبی وحی سے درس خیر و شر لے کر امت تک پہنچا تا تھا اسی وحی کا نام خواہ وہ دس صفحات میں پھیلی ہوئی تھی یا ہزار میں شریعت ہے۔ جو زمانے میں ایک تھی۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى (الشوریٰ:۱۳)

(اے محمد ﷺ ہم تمہیں وہی دین اور وہی شریعت دے رہے ہیں جو نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی تھی۔)

اِن تمہیدی گزارشات کے بعد آیئے اس آیت پر بحث کریں جس کی مختلف تفسیروں نے ہمارے کئی ہزار بھائیوں کو ہم سے الگ کر دیا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (احزاب:۴۰)

(محمد تم سے کسی مرد کا باپ نہیں (بلکہ اس کی محبت و رحمت کا دامن وسیع تر ہے) یعنی وہ اللہ کا رسول اور خاتم الانبیاء ہے)

اس آیت کا صرف ایک لفظ خاتم وجہ نزاع بنا ہوا ہے احمدی بھائی اس کا ترجمہ مہر کرتے ہیں۔ ''محمد علیہ السلام انبیاء کی مہر ہیں''۔ یعنی اُمتِ محمدیہ کے انبیاء حضور علیہ السلام کے مہر شدہ فرمان سے آئیں گے اور حضور کی تصدیق کے بغیر آئندہ کوئی نبی نہیں آسکے گا اور باقی مسلمان خاتم کے معنی آخری کرتے ہیں دونوں تفسیروں میں انتہائی تضاد ہے ایک تفسیر سے سلسلہ انبیاء جاری رہتا ہے اور دوسرے سے بند ہو جاتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا فیصلے کے لیے کہاں لے جائیں مجھے صرف تین ایسی عدالتیں نظر آتی ہیں جو اس نزاع پر فیصلہ دینے کی مجاز ہیں۔ اول علمائے لغت

یعنی عربی زبان کے ماہرین۔ دوم قرآن اور سوم حدیث۔

اَلْمُنْجد: الخاتم و الخاتم عاقبة کل شی ط

(ہر چیز کے آخر کو خاتم و خاتم کہتے ہیں)

لغت کی روشنی میں

منتھی الادب خاتم: مہر، انگوٹھی، پایانِ کار

خاتم: آخر ہر چیز، پایان، آں وآخر قوم

مفردات القرآن۔ صراح۔ قاموس۔ تہذیب (از ہری) لسان العرب

تاج العروس۔ مجمع البحار۔ صحاح العربیہ اور کلیات ابی البقامیں خاتم و خاتم کے معانی تقریباً ایک جیسے دیئے ہوئے ہیں۔ یعنی

۱۔ وہ نگینہ جس پر نام کندہ ہو

۲۔ انگوٹھی

۳۔ آخر۔ انجام

۴۔ کسی چیز کو ختم کرنے والا

۵۔ کاغذ پر مہر کا نقش

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیۂ زیر بحث میں کون سے معنی چسپاں ہوتے ہیں "آخری نبی" کا مفہوم تو بالکل صاف ہے لیکن نبیوں کی مہر یا انگوٹھی کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا پہلے ان فقروں کو پڑھیے:

۱۔ یہ مہر زید کی ہے۔

۲۔ یہ مہر عدالت کی ہے۔

۳۔ یہ مہر مجسٹریٹوں کی ہے۔

کیا آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اس مہر سے مجسٹریٹ بنتے ہیں؟ کیا دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ اس مہر سے عدالتیں تیار ہوتی ہیں اگر یہ مفہوم صریحاً غلط ہے تو پھر خاتم الانبیاء

(نبیوں کی مہر) کی یہ تفسیر کیسے درست ہوسکتی ہے۔ کہ ایسی مہر جس سے نبی بنتے ہیں نحو کی رو سے خاتم مضاف ہے اور انبیاء مضاف الیہ ہے۔

دنیا کی کسی بھی زبان میں ایک ایسا مضاف موجود نہیں جو مضاف الیہ کا خالق و موجد ہو۔ اس لیے خاتم الانبیاء سے ایسی مہر مراد لینا جو انبیاء تیار کرتی ہو۔ نہ صرف عربی لغات کی رُو سے غلط بلکہ ہر زبان کے قواعد کے خلاف ہے۔ مضاف اور مضاف الیہ میں صرف نو قسم کے تعلقات ہو سکتے ہیں۔

اول۔ مضاف مملوک ہو اور مضاف الیہ مالک مثلاً کتابِ زید

دوم۔ عام " " " " " خاص مثلاً گلِ انار

سوم۔ مضاف الیہ مضاف کی توضیح کرے مثلاً کتابِ شاہنامہ

چہارم۔ مضاف، مضاف الیہ سے بنا ہو مثلاً خاتم زر

پنجم۔ مضاف مظروف اور مضاف الیہ ظرف ہو مثلاً آبِ دریا

ششم۔ مضاف بیٹا یا بیٹی ہو مثلاً ابنِ مریم

ہفتم۔ مضاف مشبہ بہ اور مضاف الیہ مشبہ ہو مثلاً مارِ زلف

ہشتم۔ مضاف مستعار اور مضاف الیہ مستعار لہ ہو مثلاً پائے عقل

نہم۔ مضاف کو مضاف الیہ سے کچھ تعلق ہو مثلاً شہر ما مکتبِ ما۔ کوئے ما وغیرہ

لیکن خاتم الانبیاء کی احمدی تفسیر سے ایک ایسا مرکب اضافی وجود میں آتا ہے۔ جس کی کوئی نظیر دنیا کی کسی زبان میں نہیں مل سکتی۔

علاوہ ازیں جب خاتم کا لفظ کسی جماعت یا گروہ کی طرف مضاف ہو تو وہ لازماً "آخری" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً خاتم المہاجرین (آخری مہاجر) خاتم المنجمین (آخری منجم) خاتم الخلفا (آخری خلیفہ) اور خاتم الانبیاء (آخری نبی) عربوں کے وسیع لٹریچر میں اس کی لاکھوں مثالیں موجود ہیں۔ لیکن اس قاعدہ کے خلاف ایک بھی مثال موجود نہیں۔

بہر حال لغت، نحو اور کلام عرب کی روشنی میں خاتم الانبیاء کے معنی صرف آخری نبی ہو سکتے

ہیں وبس آیئے اب یہ دیکھیں کہ خود قرآن نے "خاتم" کی تفسیر کیا پیش کی ہے۔ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں:

قرآن شریف کی قرآن شریف ہی سے تفسیر کرو اور دیکھو کہ وہ ایک ہی معنی رکھتا ہے یا متفرق معنی لیتا ہے اور اقوال سلف وخلف در حقیقت کوئی مستقل حجت نہیں۔ اور ان کے اختلاف کی حالت میں وہ گروہ حق پر ہوگا جن کی رائے قرآن کریم کے مطابق ہے۔"

(ازالہ اوہام ج۔۲۔صفحہ ۵۳۸)

"غرض اس متبادر اور مسلسل معنوں کے سوا جو قرآن شریف سے۔۔۔۔۔۔اول سے آخر تک سمجھے جاتے ہیں ایک نئے معنی اپنی طرف سے گھڑ لینا یہی تو الحاد اور تحریف ہے۔"

(ازالہ ج۔۲صفحہ ۷۴۵)

یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے لیے ہمارے نزدیک وہی معنی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہیں کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں۔

(آریہ دھرم صفحہ ۸۳)

مرزا صاحب کے ان ارشادات سے ہمیں سو فیصدی اتفاق ہے آیئے اب یہ دیکھیں کہ قرآن کے دیگر مقامات سے "خاتم" کی کونسی تفسیر مستنبط ہوتی ہے۔

اگر ہم صحائفِ اولیٰ پہ نظر ڈالیں تو ہمیں جا بجا آنے والے انبیاء کے متعلق بشارات ملتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام مکّہ میں ایک رسُول کے ظہور کی دعا مانگ رہے ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا (البقرہ:۱۲۹)

(اے اللہ تو اہل مکّہ کی طرف رسول بھیج)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام مسلسل کسی نبی کی بشارت سنا رہے ہیں۔

خداوند تیرا خداوند تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔" (استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵)

حضرت یسعیاہ ایک اُمّی نبی کی خبر دے رہے ہیں۔

''وہ کتاب ایک ان پڑھ کو دیں اور کہیں کہ پڑھ۔ اور وہ کہے میں تو ناخواندہ ہوں۔''

(یسعیاہ باب ۲۹ آیت ۱۲)

توراتِ مقدس خداوند کا جلال پھر وادیٔ فاران میں دیکھ رہی ہے

''خداوند سینا سے آیا۔ شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں شریعت تھی۔''

(استثنا باب ۳۳۔ آیت ۳۱)

حضرت زکریا ایک نجات دہندہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

''اے یروشلم کی بیٹی تو خوب للکار کہ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے وہ صادق ہے اور نجات دینا اس کے ذمے ہے۔''

(زکریا باب ۹ آیت ۹)

حضرت مسیح علیہ السلام بیسیوں پیرایوں میں ایک پُر جلال رسُول کی آمد کا اعلان کرر ہے ہیں۔

''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔''

(یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۳۰)

لیکن قرآن حکیم میں کسی آنے والے نبی کا اشارہ تک موجود نہیں بلکہ حضور علیہ السّلام کو خاتم الانبیاء قرار دینے کے بعد تقریباً ایک سو آیات میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے کہ اب قیامت تک کوئی اور وحی نازل نہیں ہوگی۔

تمام آیات کو یہاں درج کرنا دشوار ہے اس لیے چند ایک ملاحظہ فرمائیے:

(۱) سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں مومنوں کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے کے بعد صلوٰۃ و زکوٰۃ پر کاربند ہوتے ہیں: اور

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ج وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (البقرہ:۴)

(وہ اس وحی پہ ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی اور جو تم سے پہلے انبیاء
کو دی گئی۔ اور پھر قیامت پہ ایمان لاتے ہیں)

غور کرو کہ حضور علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کسی وحی کا ذکر موجود نہیں مسلمان کی تعریف صرف اتنی ہی بتائی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام اور سابق انبیاء کی وحی پر ایمان لانے کے بعد قیامت پر یقین رکھتا ہو اور اگر حضور علیہ السلام کے بعد کسی نبی کی آمد مقدر ہوتی تو جس اللہ نے صلوٰۃ و زکوٰۃ پر انداز اً ڈیڑھ سو اور مطالعہ کائنات پر ساڑھے سات سو آیات نازل کیں جس نے زمین پر چلنے۔ گفتگو کرنے۔ نکاح۔ طلاق۔ وضو۔ قربانی۔ تجارت اور قرض جیسے چھوٹے چھوٹے مسائل کو کھول کھول کر بیان کیا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ وہ امت مسلمہ کو ایک نبی کی آمد سے غافل رکھتا؟ اور حضور علیہ السلام کے بعد صرف قیامت پہ ایمان لانے کا حکم دیتا؟ جس اللہ نے پہلے انبیاء کو بار بار تاکید کی تھی کہ بعد میں آنے والے انبیاء پر بھی ایمان لانا اور جن کے صحائف اس قسم کی پیشگوئیوں سے لبریز ہیں۔ وہ اللہ مسلمانوں پر یہ ظلم نہیں کر سکتا تھا کہ پہلے تو حضور کو خاتم النبیین قرار دیتا پھر ایک سو آیات میں انہیں حضور ﷺ اور پہلے انبیاء کی وحی پر ایمان لانے کے بعد قیامت پہ یقین رکھنے کی ہدایت کرتا ایسے لوگوں کو

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (البقرہ:۵)

(انہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہنچے)

ہدایت یافتہ و ناجی قرار دیتا ہے اور پھر چپکے سے ایک رسول بھی بھیج دیتا۔

(۲) حضور علیہ السلام کو اپنی امت سے عشق تھا۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○

(التوبہ:۱۲۸)

(محمد ﷺ کو تمہاری تکلیف سخت شاق گزرتی ہے وہ تمہیں سر بلند دیکھنے
کے لیے مضطرب ہے اور وہ تم پر بے حد مہربان اور شفیق ہے)

تو جس رسول کو اپنی امت سے یہ عشق تھا کیا وہ برداشت کر سکتا تھا کہ ساری امت آنے

والے نبی سے غافل رہ کر جہنم کا ایندھن بن جائے۔ یقیناً کسی نبی کی بعثت مقدر ہی نہیں تھی۔ ورنہ حضور علیہ السلام کی وحی میں لازماً اس کا ذکر ہوتا:

(۳) اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج

(النساء:۵۹)

اے مسلمانو! خدا رسول عربی اور اپنے فرماں روا کی جو تم میں سے ہو۔ اطاعت کرو اگر رسول عربی ﷺ کے بعد کسی نبی کو بھی آنا ہوتا تو اللہ اس کی اطاعت کی بھی ہدایت نافذ کرتا اولی الامر کی اطاعت کا حکم دینا اور کسی نبی کا ذکر تک نہ کرنا صاف اعلان ہے اس حقیقت کا کہ حضور علیہ السلام آخری نبی تھے:

(۴) اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط (النساء:۱۳۶)

(اے لوگو! خدا اور رسول عربی پہ ایمان لانے کے بعد اس کتاب کو جو رسولِ عربی پہ اتری ہے اور ان کتابوں کو جو پہلے اتر چکی ہیں۔ مانو)

یہاں پہلی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم تو موجود ہے لیکن بعد میں آنے والی کسی وحی کا ذکر موجود نہیں۔

(۵) وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

(النساء:۱۶۲)

(مومن وہ ہے جو اے رسول تیری وحی اور تجھ سے پہلے انبیاء کی وحی پر ایمان لائے)

غور کا مقام ہے کہ جس اللہ نے حضور ﷺ اور گزشتہ انبیاء کی وحی پر ایمان لانے کا سو مرتبہ حکم دیا کیا وہ صرف ایک مرتبہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

وَمَا يُنَزِّلَ مِنْ بَعْدِكَ

کہ مومن آنے والے انبیاء پہ ایمان لائے گا۔ کیوں نہیں کہا؟ کیا اللہ تعالیٰ کو ہماری گمراہی مقصود تھی؟ کیا کسی نبی پہ ایمان لانا اس قدر مشکل فرض تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے صیغہ راز ہی میں رکھنا مناسب سمجھا۔ تاکہ لوگ اسلام سے منحرف نہ ہو جائیں؟ جو مسلمان پہلے ہی ڈیڑھ لاکھ انبیاء پہ ایمان رکھتا ہے۔ اسے صرف ایک اور نبی کو تسلیم کرنے میں کیا تکلیف ہو سکتی تھی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نبی کی آمد مقدر ہی نہیں تھی۔ ورنہ ساڑھے چھ ہزار آیات نازل کرنے والا خدا کم از کم ایک آیت تو اس موضوع پہ بھی نازل کرتا۔

خاتم النبیین کی تفسیر حدیث میں

مسئلہ ''حدیث'' پر میں ایک پوری کتاب ''دو اسلام'' کے نام سے لکھ چکا ہوں میرے ہاں صرف وہی حدیث قابلِ استناد ہے جو قرآن کی مفسر اور قرآن کے مطابق ہو کسی حدیث کو وحی کا درجہ حاصل نہیں ہمارے پاس جو کتاب بذریعہٗ وحی پہنچی۔ وہ قرآن حکیم ہے جس طرح ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ قرآن کی تفسیر پیش کریں اسی طرح صحابہٗ کرام کو بھی تفسیر الوحی کا حق حاصل تھا۔ حدیث کیا ہے؟ حضور علیہ السلام اور صحابہ کے اقوال و اعمال کا مجموعہ، قرآن انہی پہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا۔ یہ بزرگ قرآن کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے۔ اس لیے نامناسب نہ ہو گا اگر ہم ''خاتم النبیین'' کی تفسیر سمجھنے کے لیے حدیث سے بھی مدد لیں:

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

> دوسری کتابیں جو ہماری مسلّم کتابیں ہیں ان میں سے اول درجہ پر صحیح بخاری ہے اور اس کی تمام وہ احادیث ہمارے ہاں حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف نہیں اور ان میں سے دوسری کتاب ''صحیح مسلم'' ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو

اور تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی ابن ماجہ۔ موطا۔ نسائی۔ ابن داؤد۔ دار قطنی کتب حدیث ہیں۔ جن کی حدیثوں کو اس شرط سے صحیح مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں۔" (آریہ دھرم)

یوں تو احادیث کے وسیع دفتر میں ختم نبوت پر بہت زیادہ احادیث ہوں گی لیکن اس وقت میرے سامنے دوسو دس احادیث ہیں۔ جن میں سے صرف چند ایک درج ہیں:

اوّل

(مثلی و مثل الانبیاء کمثل قصر احسن نبیانه ترك منه موضع لبنة قطاف به النظار یتعجبون من حسن بنیانه الاموضع تلك اللبنة. فكنت انا موضع اللبنة ختم بی النبیین و ختم بی الرسول) (بخاری۔ مسلم۔ ابن عساکر۔ احمد۔ نسائی)

(میرا تعلق گذشتہ انبیاء سے اس عمارت کی طرح ہے جو مکمل ہوگئی لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ لوگ اس عمارت کا چکر کاٹتے اس کی استواری و حسنِ تعمیر کی تعریف کرتے اور اس خالی جگہ پہ حیرت کا اظہار کرتے۔ اس خالی جگہ کی اینٹ میں ہوں۔ میری وجہ سے نبوت کی عمارت مکمل ہوگئی اور مجھ پر انبیاء کا خاتمہ ہوگیا ہے)

خاتم النبیین کی کس قدر صاف تفسیر ہے

دوم

ان بنی اسرائیل كانت تسوسه انبیاء هم كلما وهب نبی خلف نبی. فانه لیس كائناً فیكم نبی بعدی قالوا فما یكون یا رسول الله. قال یكون خلفاء ط

(بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ ابن ماجہ)

بنی اسرائیل کے سردار انبیاء ہوا کرتے تھے ایک نبی کے بعد دوسرا آ جاتا تھا لیکن اے مسلمانو! تم میں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(صحابہ نے پوچھا تو پھر ہمارے حاکم کون ہوں گے؟ فرمایا خلفا)

سوم

اُرْسِلتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَّ خَتَمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ (مسلم۔ترمذی)

میں تمام نسل انسانی کی طرف مبعوث ہوا ہوں اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

اس حدیث کا پہلا ٹکڑا:

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ط

(میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ قرآن) اور دوسرا خاتم النبیین کی تفسیر ہے۔)

چہارم

سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلمھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی ط (مسلم۔داری۔ترمذی۔ابن ماجہ)

(میری امت میں تیس ایسے جھوٹے آئیں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے یاد رکھو کہ میں خاتم الانبیاء ہوں۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)

پنجم

اِنِّی آخِرُ الانبیآءِ وَ اَنْتُم آخرُ الاُمَمُ (ابوداؤد۔ابن ماجہ)

(میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضور علیہ السلام نے خاتم النبیین کی کتنی واضح تفسیر فرمائی ہے یعنی آخری نبی:

ششم

قَالَ آدَمُ مَنْ مُحَمَّدٌ. قال آخر ولدك من الانبیآء ط (ابن عساکر)

(آدم نے اللہ سے پوچھا۔ کہ محمد ﷺ کون ہے؟ فرمایا سلسلۂ انبیاء میں تیرا آخری)

ہفتم

یا اباذر. اول الانبیاء آدم و اخرهم محمد ط

(ترمذی۔ابن عساکر)

(اے ابوذر! پہلا نبی آدم تھا اور آخری محمد ﷺ ہے)

ہشتم

ذهبت النبوة فلانبوة بعدی الا المبشرات قیل وما المبشرات. قال الرؤیا الصالحة ط (بخاری۔مسلم۔طبرانی۔احمد)

(نبوت ختم ہو چکی ہے میرے بعد نبوت نہیں ہوگی۔صرف بشارات ہوں گی کسی نے پوچھا کہ یہ بشارات کیا ہیں؟ فرمایا صحیح خواب)

اگر حضور علیہ السلام کے بعد ظلی، بروزی، کشفی، جزوی یا تبعی نبوت کا وجود بھی ہوتا تو آپ ضرور ذکر فرماتے۔لیکن آپ نے صحیح خواب کے بغیر باقی ہر قسم کی نبوت کا انکار کر دیا۔اس سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ حضور علیہ السلام پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے۔

نہم

جب فتح مکّہ کے بعد حضرت عباسؓ نے حضور علیہ السلام سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے جواب میں لکھا:

یا عمِّ اقِمْ مَکانکَ الّذی انْتَ بہ فَاِن اللّٰہُ قد خَتَم بك الھجرۃ کما ختم بی النبوۃ ط (طبرانی۔ابن عساکر)

(اے میرے چچا! وہیں رہو۔ اللہ نے تم پر ہجرت کو یوں ختم کر دیا ہے۔ جس طرح مجھ پر نبوت کو)

دہم

انَا العَاقِب. وَالعَاقب الّذی لیْس بعَدہ نبیٌ ط

(بخاری مسلم۔موطا۔ترمذی)

(میں عاقب (آخری) ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے۔ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو)

یہ تھیں چند احادیث۔ مشتے نمونہ از خروار ے۔ جن میں لفظ خاتم کی تشریح مختلف اسلوبوں۔ پیرایوں اور عبارتوں میں پیش کی گئی ہے۔ کہیں حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا''۔ کہیں اپنے آپ کو عاقب کہیں آخرالانبیاء اور کہیں تعمیر نبوت کی آخری اینٹ قرار دیا۔ تاکہ لفظ خاتم کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقّت باقی نہ رہے۔ نیز خاتم النبیین میں لفظ ''النبیین'' پہ استغراقی ال لگا کر ہر قسم کی نبوت کا امکان ختم کر دیا۔ الف لام کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک استغراقی ہوتا ہے جس کا مفہوم ہوتا ہے ''تمام کل''۔ یہ جب جمع پہ داخل ہو تو عموماً استغراقی ہوتا ہے۔

علامہ ابوالبقا اپنی کلیات میں لکھتے ہیں:

لام التعریف سواء و خلت علی الفردا و علی الجمع تفید الاستغراق الا اذاکان معھوداً ط

(الف۔لام۔مفرد پرداخل ہو یا جمع پر۔استغراقی ہوگا۔ہاں اگر تعیین کرلی جائے تو اور بات ہے)

مثلاً ھُدًی للمتقین (قرآن تمام متقین کے لیے ہدایت ہے)وَاللّٰہ محیط بالکافرین (اللہ تمام کفار کا محاصرہ کررہا ہے)رب العالمین (اللہ تمام کائنات کا رب ہے) وغیرہ وغیرہ

تو خاتم النبیین کے معنی ہوں گے''تمام نبیوں کا خواہ وہ ظلی ہوں یا امتی ختم کرنے والا''۔اگر خاتم کے معنی یہ کیے جائیں کہ صرف تشریعی انبیاء ختم ہوئے ہیں تو پھر خاتم النبیین کا مفہوم ہوگا خاتم بعض النبیین ۔یعنی حضور شرعی انبیاء کے خاتم ہیں اور غیر شرعی آتے رہیں گے۔ختم یا خاتمہ انتہا کا دوسرا نام ہے وہ انتہاء کیسی جس کے بعد بھی کوئی چیز موجود ہے۔''وہ آخری گاڑی'' کیسی۔جس کے بعد بھی گاڑیاں آتی رہیں اور وہ جیب میں ''آخری پیسہ'' کیسا جس کے بعد بھی جیب میں دو سو روپے باقی ہوں۔

چودہ لاکھ احادیث کے دفتر بے پایاں میں جہاں وضاعین نے سینکڑوں مقامات پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا ہے۔صرف ایک حدیث ایسی ملتی ہے جس سے اجرائے نبوت کا امکان نکلتا ہے اور وہ یہ ہے جب حضور علیہ السلام کا فرزند ابراہیم فوت ہوگیا۔تو بروایت ابنِ ماجہ آپ نے فرمایا:۔

لَو عَاش لکانَ صِدّیقًا نَبیًّا

(اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا)

یہ روایت محض غلط ہے اس لیے کہ قرآن حکیم کی ایک سو آیات اور دو سو دس احادیث کے خلاف ہے اور اس کی وہی تفسیر قابلِ قبول ہے جو امام بخاری۔ابو نعیم اور احمد نے پیش کی۔ فرماتے ہیں:۔

ولو قضی بعد محمد صلعم نبی عاش ابنہ و لکن لا نبی بعدہٗ ط

(اگر حضور علیہ السلام کے بعد کسی نبی کا آنا مقدر ہوتا تو ابراہیم زندہ رہتا

اور آپ کے بعد نبی بنتا۔ لیکن حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)

اور تقریباً یہی مضمون ہے حدیث ذیل کا۔ جو احادیث کے تمام مجموعوں میں موجود ہے۔

(لو کان بعدی نبیا لکان عمر)

(اگر میرے بعد نبی ہوسکتا تو عمرؓ ہوتا)

لفظ خاتم کا استعمال جناب مرزا صاحب کے ہاں

جناب مرزا صاحب نے سینکڑوں مرتبہ لفظ خاتم استعمال فرمایا اور ان مقامات کے بغیر جہاں ''خاتم النبیین'' کی تفسیر ''نبی ساز'' فرماتے ہیں۔ باقی ہر مقام پر اس لفظ کو ''آخری'' کے معنوں میں استعمال کیا۔ مثلاً:

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بارہ موسوی خلیفوں کا ذکر فرمایا۔ جن میں سے ہر ایک حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور تیرھواں حضرت عیسیٰ کا ذکر فرمایا جو موسیٰ کی قوم کا خاتم الانبیاء تھا۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۶)

یہ ماننا ضروری ہے کہ وہ (مسیح موعود یعنی خود مرزا صاحب) اس امت کا خاتم الاولیاء ہے۔ جیسا کہ سلسلۂ موسویہ کے خلیفوں میں حضرت عیسیٰ خاتم الانبیاء ہے۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۹)

''مسیح (موعود) خاتم خلفائے محمدیہ ہے'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۲)

ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۳۱)

اللہ نے حضرت مسیح کو امتِ موسویہ کا خاتم الانبیاء بنایا۔

(ترجمہ خطبۂ الہامیہ صفحہ ۴۶)

''اَنَا خَاتَمُ الاولیاء لا وَلِیَّ بعدی'' ط

(میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں آئے گا)

(خطبۂ الہامیہ صفحہ ۳۵)

''اہل کشف نے مسیح موعود کو جو آخری خلیفہ اور خاتم الخلفا۔۔۔۔۔۔ ہے''

(حقیقۃ الوحی ص ۲۰۱)

اور میں جانتا ہوں کہ تمام نبوتیں اس (حضور علیہ السلام) پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ (چشمۂ معرفت ص ۳۲۴)

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جناب مرزا صاحب نے لفظ خاتم کو باقی ہر مقام پر آخری کے معنوں میں استعمال کیا ہے لیکن جب خاتم النبیین کی تفسیر کرنے لگے تو فرمایا:

اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶)

اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ جب اپنے آپ کو خاتم الخلفا والانبیاء قرار دیتے ہیں تو لفظ خاتم کو پھر ''آخری'' کے مفہوم میں استعمال کرتے ہین۔ خطبۂ الہامیہ میں اپنی نبوت پہ بحث کرتے ہوئے حدیث کی اینٹ اور عمارت والی تمثیل کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

فاراد اللہ یتم البناء و یکمل البناء باللبنۃ الاخیرہ فانا تلک اللبنۃ ط (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۲)

(پھر اللہ نے چاہا کہ نبوت کی عمارت کو آخری اینٹ سے مکمل کرے وہ آخری اینٹ میں ہوں)

اس کا صاف مطلب یہ ہے مرزا صاحب آخری نبی ہیں۔ اور آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا:

''اس امت میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور

دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں ۔۔۔۔۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا

۔۔۔۔۔ تا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہوگا وہ

پیشگوئی پوری ہو جائے'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین

اس آیت میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور یہ ہے کہ اب نبوت پر قیامت تک مہر لگ گئی ہے۔ بجز بروزی وجود کے جو خود آنحضرت ﷺ کا وجود ہے۔ ایک بروز محمدیؐ جمیع کمالات محمدی کے ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا۔ سو وہ ظاہر ہو گیا۔

(ایک غلطی کا ازالہ مصنفہ جناب مرزا صاحب)

اس اقتباس میں ''ایک بروز محمدیؐ'' کا جملہ زیر نظر رکھیے اور ان تمام اقتباسات کا ملخص عبارات ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

امتِ محمدیہ میں ایک سے زیادہ نبی کسی صورت میں بھی نہیں آ سکتے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت سے صرف ایک نبی اللہ کے آنے کی خبر دی ہے جو مسیح موعود ہے اور اس کے سوا قطعاً کسی کا نام نبی اللہ یا رسول اللہ نہیں رکھا جائے گا اور کسی اور نبی کے آنے کی خبر آپ نے دی ہے بلکہ لا نبی بعدی[1] فرما کر اوروں کی نفی کر دی اور کھول کر بیان فرما دیا کہ مسیح موعود کے سوا میرے بعد قطعاً کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

(رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان ماہ مارچ ۱۹۱۴ء)

ان اقتباسات کا ماحصل یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب اپنے آپ کو آخری نبی سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ اکابر احمدیت کا ہے۔ ساتھ ہی ختم انبیاء کے معنی یہ کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ''روحانی توجہ نبی تراش ہے'' اس تشریح پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں:

---

[1] لا نبی بعدی کی عجیب تفسیر ہے (نہیں) نبی (کوئی نبی) بعدی (میرے بعد) یعنی حضور فرما رہے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ایڈیٹر صاحب سوائے ''مسیح موعود کے'' کا اضافہ فرما رہے ہیں۔ آخر یہ ''سوائے مسیح موعود'' کس عبارت کا ترجمہ ہے۔ (برق)

اول: جب حضور علیہ السلام کی توجہ سے نبی پیدا ہو سکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے صحابۂ کرام میں کوئی شخص مثلاً ابوبکر، عمر، علی، ابن عوف، ابن عباس۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہم منصب نبوت پر فائز نہ ہو سکا۔ یہ حضرات اطاعت و متابعت کے اس مقام اعلیٰ پر فائز تھے کہ بقول حضور ﷺ

ان اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم ط

(میرے صحابہ روشن ستارے ہیں۔ تم جس کی بھی پیروی کرو گے منزل کو پالو گے)

یہ حضرات اس درجہ کے عابد تھے کہ نماز میں کھڑے کھڑے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اس بلا کے فداکار تھے کہ جب ابروئے رسالت کا اشارہ پاتے تھے تو گھر میں صرف خدا و رسول کا نام چھوڑ آتے تھے اس غضب کے مجاہد تھے کہ ان کی شمشیر خارا شگاف سے ہفت اقلیم کی طاغوتی طاقتیں لرزہ براندام تھیں اس کمال کے عادل تھے کہ جب خیبر کے یہودیوں نے ایک صحابی کو سیم و زر کی رشوت دے کر کوئی بے انصافی کرانا چاہی اور اس نے انکار کر دیا۔ تو اکابر خیبر بول اٹھے:

''خدا کی قسم ارض و سما اسی انصاف کے بل پر قائم ہیں۔''

ان حضرات کی استقامت۔ تقویٰ۔ طاعت رسول۔ ایثار۔ جانبازی۔ اور عبادت گزاری پہ بیسیوں آیات شاہد ہیں۔ صرف ایک ملاحظہ ہو:

محمد رسول الله ط والذین معهٗ اشدآء علی الکفار رحمآء بینهم. تراهم رکعاً سجداً یبتغون فضلا من الله ورضواناً ز سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ط ذالك مثلهم فی التوراة و مثلهم فی الانجیل کزرع ...... واجراً عظیماً (الفتح:۲۹)

(محمد اللہ کے رسول ہیں ان کے ساتھی کفار کے مقابلہ میں سخت اور آپس

میں نرم ہیں۔تم انہیں عموماً رکوع وسجود کی حالت میں خدائی فضل وکرم کا
طالب پاؤ گے عبادت کی وجہ سے ان کے چہرے روشن ہیں۔ان کے
حالات تورات وانجیل میں بھی مرقوم ہیں۔ان کی حالت اس شاخ کی سی
ہے جومحکم واستوار بنتے بنتے ایک مضبوط تر بن جائے کفار انہیں دیکھ کر
آتش ورقابت میں جلتے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا
وعدہ کررکھا ہے)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا مداح خود رب العرش تھا اور جن کی اطاعت وفد
کاری کی داستانوں سے ابھی تک ارض وسما گونج رہے ہیں۔ان میں سے کیوں کوئی صحابی منصب
نبوت پہ فائز نہیں ہوا۔

دوم: "خاتم النبیین" دو الفاظ سے مرکب ہے۔خاتم النبیین۔النبیین جمع ہے نبی کی عربی میں جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے کتب کم از کم تین کتابیں مساجد۔کم از کم تین مسجدیں۔اگر خاتم سے مراد نبی تراش مہر لی جائے تو "خاتم النبیین" کی تفسیر ہوگی۔کم از کم تین نبی بنانے والی مہر۔لیکن مرزا صاحب اپنی آخری کتابوں میں اعلان کر چکے ہیں کہ میں اس امت کا پہلا اور آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی۔ولی یا خلیفہ نہیں آئے گا۔اگر مرزا صاحب کا یہ دعویٰ درست سمجھا جائے تو قرآن کی آیت غلط ٹھہرتی ہے۔ہے کوئی حل اس مشکل کا؟

خاتم النبیین کی تفسیر جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں

صفحات گزشتہ میں ہم نے جناب مرزا صاحب کی تحریرات سے لفظ خاتم کی تفسیر پیش کی تھی۔اب دیکھنا ہے کہ وہ پورے مرکب۔یعنی

خاتم النبیین

کی تفسیر کیا فرماتے ہیں۔ ازالہ اوہام میں ارشاد ہوتا ہے:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین.

''یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔'' (ازالہ اوہام ج ۲، صفحہ ۶۱۴)

ازالہ اوہام ستمبر ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے اور مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت کم از کم تیس برس پہلے کا تھا (تفصیل آگے آئے گی) اور۔

امور دینیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان (انبیاء) کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے: (ازالہ اوہام ج۔۲ صفحہ ۶۹)

نیز بار بار فرماتے ہیں کہ وحی الٰہی مجھ پر بارش کی طرح برستی ہے اور خدا تعالیٰ کے پاک مکالمہ سے قریباً ہر روز میں مشرف ہوتا ہوں۔ (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۳)

''میں اپنے خدائے پاک کے یقینی اور قطعی مکالمہ سے مشرف ہوں اور قریباً ہر روز مشرف ہوتا ہوں۔'' (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۶)

عجیب بات ہے کہ جناب مرزا صاحب بیس نہیں بلکہ تیس سال تک مسلسل لکھتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ حضور علیہ السلام پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے۔ اب کوئی نیا یا پرانا رسول نہیں آئے گا۔ لیکن وحی نے انہیں کبھی بھی نہ ٹوکا۔ حالانکہ پہلے انبیاء کا یہ عالم تھا کہ غلطی ہوئی تو فوراً آسمان سے وعید و تنبیہ آ گئی۔ جب حضور علیہ السلام نے نابینا یہودی سے ذرا بے اعتنائی برتی۔ تو جھٹ ''سورۂ عبس'' نازل ہوئی۔ لیکن مرزا صاحب پورے تیس برس تک ختم نبوت کے قائل رہے۔ مدعی نبوت کو کافر کہتے رہے اور جو جبریل دن میں کئی بار آپ کے ہاں آتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بھی آپ سے نہ کہا کہ حضرت! کہ آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اللہ نے آپ کو نبی بنایا ہے۔ نبوت کا دروازہ کھلا ہے اسے بند کر کے اپنے لیے دشواریاں پیدا نہ کیجئے۔

بہر حال آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ جناب مرزا صاحب نے خاتم النبیین کا ترجمہ نبیوں کو ختم کرنے والا کیا ہے۔ ''نبیوں کو پیدا کرنے والا'' نہیں کیا۔ اس تفسیر کی مزید تشریح ملاحظہ ہو:

''اے بھائیو۔۔۔۔ہم مسلمانوں کے لیے بجز قرآن شریف کے اور کوئی دوسری کتاب

نہیں اور بجز خاتم المرسلین کے اور کوئی ہمارے لیے ہادی اور مقتدا نہیں۔" (ازالہ۔ ج ۱، صفحہ ۹۳)

نزول مسیح کے مشہور عقیدے پہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسیح کیونکر آ سکتا۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوار روئین اس کو آنے سے روکتی ہے۔"

(ازالہ۔ ج ۲، صفحہ ۵۲۲)

ظاہر ہے کہ جو دیوار مسیح کی راہ میں حائل تھی۔ وہ "مسیح موعود" کو بھی آنے سے روک سکتی تھی۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایک دیوار ایک پرانے رسول کو تو روک دے اور نئے رسول کے آنے پر اس میں شگاف پڑ جائیں۔

سو یہ بات اس (اللہ) کے سچے وعدے کے برخلاف ہے کہ مردوں (مسیح) کو پھر دنیا میں بھیجنا شروع کر دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوت نامہ کے لوازم جو وحی اور نزول جبریل ہے اس (مسیح) کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیے، کیونکہ جب تصریح قرآن رسول اسی کو کہتے ہیں۔ جس نے احکام و عقائد دین جبریل کے ذریعے سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحی نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مُہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مُہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔

(ازالہ ج ۲، صفحہ ۵۳۴)

"اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح بن مریم کو لوازم نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔" (ازالہ ج ۲، صفحہ ۵۴۴)

"ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ (مسیح پر) وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل لادیں اور پھر چپ ہو جائیں۔ یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔ کیونکہ جب ختمیت کی مُہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہوگئی۔ تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے۔" (ازالہ ج ۲، صفحہ ۵۷۷)

"یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبریل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے۔" (ازالہ ج ۲، صفحہ ۵۸۳)

''وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا۔''

(ازالہ ج۲، صفحہ ۵۸۶)

''خاتم الانبیاء کی عظمت دکھانے کے لیے اگر کوئی نبی آتا۔ تو پھر خاتم الانبیاء کی شان عظیم میں رخنہ پڑ جاتا۔'' (ازالہ ج۲، صفحہ ۶۸۷)

یہ تو تھیں وہ تحریرات جو ستمبر ۱۸۹۱ء تک مرزا صاحب کے قلم سے نکلی تھیں۔ دسمبر ۱۸۹۱ء میں آپ نے ''آسمانی فیصلہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں فرماتے ہیں:

''میں نبوت کا مدعی نہیں۔ بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔''

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۳)

اے لوگو! اے مسلمانوں کی ذریت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو۔ جس کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے:

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۲۵)

۱۸۹۲ء میں ارشاد ہوتا ہے:

اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔ (نشان آسمانی صفحہ ۲۹)

۱۸۹۳ء میں لکھتے ہیں:

ہمارے سید رسول خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت ﷺ کے کوئی نبی نہیں آسکتا۔''

(شہادت القرآن صفحہ ۲۸)

''نبی تو اس امت میں آنے سے رہے اب اگر خلفا بھی نہ آویں اور وقتاً فوقتاً روحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلاویں تو پھر اسلام کی زندگی کا خاتمہ ہے۔'' (شہادۃ القرآن صفحہ ۶۰)

۱۸۹۵ء میں کہتے ہیں:

''(ہم) اس کو خاتم الانبیاء جانتے ہیں کیونکہ اس پر تمام نبوتیں اور تمام پاکیزگیاں اور تمام کمالات ختم ہو گئے۔'' (آریہ دھرم صفحہ ۸۲)

۱۸۹۷ء میں ارشاد ہوتا ہے:

اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں بھی آنحضرت کے بعد رسول اور نبی ہوں؟ ۔۔۔۔۔۔۔اصل حقیقت جس کی میں علیٰ روس الاشہاد گواہی دیتا ہوں۔ یہی ہے کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہ پرانا نہ کوئی نیا۔ اس کے بعد عربی عبارت ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ہر مدعی نبوت کافر ہے۔ (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۷)

۱۹۰۱ء میں فرماتے ہیں:

ایسا ہی پھر ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو نبوت اور وحی نبوت کے ساتھ زمین پر اتارنا یہ بھی صریح منطوق کلام الٰہی کے مخالف ہے کیونکہ موجب ابطال ختم نبوت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر حضرت مسیح سچ مچ زمین پر اتریں گے اور پینتالیس سال تک جبریل وحی نبوت لے کر ان پر نازل ہوتا رہے گا۔ تو کیا ایسے عقیدے سے دین اسلام باقی رہ جائے گا اور آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت اور قرآن کی ختم وحی پر کوئی داغ نہیں لگے گا۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۸۴)

اپریل ۱۹۰۲ء میں لکھتے ہیں:

اس جگہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی کو ہمارے مقابلہ کے لیے خوب موقع ملا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقائد کی حمایت میں کہ تا کسی حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچا کر اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنا دیں۔ بڑی جان کاہی سے کوشش کر رہے ہیں۔ (دافع البلا صفحہ ۱۵)

اقتباس بالا سے ظاہر ہے کہ جناب مرزا صاحب حضور کی شانِ ختم المرسلینی کو ہر رنگ میں قائم رکھنا چاہتے ہیں اور کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی نیا یا پرانا نبی مُہر نبوت کو توڑے۔

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں اعلان کرتے ہیں:

''نوع انسانی کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں۔ مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد ﷺ۔'' (کشتی نوح صفحہ ۱۳)

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے بغیر کوئی اور رسول نسل انسانی کے لیے

مقدر نہیں۔ اسی کتاب میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔

"یہ عیسیٰ۔ مسیح اور مہدی صاحب کیسے ہوں گے جو آتے ہی لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے یہاں تک کہ کسی اہل کتاب سے بھی جزیہ قبول نہیں کریں گے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اس قدر انقلاب سے بھی پھر بھی ختم نبوت میں حرج نہیں آئے گا۔" (کشتی نوح صفحہ ۶۸)

اقتباسات بالا کا ملخص یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آسکتا۔ اور ہر مدعی نبوت (بعد از حضور) کاذب و کافر ہے۔

"یہ تو تھا تصویر کا ایک رخ اب دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے:

یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔" حقیقۃ النبوۃ مصنفہ میاں محمود احمد صاحب

(امام جماعت احمدیہ صفحہ ۲۲۸)

اس دعویٰ کی مزید تشریح ملاحظہ ہو:

"یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد ﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔"

(ارشاد میاں محمد احمد صاحب۔ اخبار الفضل)

۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء

خلیفہ صاحب کے یہ ارشادات بے اصل نہیں۔ بلکہ ان کی بنیاد مرزا صاحب کی مختلف تحریرات پہ ڈالی گئی تھی۔ مثلاً

"یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت ﷺ کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں ۔۔۔۔۔۔ کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے؟" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۳)

"آسمانی فیصلہ" کا اقتباس پھر پڑھیئے:

"اے مسلمانوں کی ذریت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہ کرو۔"

اور دیکھیے۔

"کیا ضروری نہیں کہ اس امت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آوے۔ جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور ان کا ظل ہو۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۴)

ختم نبوت کی نئی تشریح

اور بالآخر یاد رہے کہ اگر ایک امتی کو جو محض پیروی آنحضرت ﷺ سے درجہ وحی اور الہام اور نبوت کا پاتا ہے۔ نبی کے نام کا اعزاز دیا جائے تو اس سے مُہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ وہ امتی ہے۔۔۔ مگر کسی ایسے نبی کا دوبارہ آنا جو امتی نہیں ہے۔ ختم نبوت کے منافی ہے۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۴۱)

مجھے اس قول سے اختلاف ہے میں جب انبیاء کی طویل فہرست پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ تو اس میں سے مجھے ہر ایک (آدمؑ کے سوا) امتی نظر آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسرائیلی و اسماعیلی انبیاء کے جدامجد تھے۔ بنی اسرائیل کے سیکڑوں انبیاء بائبل میں حضرت ابراہیم کی اطاعت و اتباع کا دم بھرتے ہیں۔ پھر یہی انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع پہ ناز کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ انجیل میں حضرت مسیح بار بار فرماتے ہیں کہ میں تورات کو منسوخ کرنے نہیں آیا۔ بلکہ اسے پورا کرنے آیا ہوں۔ حضور علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ:

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ط (النساء:۱۲۵)

(اے رسول۔ دین ابراہیمی کی پیروی کر)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

(النساء:۱۲۶)

(اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ صداقت کو کھول کر بیان کردے اور تمہیں اسلاف

کی مقدس راہوں پہ ڈال دے)

شروع میں ہم اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ اسلام کسی نئے مذہب کا نام نہیں بلکہ یہ اسی ازلی وابدی حقیقت کا اعادہ تھا جو سب سے پہلے آدمؑ اور آپ کے بعد دیگر انبیاء کو نوبت بہ نوبت ملتی رہی۔ اس لیے صداقت کا متلاشی اسلاف کی راہوں پہ چلنے کے لیے مجبور ہے۔ ہر نبی اپنی امت کے لیے مطاع تھا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ (النساء:٦٤)

(ہر نبی اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ دنیائے انسانی اس کی اطاعت کرے)

اور اسلاف کا مطیع یعنی امتی ۔ اس لیے ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے اور امتی بھی چونکہ آنحضرت آدم کے بغیر کوئی اور رسول غیر امتی ہے ہی نہیں اور چونکہ آنحضرت کے بعد وحی رسالت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اس لیے یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کے بعد امتی انبیاء آسکتے ہیں تو پھر نبوت کا سلسلہ ختم کیسے ہوا۔ غیر امتی نبی تو ہوتا ہی کوئی نہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ حکومت اعلان کی رو سے فوج میں سپاہیوں کی بھرتی بند کر دے۔ اس کے باوجود ایک ریکروٹنگ آفیسر دھڑا دھڑا بھرتی کرتا جائے اور جواب طلبی پہ کہے کہ حکومت نے صرف ایسے سپاہیوں کی بھرتی سے منع کیا تھا جن کی تین ٹانگیں اور چار کان ہوں اور اپنے جواب کی تائید میں نہ تو حکومت کی کوئی چٹھی پیش کر سکے اور نہ تین ٹنگے سپاہیوں کا وجود ثابت کر سکے۔

اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے کذاب ہے آپ کے بعد نبی آ سکتے ہیں اور ضرور آ سکتے ہیں: (انوار خلافت مصنفہ میاں محمود احمد صاحب صفحہ ٦٥)

''نشان آسمانی'' کا اقتباس دوبارہ پڑھیے۔ جس میں مرزا صاحب فرماتے ہیں:

میں اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں۔۔۔۔۔ کہ آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔''

الفضل ۱۲ جون ۱۹۲۸ء میں ایک احمدی بزرگ لکھتے ہیں:

''خاتم النبیین آنے والے نبیوں کے لیے روک نہیں انبیائے عظام حضرت مسیح موعود کے خادموں میں پیدا ہوں گے۔''

یہ اقتباس کوئی بڑ نہیں۔ بلکہ مرزا صاحب کے الہام ذیل کا ترجمہ ہے:

يَنصُرك رجالٌ نُوحي اِلَيهم مِنَ السماءِ ط

(تمہاری مدد ایسے لوگ کریں گے جن پر آسمان سے وحی نازل ہوگی)

جناب مرزا صاحب کے مزید ارشادات سنئے:

''میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا۔ اسی نے میرا نام نبی رکھا اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

''اور خدا تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ میں اس کی طرف سے ہوں۔ اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کیے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہوسکتی ہے۔'' (چشمہ معرفت صفحہ ۳۱۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں میں نے اپنی کتاب انوار اللہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود بموجب حدیث صحیحہ حقیقی نبی ہیں اور ایسے ہی نبی ہیں جیسے حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ و آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم --------- یہ کتاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پڑھ کر فرمایا: ''آپ نے ہماری طرف سے حیدرآباد دکن میں حق تبلیغ ادا کر دیا ہے۔'' (الفضل ۱۹ ستمبر ۱۹۱۵ء)

''اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا کوئی نبی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے۔ پس اس بنا پر میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی۔'' (تجلیاتِ الٰہیہ صفحہ ۲۴)

نیز مسیح موعود کو احمد نبی اللہ تسلیم نہ کرنا اور آپ کو امتی قرار دینا یا امتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت کو جو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ امتی قرار دینا اور امتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفرِ عظیم اور کفر بعد کفر ہے۔'' (الفضل ۲۹ جون ۱۹۱۵ء)

یہ اقتباس جناب مرزا صاحب کے ارشاد ذیل کی تفسیر ہے:

''پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں۔ مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور

نئے نام کے۔ بلکہ اسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پا کر اور اسی میں ہو کر اور اسی کا مظہر بن کر آیا ہوں۔" (نزول المسیح صفحہ۲)

ظاہر ہے کہ اصل اور مظہر میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا اگر جناب مرزا صاحب اسی مظہر ہونے کی بنا پر خاتم الانبیاء بن سکتے ہیں تو انہیں لازماً شرعی۔ حقیقی اور غیر امتی نبی بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے "الفضل" کی ترجمانی صحیح ہے:

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ۔۔۔۔۔۔۔جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں۔ اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوا ہے۔ خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱)

"مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن کریم پر۔"

(اربعین ۴ صفحہ ۲۵)

"سچا خدا وہ ہے۔ جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" (دافع البلا صفحہ ۱۱)

ما کان لی ان ادعی النبوہ راخرج من الاسلام و الحق لقوم الکافرین. (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۶)

(میرے لیے یہ کہاں مناسب ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافر بن جاؤں)

"میں پبلک اور حکام کی اطلاع کے لیے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا مقدس نبی۔۔۔۔۔۔۔اور بنی نوع انسان کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔"

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب الفضل ۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء)

"میں مسلمانوں کے سامنے صاف صاف۔۔۔۔۔۔۔۔اقرار کرتا ہوں کہ جناب خاتم الانبیاء ﷺ کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو۔ اسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" (مرزا صاحب کا بیان مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۲ صفحہ ۴۴)

جب پنجاب میں طاعون شروع ہوا۔ تو مرزا صاحب نے قادیان کے متعلق فرمایا:

''قادیان اسی لیے محفوظ رکھی گئی۔ کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔''

(دافع البلا صفحہ ۱۵)

ان تحریرات کو پڑھ کر آپ حیران ہوں گے کہ آخر جناب مرزا صاحب کی کس بات کو تسلیم کیا جائے:

''ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نکل نہیں سکتیں۔ کیونکہ ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق۔'' (ست بچن صفحہ ۳۱ مرزا صاحب کی تصنیف)

''اس شخص کی حالت ایک مخبوط الحواس انسان کی ہے کہ ایک کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے۔''
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۴)

''جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۲)

اس تضاد کو رفع کرنے کے لیے مختلف توجیہات سے کام لیا گیا:

اول: کہ جناب مرزا صاحب حضور علیہ السلام کا بروز مظہر تھے۔ آپ کی ہستی حضور سے جدا نہیں۔ آپ کی صورت میں خود حضور علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے تھے اور آپ کا دعویٰ ختم نبوت کے منافی نہیں تھا: مسیح موعود کا آنا بعینہ محمدؐ رسول اللہ کا دوبارہ آنا ہے۔ یہ بات قرآن سے صراحۃً ثابت ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ دوبارہ مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے آئیں گے۔''

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

''اور آپ (جناب مرزا صاحب) کو چونکہ آنحضرت ﷺ کا بروزی وجود عطا کیا گیا تھا۔ اس لیے آپ عین محمدؐ تھے۔'' (الفضل ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء)

''آنحضرت ﷺ کے لیے دو بعث مقدر تھے ایک بعث تکمیل ہدایت کے لیے دوسرا بعث تکمیل اشاعت ہدایت کے لیے۔'' (الفضل ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء)

''پھر مثیل اور بروز میں بھی فرق ہے۔ بروز میں وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتا ہے یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ پس فنافی الرسول اور مثیل ہونا بروز سے علیحدہ چیزیں ہیں بروز اور اوتار ہم معنی ہیں۔'' (الفضل ۲۰/ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

''میں ابھی احمدیت میں بطور بچہ ہی کے تھا۔ جو میرے کانوں میں یہ آواز پڑی۔ مسیح موعود

محمدؐ است وعین محمدؐ است۔"

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب اور حضور علیہ السلام ہر لحاظ سے ایک ہیں۔ لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ دونوں جسم روح ہر دو لحاظ سے ایک تھے۔ یا حضور کی صرف روح جناب مرزا صاحب میں داخل ہوئی تھی پہلی صورت بداہتہً غلط ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا جسد مطہر گنبد خضرا میں مدفون ہے اور دوسری صورت میں تناسخ کا قائل ہونا پڑے گا جو عقائد اسلام کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم شہدا کی حیات کا قائل ہے۔ انبیاء کا درجہ شہدا سے بہت بلند ہوتا ہے۔ لازماً انبیاء بھی حیات کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے۔ احادیث میں مذکور ہے کہ شب معراج کو حضور کی ملاقات کئی انبیاء سے ہوئی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات عالم برزخ میں بقید حیات ہیں۔ زندگی روح کا کرشمہ ہے۔ اگر انبیائے کرام کی روح خود ان کے برزخی اجسام میں موجود ہے تو پھر جناب مرزا صاحب میں حضور ﷺ کی روح کہاں سے آ گئی تھی۔ کیا ایک انسان میں کئی ارواح ہوتی ہیں؟ کہ ایک اپنے پاس رکھ لی اور باقی بانٹ دیں آریائی فلسفے کی رُو سے تو بروز و اوتار کا مسئلہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ یہ لوگ تناسخ کے قائل ہیں لیکن اسلام کی سیدھی سادی تعلیم ان پیچیدگیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی:

اور اگر عینیت سے مراد وحدت اوصاف و کمالات ہو۔ تب بھی بات نہیں بنتی۔ اس لیے کہ:

۱۔ حضور علیہ السلام اُمّی تھے اور مرزا صاحب چھ درجن کتابوں کے مصنف۔

۲۔ وہ عربی تھے اور یہ عجمی۔

۳۔ وہ قریشی تھے اور یہ فارسی نسل۔

۴۔ وہ دنیوی لحاظ سے بے برگ و بے نوا تھے اور یہ زمین و باغات کے مالک۔

۵۔ انہوں نے مدنی زندگی کے دس برس میں سارا جزیرۂ عرب زیر نگیں کر لیا تھا۔ اور جناب مرزا صاحب جہاد و فتوحات کے قائل ہی نہ تھے۔

۶۔ وہاں قیصر و کسریٰ کے استبداد کو ختم کرنے کا پروگرام تھا اور یہاں انگریز کے جابرانہ تسلط کو قائم رکھنے کے منصوبے۔

۷۔ وہاں اسلام کو آزادی کا مترادف قرار دیا گیا تھا اور یہاں غلامی کا مترادف (تفصیل کا انتظار فرمایئے)

الغرض نہ وحدت جسم و روح کا دعوٰی درست ہے۔ نہ وحدت اوصاف و کمالات کا۔ تو پھر ہم یہ کیسے باور کرلیں کہ محمد ﷺ عین غلام احمد تھے۔

دوم: دوسری توجیہہ یہ کی جاتی ہے کہ نبوت دو قسم کی ہے تشریعی و غیر تشریعی۔ جہاں مرزا صاحب نے نبوت کا انکار فرمایا ہے۔ وہاں تشریعی نبوت مراد ہے اور جہاں دعوٰی کیا ہے۔ وہاں غیر تشریعی۔

وہ (حضور علیہ السلام) ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۹)

ہم صفحات گذشتہ میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ہر نبی وحی کے ہمراہ آتا ہے اور یہی وحی اس کی شریعت اور کتاب ہوتی ہے۔

''بلاشبہ جس کلام (الہام) کے ذریعہ سے یہ تمام تفصیلات ان (مسیح) کو معلوم ہوں گی۔ وہ بوجہ وحی رسالت ہونے کے کتاب اللہ کہلائے گی۔'' (ازالہ ج ۲ صفحہ ۵۷۹)

''خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزو سے کم نہیں ہوگا۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

''اب کے سالانہ جلسہ پر جناب میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان نے کتاب کی اہمیت کو جتاتے ہوئے خود قادیان میں حضرت مسیح موعود کے الہامات کو جمع کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی مریدوں کو اس کی تلاوت کے لیے بھی ارشاد فرمایا۔''

(مضمون ڈاکٹر بشارت احمد لاہوری احمدی پیغام صلح ۱۱ جون ۱۹۳۴ء)

''آپ (جناب مرزا صاحب) کی وحی بھی جدا جدا آیت ہے اور مجموعہ الھامات الکتاب المبین ہے۔'' (رسالہ احمد مع از قاضی محمد یوسف ص ۴۳)

الحمدللہ کہ آپ کا (مرزا صاحب کا) ایک لحاظ سے صاحب کتاب ہونا ثابت ہو گیا۔"

(الفضل ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء)

اور میں عیسیٰ مسیح کو ہرگز ان امور میں اپنے پر کوئی زیادت نہیں دیکھتا یعنی جیسے اس پر خدا کا کلام نازل ہوا۔ ایسا ہی مجھ پر ہوا۔"

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۶)

اگر بالفرض نبوت کی دو قسمیں یعنی تشریعی مان بھی لی جائیں تب بھی یہ حقیقت سب کے ہاں مسلمہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب و شریعت نبی تھے۔ اگر جناب مرزا صاحب کے الہامات انجیل کے ہم پایہ تھے تو پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک چھوٹی سی کتاب یعنی انجیل کی بنا پر حضرت عیسیٰ کو تو صاحب کتاب و شریعت رسول تسلیم کیا جائے اور جناب مرزا صاحب کی وحی کو جو بیس اجزا پہ مشتمل ہے۔ نظر انداز کر دیا جائے بات یہ ہے کہ نبی وحی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہی وحی اس کی شریعت ہوتی ہے۔ انبیاء کو شرعی و غیر شرعی میں تقسیم کرنا درست نہیں۔ اس سلسلہ پر مرزا صاحب کا ارشادِ ذیل کتنا فیصلہ کن ہے:

ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا۔ وہی صاحب الشریعت ہو گیا پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی مثلاً یہ الہام ۔۔۔۔۔ یہ براہین احمدیہ میں درج ہے۔ اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان هذا لفی الصحف الاولیٰ o صحف ابراهیم و موسیٰ o

(الاعلیٰ: ۱۸، ۱۹)

یعنی قرآنی تعلیم تورات میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفا (مکمل طور پر) امر اور نہی کا ذکر ہو۔ تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر تورات یا قرآن شریعت میں باستیفا احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔ غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ

اندیشیاں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے۔ کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ زنا نہ کرو۔ خون نہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیان شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔''

(اربعین نمبر۴ صفحہ ۷۔۸)

سوم: اس الجھن کا ایک حل جماعت احمدیہ کے امام جناب میاں محمود احمد صاحب نے پیش فرمایا ہے۔ اور وہ یہ۔

''۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ (مرزا صاحب) نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔''

(حقیقۃ النبوۃ ص ۱۲۱ از میاں احمد صاحب)

میاں صاحب کا یہ فیصلہ کئی لحاظ سے محل نظر ہے۔

اول: جناب مرزا صاحب آپ کے عقیدہ کے مطابق ملہم من اللہ اور رسول تھے۔ وہ کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے۔ ان کے الہامات خدائی تھے۔ ملہم سے زیادہ الہامات کی حقیقت کو دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ ان کی تحریرات کو منسوخ کرنا ایک امتی کا کام نہیں ہوسکتا۔ ایک تحصیلدار کو یہ اختیار کہاں حاصل کہ وہ گورنر کے احکام کو منسوخ کرتا پھرے۔

دوم: جناب مرزا صاحب پر پہلی وحی ۱۸۶۵ء میں نازل ہوئی تھی (تفصیل کا انتظار فرمائیے) ۱۹۰۱ء تک پورے چھتیس برس بنتے ہیں ایک رسول کے ثلث صدی کے الہامات کو بہ یک کشش قلم منسوخ کر دینا ایک ایسا اقدام ہے جس کے لیے سند کی ضرورت ہے۔ لیکن جناب مرزا صاحب کی بہتر (۷۲) تصانیف میں ایک لفظ تک ایسا نہیں ملتا جس سے اشارۃً بھی یہ مترشح ہوتا ہو کہ جناب میاں صاحب کو ایک رسول کا کلام منسوخ کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔

سوم: جناب مرزا صاحب کا انتقال مئی ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ ان پر پورے بیالیس سال تک وحی آتی رہی۔ اگر کوئی صاحب چونتیس برس کی وحی کو یہ کہہ کر مسترد کردے کہ وہ آخری آٹھ برس کی

وحی سے متصادم ہوتی ہے تو ایک غیر احمدی لازماً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یا تو پہلی وحی غیر خدائی تھی یا آخری۔ اس لیے کہ خدا کی وحی میں تضاد و تصادم نہیں ہوا کرتا۔

چہارم: ہم صفحات گذشتہ میں ''دافع البلا اور کشتی نوح'' چند اقتباسات درج کر چکے ہیں۔ جن میں مرزا صاحب خاتمۂ نبوت کے صریحاً قائل ہیں یہ دونوں کتابیں ۱۹۰۲ء میں لکھی گئی تھیں اور اگر صرف ۱۹۰۱ء کی تحریرات منسوخ ہیں تو پھر ان اقتباسات کا تطابق آخری تحریرات سے کیسے ہوگا؟

پنجم: جناب مرزا صاحب کی اہم تصانیف (۷۲) ہیں۔ جن میں سے اڑتالیس ۱۹۰۱ء سے پہلے کی ہیں اور چوبیس بعد کی۔ اگر ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریرات منسوخ کر دی جائیں۔ تو مرزا صاحب کی دو تہائی تحریرات سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اگر ایک رسول کی دو تہائی تحریرات کو نا قابل اعتماد قرار دیا جائے تو باقی ماندہ ایک تہائی پر سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا۔

دوسرا باب

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

جماعت احمدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب مسیح موعود تھے اور آپ کا منکر کافر ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

جو شخص مجھے نہیں مانتا۔ وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عمداً خدا کے نشانوں کو رد کرتا ہے۔۔۔۔۔ وہ مومن کیونکر ہوسکتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۴)

''کفر دو قسم پر ہے اول یہ کفر کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا۔۔۔۔۔۔۔ یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۹)

جناب میاں محمود احمد صاحب ایک قدم آگے بڑھ کر فرماتے ہیں:

''کُل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا۔ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔'' (آئینہ صداقت)

اس فتویٰ پر جناب مرزا صاحب کا اپنا ارشاد ملاحظہ ہو:

ڈاکٹر عبدالحکیم میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا۔ گو یہ میرے نام سے بھی بے خبر ہوگا۔۔۔۔۔۔ تب بھی وہ کافر ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔ یہ ڈاکٹر مذکور کا سراسر افترا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ تو ایسا امر ہے کہ بیداہت اس کو کوئی عقل قبول نہیں کرسکتی۔ (حقیقۃ الوحی)

سوال یہ ہے کہ کیا قرآن نے کسی آنے والے مسیح کی خبر دی تھی۔ اس کا جواب ہم دیں گے تو آپ اعتبار نہیں کریں گے۔ خود جناب مرزا صاحب کی زبانی سنیئے:

''قرآن شریف میں مسیح ابنِ مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں۔'' (ایام صلح)

جس حالت میں قرآن شریف کھلے کھلے طور پر حضرت مسیح کے وفات پا جانے کا قائل ہے۔تو پھر۔۔۔۔۔۔ کیونکر ان کا وہ جسم جو بموجب نص قرآنی کے زمین میں دفن ہو چکا ہے۔ آسمان سے اُترے گا۔
(ازالہ ج ۱)

''قرآن میں ایک دفعہ بھی ان کی خارق زندگی اور دوبارہ آنے کا ذکر نہیں۔''

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۵)

''ایسا ہی قرآن کریم میں آنے والے مجدد کا بہ لفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں۔''

(شہادت القرآن صفحہ ۶۴)

جس کسی مجدد مسیح بن مریم یا مسیح موعود کے آنے کا ذکر قرآن میں موجود نہیں بعض احادیث میں صرف مسیح ابن مریم (مسیح موعود نہیں) کے نزول کا ذکر ملتا ہے تو کیا ایسا مسیح پر اگر وہ آ بھی جائے ایمان لانا ضروری ہے؟ اس کا جواب خود مرزا صاحب یوں دیتے ہیں:

''مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ بلکہ صدہا پیش گوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے۔جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔''
(ازالہ ج ۱، صفحہ ۱۴۰)

''میرے دعویٰ کی انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا۔''

(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

''اگر مسٹر ڈوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور کے روبرو میں نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی (مرزا صاحب کا سب سے بڑا دشمن اور منکر) کو کافر نہیں کہوں گا۔ تو واقعی میرا یہی مذہب ہے کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔''
(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجّال نہیں ہوسکتا۔''
(تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

''اب اگر میاں عبدالحق اپنے قصورِ فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں۔ لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا۔ بلکہ مخطی (خطاکار) جانتا ہوں۔''
(ازالہ ج ۲، صفحہ ۶۳۷)

احادیث ازبس نا قابل اعتماد ہیں۔ امام بخاری کے عہد میں ان کی تعداد چودہ لاکھ تھی۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں مکررات کو چھوڑ کر صرف چار ہزار احادیث درج کیں اور سب کو مسترد کر دیا۔ اس ذخیرے میں بے شمار تضاد اوہام کی بہتات اور غلط سلط باتوں کی بھرمار ہے۔ حضور ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی۔ وہ قرآن تھا حدیث نہیں تھی۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ اس لیے اگر کوئی شخص کسی حدیث کی بنا پر کوئی دعوٰی کرے تو قابل توجہ نہیں:

''احادیث تو انسانوں کے دخل سے بھری ہوئی ہیں۔'' (ازالہ ج ۲، صفحہ ۵۲۱)

ہم مسلمانوں کے پاس وہ نص جو اوّل درجہ پر قطعی اور یقینی ہے قرآن کریم ہی ہے۔ اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں اور ظن حق کے لیے کچھ بھی مفید نہیں۔

(ازالہ ج ۲، صفحہ ۶۵۴)

''خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو یہ پیش کرتے ہیں تحریف معنوی یا لفظی میں آلودہ ہیں اور یا سرے سے موضوع ہیں۔'' (اربعین ۳، صفحہ ۱۸)

''تمہارے ہاتھ میں کیا ہے بجز ان چند حدیثوں کے جو تہتر فرقوں نے بوٹی بوٹی کر کے باہم تقسیم کر رکھی ہیں۔'' (اربعین ۴، صفحہ ۲۷)

قرآن میں کسی مسیح کے آنے کا ذکر نہیں۔ حدیثوں کی حالت آپ کے سامنے ہے۔ احمدی بھائیو! انصافاً کہو کہ اب اگر کوئی شخص کسی ظنی حدیث کی بنیاد پر رسول بن کر آ جائے تو کیا اس کا دعوٰی قابل قبول ہو سکتا ہے؟ قرآن کی پوری ایک سو آیات ختم رسالت کا اعلان کر چکی ہیں پوری دو سو دس احادیث تائید کے بعد موجود ہیں خود مرزا صاحب کے کئی سو اقوال مدعی نبوت کو کافر کذاب قرار دیتے ہیں ذرا سوچئے کہ ان حالات میں ہم کسی صاحب کو نبی تسلیم کریں تو کس بنیاد پر؟

پھر جس حدیث کی بنا پر جناب مرزا صاحب نے دعوٰی نبوت کیا ہے اس میں مسیح موعود کے آنے کا ذکر نہیں۔ بلکہ مسیح بن مریم کے نزول کا ذکر ہے اگر آپ کو یقین ہے کہ قرآن کی رو سے حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں۔ تو لازماً اس حدیث کو غلط قرار دینا ہوگا۔ ایسی غلط حدیث کو لے کر پہلے بصد تکلف مثیل مسیح بننا۔ پھر مسیح بن مریم ہونے کا اعلان کرنا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو مسیح موعود سمجھنا اور آخر میں ایک مستقل رسول بن کر مسلمانوں کے سامنے آ جانا کہاں تک جائز ہے۔

مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ ''تمام حدیثیں تحریف معنوی ولفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔'' اور ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے۔

''جب قرآن مسیح ابن مریم کو مارتا ہے اور حدیثیں مثیل (حدیث میں مثیل کا لفظ کہیں موجود نہیں۔ برق) ابن مریم کے آنے کا وعدہ کرتی ہیں تو اس صورت میں کیا اشکال باقی رہا۔''

(ازالہ ج ۲، صفحہ ۵۳۶)

مطلب یہ کہ میں حدیثوں کی رو سے مثیل مسیح بن کر آیا ہوں۔ اور جس حدیث میں مسیح بن مریم کے آنے کا ذکر ہے۔ اس سے مراد مثیل مسیح ہے اور ہر ایسی حدیث جو مسیح بن مریم کے آنے کی خبر دیتی ہے۔ وہ اول درجہ کی قابل اعتبار ہے:

یہ کمال درجہ کی بدنصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں ---------- یہ بات پوشیدہ نہیں۔ کہ مسیح بن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اوّل درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے۔ (ازالہ ج ۲، صفحہ ۵۵۷)

اور یہ بھی ملاحظہ ہو:

اس زمانے کے بعض نادان کئی دفعہ شکست کھا کر پھر مجھ سے حدیثوں کی رُو سے بحث کرنا چاہتے ہیں ---------- وہ اپنی چند ایسی حدیثوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ جو محض ظنیات کا ذخیرہ اور مجروح ومخدوش ہیں ---------------------- خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں۔ تحریف لفظی یا معنوی میں آلودہ ہیں۔

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴)

علمائے اسلام جو احادیث جناب مرزا صاحب کے سامنے پیش کرتے تھے ان تمام کا تعلق مسیح ابن مریم اور دجال وغیرہ سے تھا۔ ملاحظہ ہو۔ پیر صاحب گولڑہ کی ''سیف چشتیائی۔'' جن کی تردید میں ''تحفہ گولڑویہ'' لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں تمام وہی احادیث پیش کی گئی ہیں۔ جن کا تعلق نزول مسیح سے ہے اگر یہ تمام احادیث محرف اور موضوع ہیں۔ تو پھر انہی کی بنا پر آپ کا دعوٰی مسیحیت ونبوت کیوں کر جائز ٹھہرا؟

احمدی بھائیو! بات بالکل سیدھی سی ہے۔

قرآن میں کسی مسیح کی آمد کا ذکر موجود نہیں

احادیث موضوع و محرف ہیں۔

مرزا صاحب انہی احادیث کا سہارا لے کر مسیح موعود

و رسول بنے ہیں۔

انصافاً کہو کہ کیا حدیث کی سند قابل اعتماد ہے؟ اگر نہیں تو پھر مرزا صاحب کا دعوائے رسالت کیونکر صحیح ہوا۔ اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے سمجھایئے اور اگر میری دلیل میں کوئی وزن موجود ہے تو خود مان جایئے۔ ہمارا قبلہ ایک، کتاب ایک، تمدن ایک، فلسفہ ایک، تہذیب ایک، لباس ایک، صورت شکل ایک، سوچنے کا ڈھنگ ایک، روایات ایک اسلاف ایک، سب کچھ تو پھر ہم ایک دوسرے سے الگ کیوں کر رہیں۔

اب اور نہ ترساؤ

یا ہم کو بلا بھیجو یا آپ چلے آؤ۔

ایک اور الجھن

مسیح موعود اور مثیل مسیح میں بڑا فرق ہے۔ مسیح موعود سے مراد بعینہ وہ مسیح ہے۔ جس کے آنے کی بشارت احادیث میں موجود ہے اور مثیل سے مراد ایسا شخص ہے جو مسیح موعود سے بعض صفات میں ملتا جلتا ہو۔

رُستم ایک ہی تھا لیکن رستم جیسے (مثیل رستم) پہلوان بہت سے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مسیح موعود ایک معیّن شخصیت ہے جس کے مثیل بے شمار ہو سکتے ہیں۔ سارا ہندوستان حکیم اجمل خان کو مسیح الملک کہتا تھا۔ اس لیے کہ بیماروں کو شفا دینے میں انہیں حضرت مسیح کی طرح یدطولیٰ حاصل تھا۔ جناب مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے:

''مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر افترا کرنا لعنتیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔'' (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ مندرجہ تبلیغ رسالت ج۔۱۰)

''میرا دعوٰی یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالٰی کی تمام کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹۵)

چونکہ احادیث میں مسیح موعود کا لفظ موجود نہیں۔ بلکہ مسیح ابن مریم کا ہے اس لیے مسیح ابن مریم بننے کے لیے اس راہ پہ چلتے ہیں:

''اس (اللہ) نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریم رکھا۔۔۔۔۔۔۔ میں نے دو برس تک یہ صفت مریمیت میں پرورش پائی۔ پھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مریم کی طرح عیسٰی کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔ اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں۔ مجھے مریم سے عیسٰی بنایا گیا۔'' (کشتی نوح صفحہ ۴۶)

اور پھر فرماتے ہیں:

''سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے۔'' (ازالہ صفحہ ۶۵۹)

اور اس طرح جناب مرزا صاحب مکمل مسیح موعود بن گئے۔

اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعوٰی نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ (ازالہ صفحہ ۶۸۳)

یہ تو تھا آپ کا دعوٰی۔ اب ذرا یہ اقتباسات بھی پڑھیے۔

''میں نے صرف مثیل مسیح ہونے کا دعوٰی کیا ہے اور میرا یہ دعوٰی نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار مثیل مسیح آ جائیں۔'' (ازالہ صفحہ ۱۹۹)

مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعوٰی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ مجھے تو فقط مثیل مسیح ہونے کا دعوٰی ہے۔'' (اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۲، صفحہ ۲۱)

''یہ بات سچ ہے کہ اللہ جل شانہ کی وحی اور الہام سے میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعوٰی کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں اسی الہام کی بنا پر اپنے تئیں وہ موعود مثیل (مسیح موعود نہیں۔ بلکہ

مثیل موعود) سمجھتا ہوں۔ جس کو دوسرے لوگ غلط فہمی سے مسیح موعود کہتے ہیں۔"

"ایک غلطی کا ازالہ" والا اقتباس پھر پڑھیے۔

"مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔"

اقتباس ذیل کے ہر ہر لفظ پر غور فرمایئے:

اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا۔ کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام مجھ پر لگادے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے بلکہ میری طرف سے عرصہ سات آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔ یعنی حضرت عیسیٰ کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی لکھے ہیں۔
(ازالہ ج۔ اول صفحہ ۱۹۰)

اور لطف یہ کہ اسی کتاب (ازالہ) میں چند صفحات پہلے فرماتے ہیں۔

اب جو امر کہ خدا تعالیٰ نے میرے پر منکشف کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں۔ (ازالہ جلد اول طبع دوم صفحہ ۱۷)

اور جلد دوم میں اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کے لیے ایک سو اکانوے صفحات وقف فرماتے ہیں اور ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے کہ میرے دعویٰ کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔

فرمایئے ہم ان بیانات سے کیا نتیجہ اخذ کریں؟

دلچسپ جواب

جناب مرزا صاحب براہین احمدیہ میں لکھ چکے تھے کہ حضرت مسیح بن مریم زندہ ہیں اور وہ آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہوں گے پھر ازالہ اوہام میں عیسیٰ کی وفات پر تیس دلائل پیش

کیے۔ جب کسی نے اس تضاد پہ اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں لکھا:

مگر خدا نے میری نظر کو پھیر دیا۔ میں براہین کی وحی کو نہ سمجھ سکا کہ وہ مجھے مسیح موعود بناتی ہے۔ یہ میری سادگی تھی جو میری سچائی پر ایک عظیم الشان دلیل تھی۔ ورنہ میرے مخالف مجھے بتلا دیں کہ میں نے باوجودیکہ براہین احمدیہ میں مسیح موعود بنایا گیا تھا۔ بارہ برس تک یہ دعوٰی کیوں نہ کیا اور کیوں براہین میں خدا کی وحی کے مخالف لکھ دیا۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۷)

یعنی تضاد تو پیدا ہوا جناب مرزا صاحب کے کلام میں۔ اور اس کا جواب دیں آپ کے مخالفین۔ کیا دلچسپ منطق ہے۔ اس کی مثال یُوں ہے کہ ایک شخص بارہ برس تک دو اور دو کو چار کہتا رہے اور تیرہویں سال دو اور دو کو اٹھارہ بنا دے اور جب کوئی اعتراض کرے تو وہ کہے کہ اس بوالعجبی کا جواب تمہارے ذمہ ہے۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو وحی ہر روز آپ پر بارش کی طرح برستی تھی۔ اس نے پورے بارہ برس تک آپ کو یہ کیوں نہ سمجھایا کہ آپ کی فلاں بات خلاف حقیقت ہے کیا اللہ تعالٰی کی دانش وحکمت کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا ایک جلیل القدر رسول بارہ برس تک خلاف حقیقت لکھتا اور کہتا رہے اور خدا عرش پر خاموش بیٹھا رہے:

بہر حال اس عقدہ کو حل کرنے کی ذمہ داری مخالفین پر نہیں۔ بلکہ خود صاحب الہام پہ عائد ہوتی ہے۔ ''اعجاز احمدی'' ۱۹۰۲ء کی تصنیف ہے اور پورے دو برس پہلے وہ اس مشکل کو حل فرما چکے تھے۔ فرماتے ہیں:

''میرے دعوٰی مسیح موعود کی بنیاد انہی الہامات (براہین احمدیہ والے) سے پڑی۔ انہیں میں میرا نام خدا نے عیسٰی رکھا اور جو آیتیں مسیح موعود کے حق میں تھیں۔ وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے۔ یہ خدائی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں پھنس گئے۔''

(اربعین نمبر ۲ صفحہ ۲۱)

علوم ہوتا ہے۔ ورنہ یہ بات نا قابل تسلیم ہے کہ ایک رسول پر ایک وحی نازل

ہو۔ جبریل ہر روز مسلسل آتا رہے اور رسول کو بارہ برس تک اس وحی کا مطلب ہی معلوم نہ ہو سکے۔

ہر رسول کا یہ فرض منصبی ہوتا ہے کہ وہ اپنی وحی کی تبلیغ کرے:

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (المائدہ:٦٧)

(ہمارے پیغام کی تبلیغ کرو)

لیکن اگر کسی رسول کو بارہ برس تک اس پیغام کا مفہوم ہی معلوم نہ ہو سکے تو وہ تبلیغ کیا کرے گا۔ رسالت کی طویل تاریخ میں یہ آج تک نہیں ہوا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ ایک رسول بارہ برس تک اپنے الہام کو نہ سمجھے۔ حامل الوحی (جبریل) مسلسل آتا رہے اور سمجھائے بغیر واپس جاتا رہے وہ رسول خدا کے الہام و منشا کے خلاف پیہم لکھتا رہے اور اللہ تعالیٰ چپ چاپ تماشہ دیکھتا رہے اس صورتِ حال کو عقل قبول نہیں کر سکتی۔

تیسرا باب

مسیح و مثیل مسیح

جناب مرزا صاحب بارہا فرما چکے ہیں کہ میں مثیل مسیح ہوں "یعنی حضرت عیسیٰ کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔" (ازالہ ج ۱، صفحہ ۱۹۰)

حضرت عیسیٰ کے اخلاق۔ عادات اور خواص کیا تھے۔ ان کی تفصیل سے مرزا صاحب کی تصانیف لبریز ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہوں:

اس مسیح (جناب مرزا صاحب) کو اسرائیلی مسیح پر ایک خوبی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حاصل ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ حکمت اور معرفت سکھائی گئی۔ جو مسیح ابن مریم کو نہیں سکھلائی تھی۔ (ازالہ صفحہ ۶۴۸)

"اگر تجربہ کی رُو سے خدا کی تائید مسیح بن مریم سے بڑھ کر میرے ساتھ نہ ہو تو میں جھوٹا ہوں۔" (دافع البلا صفحہ ۲۱)

خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔ (دافع البلا صفحہ ۱۳)

یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔

(کشتی نوح حاشیہ ص ۶۵)

پھر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر اس پر بددعا کی اور دوسروں کو دعا کرنا سکھایا اور دوسروں کو یہ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو۔ مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولدالحرام کہہ دیا۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۹)

اس جگہ حضرت مسیح کی تہذیب اور اخلاق پر ایک سخت اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مسیح نے نہایت غیر مہذب الفاظ استعمال کیے۔

(ازالہ طبع دوم حاشیہ صفحہ ۴۔۵)

یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح بن مریم باذن و حکم الٰہی الیسع نبی کی طرح اس عمل الترب (مسمریزم۔ شعبدہ بازی) میں کمال رکھتے تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تو حضرت مسیح سے کم نہ رہتا۔

(ازالہ طبع دوم صفحہ ۱۲۷ حاشیہ)

....

واضح ہو کہ اس عملِ جسمانی (مسمریزم) کا ایک نہایت برا خاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے تئیں اس مشغولی[1] میں ڈالے۔۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔۔۔روحانی تاثیروں۔۔۔۔۔۔۔ میں بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح۔۔۔۔۔۔۔ ہدایت اور توحید۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے بارے میں ان کی کارروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام کے رہے[2]

(ازالہ طبع[3] دوم صفحہ ۱۲۸)

اس درماندہ انسان (مسیح علیہ السلام) کی پیشگوئیاں کیا تھیں۔ صرف یہی کہ زلزلے آئیں گے قحط پڑیں گے۔ لڑائیاں ہوں گی۔ پس ان دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیشگوئیاں اس کی خدائی پہ دلیل ٹھہرائیں اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنالیا۔ کیا ہمیشہ زلزلے نہیں آتے۔ کیا ہمیشہ قحط نہیں پڑتے۔ کیا کہیں نہ کہیں لڑائی کا سلسلہ شروع نہیں رہتا۔ پس ان نادان اسرائیلیوں نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی کیوں نام رکھا۔

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴)

....

۱۔ کتاب میں یہی لفظ ہے۔ ۲۔ نقل مطابق اصل ہے۔

۳۔ اقتباس میں نقطوں کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے بعض حصے حذف کر کے عبارت کو حسبِ منشا ڈھال لیا ہے۔ حاشا و کلا بددیانتی کا کوئی ارادہ نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ بعض زائد الفاظ کو بغرض اختصار حذف کر دیا گیا ہے۔ (برق)

قارئین اس حقیقت سے یقیناً آگاہ ہوں گے کہ جناب مرزا صاحب نے پنجاب میں طاعون اور کئی زلزلوں کی پیشگوئیاں کی تھیں خیر اس قصے کو جانے دیجئے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اخلاق وخواص کی تفصیل سنیئے۔

بغیر اس کے کہ وہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے کیونکہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل اس کی نبوت پر قائم نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ابطال ہونے پہ کئی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کی فہرست میں لکھ دیا۔

....

''آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی
آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔''

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)

جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزار ہا کیڑے مکوڑے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں ---------عیسیٰ کی اس (معجزانہ) پیدائش سے کوئی بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۸)

''مروی اور رجولیت انسان کے صفحات محمودہ میں سے ہے ہیجڑہ ہونا کوئی صفت نہیں --------حضرت مسیح مردانہ صفت (رجولیت) کی اعلیٰ ترین صفت سے محروم ہونے کے باعث ازدواج سے سچی اور کاملِ حسن معاشرت کا کوئی عملی نمونہ نہ دے سکے۔''

(مکتوب احمدیہ جلد سوم صفحہ ۲۸)

حق بات یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کرلیا۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ٦)

''آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کارہ اور کسبی عورتیں تھیں۔ جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۷)

اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح بن مریم کی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح۔ میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔ (کشتی نوح صفحہ ۱۶)

....

''خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راست بازوں پہ زبان درازی کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی شخص حسین جیسے یا حضرت عیسیٰ جیسے راست باز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔'' (ضمیمہ نزول المسیح صفحہ ۳۸)

....

حضرت مسیح کے متعلق اس تلخ زبانی کی ایک وجہ جناب مرزا صاحب نے یہ بیان فرمائی ہے کہ میرا روئے سخن قرآن والے عیسیٰ کی طرف نہیں بلکہ انجیل والے یسوع کی طرف ہے بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر قرآن میں بھی انجیل والے مسیح یا عیسیٰ کا ذکر ہے۔

واتيناه الانجيل فيه هُدًی وَّ نورٌ (المائدہ:۴۶)

(ہم نے حضرت مسیح کو انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی ہے)

یہ دونوں الگ الگ کیسے ہوئے کیا انجیل میں کہیں لکھا ہے کہ مسیح شراب پیتے جھوٹ بولتے۔ مداریوں کے کھیل دکھاتے اور فاحشہ عورتوں کی نسل سے تھے۔ کہیں نہیں۔ تو پھر آپ نے حضرت مسیحؑ کی یہ انوکھی سیرت کہاں سے حاصل کی ہے جب قرآن وانجیل ہر دو میں حضرت مسیح کی نہایت بلند مطہر اور مقدس تصویر ملتی ہے تو پھر انجیل والے مسیح کو شرابی اور جھوٹا کہنا کیا معنی؟ قرآن کا عیسیٰ انجیل کے یسوع سے کوئی الگ ہستی نہیں تھا:

ایک دو ماہ بعد مریم کا بیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسیٰ یا یسوع کے نام سے موسوم ہوا۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۸)

بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر فرمایا:

''آپ (حضور علیہ السلام) کا نام احمد تھا۔ یعنی خدا کا سچا پرستار اور اس کے فضل ورحم کا شکر گزار اور یہ نام اپنی حقیقت کی رُو سے یسوع کا مترادف ہے۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۹)

جناب مرزا صاحب اپنے تمام دورِ نبوت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف لکھتے رہے لیکن کبھی کبھی یہ بھی فرماتے رہے کہ میرا روئے سخن انجیل والے عیسیٰ کی طرف ہے آخر ۱۹۰۵ء میں اس راز سے یوں پردہ اٹھایا:

''ہماری قلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت جو کچھ خلاف شان ان کے نکلا ہے وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں۔''

(مقدمہ چشمۂ مسیحی حاشیہ صفحہ ب)

لیکن مرزا صاحب فراموش کر گئے کہ یہودیوں کے ہاں حضرت مسیح علیہ السلام گردن زدنی تھے اور ہمارے ہاں وہ ایک اولوالعزم رسول ہیں کیا ایک مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ وہ یہودیوں کا ہم آہنگ ہو کر ایک جلیل المرتبت پیغمبر کے خلاف زبان کھولے۔ یہودی تو ہمارے حضور پُرنور کو بھی گالیاں دیتے ہیں کیا ہم اس معاملے میں بھی ان کی تقلید کریں؟

جس طرح یہود محض تعصب سے حضرت عیسیٰ اور ان کی انجیل پہ حملے کرتے ہیں اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ پہ کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس طریق بد میں یہودیوں کی پیروی کرتے۔ (مقدمہ چشمہ مسیحی صفحہ ب)

اگر عیسائیوں کے لیے یہود کے ''طریق بد'' کی پیروی نا مناسب تھی تو جناب مرزا صاحب کے لیے اسی پیروی کا جواز کہاں سے نکل آیا:

ہاں۔ تو ہم مرزا صاحب کی تحریرات کی روشنی میں حضرت مسیح کے اخلاق وخواص کا جائزہ لے رہے تھے۔ اقتباسات بالا کا ملخص یہ نکلا۔

۱۔ کہ حضرت مسیح کا علم مرزا صاحب سے کم تھا۔
۲۔ کہ خدائی تائید مرزا صاحب کے ساتھ زیادہ تھی۔
۳۔ کہ مرزا صاحب ''اپنی تمام شان میں حضرت مسیح سے بہت بڑھ کر'' تھے۔
۴۔ کہ مسیح علیہ السلام شرابی تھے۔
۵۔ کہ وہ بدزبان تھے۔

۶۔ کہ وہ نہایت غیر مہذب الفاظ استعمال کرتے تھے۔

۷۔ کہ وہ مسمریزم جیسے مکروہ اور قابل نفرت عمل میں کمال رکھتے تھے۔

۸۔ کہ وہ ''روحانی تاثیروں میں ضعیف نکمے اور قریب قریب ناکام'' تھے۔

۹۔ کہ اس ''درماندہ انسان'' کی پیشگوئیاں بے معنی تھیں۔

۱۰۔ کہ اس کی نبوت کے ابطال پر کئی دلائل قائم تھے۔

۱۱۔ کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔

۱۲۔ کہ ان کی معجزانہ پیدائش ایسی ہی تھی۔ جیسے برسات میں کیڑے پیدا ہو جائیں۔

۱۳۔ کہ وہ رجولیت سے محروم تھے اور ہیجڑہ ہونا کوئی صفت نہیں۔

۱۴۔ کہ گندی گالیوں کی وجہ سے ''شریفوں نے آپ سے کنارہ کرلیا تھا۔''

۱۵۔ کہ آپ کی تین دادیاں اور نانیاں زناکارہ تھیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی اس ''سیرت'' کو پیش نظر رکھ کر حضرت مرزا صاحب کا یہ ارشاد بغور مطالعہ فرمایئے۔

میں مثیل مسیح ہوں۔ یعنی حضرت مسیح کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔ (ازالہ صفحہ ۱۹۰)

چوتھا باب

تاریخِ بعثت

حضور علیہ السلام کی تاریخ بعثت سب کو معلوم ہے کہ ۶۱۰ء میں حضرت جبریل علیہ السلام بالکل پہلی مرتبہ غار حرا میں آئے تھے اور حضور ﷺ سے کہا تھا۔

اِقْرَاْء. بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝

اِقْرَاْء وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ (العلق:۱۔۴)

(اے محمد ﷺ پڑھ۔ اور اس اللہ کا نام لے کر پڑھ۔ جس نے انسان کو ارتقائی منازل میں) جونک سے پیدا کیا۔ اس عظیم رب کا نام لے کر پڑھ۔ جس نے قلم کو علم دیا)

لیکن جناب مرزا صاحب کی تاریخ وحی کونسی ہے یہ معلوم کرنا کارے دارد مرزا صاحب کی علمی تصانیف بہتر ہیں۔ جن میں سے ہر کتاب آپ کے نشانات دلائل نبوت، زمانہ رسالت اور الہامات سے لبریز ہے اور تقریباً ہر کتاب میں کئی کئی مرتبہ آپ نے اپنے دعوائے رسالت کی تاریخ بیان کی ہے، ہم باقی کتابوں کو چھوڑتے ہیں اور صرف دس کتابیں کھول کر آپ کی تاریخ رسالت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اوراق گذشتہ میں واضح کر چکے ہیں کہ جناب مرزا صاحب کی وحی قرآن وتورات کی ہمپایہ تھی۔ اس سلسلے کا پیغام کب نازل ہوا۔ اقتباسات ذیل کو دیکھئے:۔

ا۔ براہین احمدیہ۔ سالِ تصنیف ۸۴۔۱۸۸۰ء

اس کتاب میں ایک مقام پر ۱۸۶۹ء کا ایک الہام درج کرتے ہیں جسے وہ آخر تک اپنی دیگر تصانیف میں دہراتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔

وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں

گے۔ (حاشیہ در حاشیہ ۳۔ براہین احمدیہ صفحہ ۵۲۱)

۲۔ازالہ اوہام۔تاریخ تصنیف ۲۔ستمبر ۱۸۹۱ء

''وہ آدم اور ابن مریم یہی عاجز ہے اور اس عاجز کا یہ دعوٰی دس برس سے شائع ہو رہا ہے۔'' (ازالہ صفحہ ۶۹۵)

ازالہ ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے اس سے دس برس کم کیجئے۔باقی ۱۸۸۱ء

۳۔نشانِ آسمانی۔تاریخ تصنیف، جون ۱۸۹۲ء

یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لیے بالہام خاص مامور کیا گیا۔اور بشارت دی گئی کہ اسی (۸۰) برس تک یا اس کے قریب قریب عمر ہے سو اس الہام سے چالیس برس تک دعوت ثابت ہوتی ہے۔جن میں سے دس برس کامل گزر بھی گئے ہیں۔

(نشان آسمانی صفحہ ۱۵)

۱۸۹۲ء میں سے دس کم کیجئے باقی ۱۸۸۲ء

۴۔شہادتُ القرآن نومبر ۱۸۹۳ء کی تصنیف ہے۔

''مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر پہ ظہور کیا۔'' (شہادۃ القرآن صفحہ ۲۸)

یہ نہیں کیا۔کہ ''تیرہویں صدی کے آخر'' میں بلکہ ''چودھویں صدی کے سر'' یعنی آغاز میں ظہور کیا۔اگر آغاز سے مراد ۱۳۰۰ھ لی جائے تو یہ مساوی بنتی ہے۔۱۸۸۳ء عیسوی کے۔

۵۔تریاق القلوب (تاریخ تصنیف ۲۰ ستمبر ۱۸۹۹ء)

''تیرہویں صدی کے ختم ہونے پر یہ مجدد آیا۔'' (تریاق القلوب صفحہ ۳۰)

یہ بالکل اقتباس بالا کی تائید ہے۔

۶۔اربعین۔جون ۱۹۰۰ء کی تصنیف ہے۔

یہ دعوٰی منجانب اللہ ہونا اور مکالمات الٰہیہ کا تقریباً تیس برس ہے۔''

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۷)

۱۹۰۰ء سے تیس گھٹایئے۔ باقی ۱۸۷۰ء

میرے وحی اللہ پانے کے دن سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں سے برابر کیے۔ (اربعین نمبر۳ صفحہ ۵۶)

حضور علیہ السلام کے ایام وحی تقریباً ۲۲ شمسی سال تھے ۱۹۰۰ء سے بائیس کم کر دو۔ باقی ۱۸۷۸ء

''تیری عمر اسی (۸۰) برس کی ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور یہ الہام قریباً پینتیس برس سے ہو چکا ہے۔'' (اربعین نمبر۳ صفحہ ۳۶)

اس اقتباس کی رُو سے پہلا الہام آپ سے ۱۸۶۵ء میں نازل ہوا تھا۔ اس لیے کہ اربعین ۱۹۰۰ء کی تصنیف ہے۔

۷۔ تحفۂ گولڑویہ ۱۹۰۱ء (اوائل) کی تصنیف ہے۔

''میرے دعوے کے وقت رمضان کے مہینے میں اسی صدی یعنی چودھویں صدی ۱۳۱۱ھ میں خسوف کسوف ہوگیا۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۴)

اس اقتباس میں ''دعویٰ کا وقت'' ۱۳۱۱ھ بتایا گیا ہے۔ جو ۱۸۹۴ء عیسوی کے مطابق ہے:

دانیال نبی بتاتا ہے کہ اسی نبی آخرالزمان کے ظہور سے جب بارہ سونوے برس گزر جائیں گے۔ تو وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا اور ۱۳۳۵ ہجری تک اپنا کام چلائے گا۔ (حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹۱)

حضور علیہ السلام کی ولادت ۵۷۰ء ظہور (بعثت) ۶۱۰ء اور رحلت ۶۳۲ء میں ہوئی تھی۔ سال ظہور یعنی ۶۱۰ء میں اگر ۱۲۹۰ برس اور جمع کر دیئے جائیں تو یہ ۱۹۰۰ء بنتا ہے۔ کیا مرزا صاحب ۱۹۰۰ء میں مبعوث ہوئے تھے؟ اگر ظہور سے مراد ولادت لی جائے تو تاریخ بعثت ۵۷۰ جمع ۱۲۹۰ مطابق ۱۸۶۰ء بنتی ہے۔

اور آخری فقرہ بھی قابل غور ہے ''اور ۱۳۳۵ھ تک اپنا کام چلائے گا۔'' لیکن مرزا صاحب کا انتقال ۱۳۲۶ھ میں ہوگیا تھا۔

۸۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ اگست ۱۹۰۲ء کی تصنیف ہے۔

''یہ دعوٰی منجانب اللہ ہونے اور مکالمات الٰہیہ کا قریباً تیس برس سے ہے۔''

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶)

۱۹۰۲ء سے تیس برس کم کیجئے۔ باقی ۱۸۷۲ء

تیری عمر اسی (۸۰) برس ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔ اور یہ الہام قریباً پینتیس برس سے ہو چکا ہے۔ (یعنی ۱۸۶۷ء میں) (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶۹)

۹۔ حقیقۃ الوحی (۱۹۰۶ء میں شروع ہو کر ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو ختم ہوئی)

ٹھیک بارہ سو نوے (۱۲۹۰ھ) میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ ومخاطبہ پا چکا تھا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹)

۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء۔

پیغام صلح جناب مرزا صاحب کی آخری تصنیف ہے۔ جو رحلت (۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) سے صرف دو روز پہلے لکھی گئی تھی۔

''میں تقریباً تیس برس سے خدا کے مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہوں۔'' ۱۹۰۸ء سے تیس کم کیے جائیں تو باقی ۱۸۷۸ء رہتا ہے۔

ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ تحفہ گولڑویہ کے مطابق تاریخ بعثت ۱۸۶۰ء یا ۱۹۰۰ء بنتی ہے۔

۲۔ اربعین کے مطابق بعثت ۱۸۶۵ء بنتی ہے۔

۳۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ " " ۱۸۶۷ء " "

۴۔ براہین " " " " ۱۸۶۹ء " "

۵۔ تریاق القلوب " " " ۱۸۷۰ء " "

۶۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۷۲ء ۔ ۔

۷۔ حقیقۃ الوحی۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۷۳ء ۔ ۔

۸۔ پیام صلح۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۷۸ء ۔ ۔

۹۔ نشان آسمانی۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۸۲ء ۔ ۔

۱۰۔ شہادۃ القرآن۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۸۳ء ۔ ۔

۱۱۔ تحفہ گولڑویہ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۸۹۴ء ۔ ۔

احمدی بھائیو! آپ ہی فرمائیں کہ ہم جناب مرزا صاحب کے کس قول کو مانیں۔ یہ گیارہ اقوال ہیں۔ ان میں سے جس ایک پر ایمان لائیں۔ باقی دس کی تکذیب ہوتی ہے۔

پانچواں باب

دلائل برنبوّت

جناب مرزا صاحب نے اپنی نبوت پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے ہیں۔

اول۔ آیہ خاتم النبیین جس پر بحث ہو چکی ہے۔

دوم۔ آیہ اولئک مع الذین انعم

سوم۔ آیہ ولو تقول علینا

چہارم۔ آیہ کما ارسلنا الی فرعون رسولاً ط

اُولٰئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ

اس آیہ کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور رسول کے پیرو

فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین و الصدیقین و الشہدآء و الصالحین ج (النساء:۶۹)

(ان لوگوں کی رفاقت میں ہوں گے۔ جن پر اللہ کے انعامات نازل ہوئے مثلاً انبیاء۔ اصدقا۔ شہداء اور صُلحا)

جس طرح دنیا میں بے شمار مقامات۔ مناصب اور اکرامات موجود ہیں اسی طرح اخروی زندگی میں بھی زندگی کے مدارج ہوں گے۔ یہ ناقابل یقین ہے کہ وہاں غزالی اور پھتو کمہار کا درجہ حیات ایک ہو۔ اگر پھتو کمہار خدا اور رسول کا کامل پیرو ہے۔ تو اسے منعم علیہم کی رفاقت نصیب ہو سکتی ہے۔ لیکن ان کی شان نہیں مل سکتی۔ ملکہ انگلستان (الزبتھ) بکنگھم پیلس میں رہتی ہے جہاں کئی سو ملازموں کو اس کی رفاقت کا فخر حاصل ہے کوئی کھانا پکا رہا ہے۔ کوئی بچوں کو بہلا رہا ہے کوئی موٹر چلا رہا ہے۔ کوئی صفائی پہ متعین ہے۔ کوئی فرضِ حفاظت سرانجام دے رہا ہے لیکن ان میں سے کوئی

بھی اس کی شان ملوکیت میں شریک نہیں۔

اس آیت سے جو استدلال جناب مرزا صاحب نے قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب خدا اور رسول کے پیرو اس زندگی میں صدیق۔ شہید اور صالح بن سکتے ہیں تو وہ نبی بھی ہو سکتے ہیں۔ اس استدلال کے متعلق عرض ہے کہ:

آیت میں مع (ساتھ۔ رفاقت۔ ہمراہ ہونا) کا لفظ ہے یعنی وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے۔ نہ کہ خود نبی بن جائیں گے۔ گورنر کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ساتھی بھی گورنر ہیں۔ انگلستان کے آئین کے مطابق بادشاہ کا صرف بڑا لڑکا یا لڑکی ولی عہد ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس کی رفاقت کا فخر ایک دن میں کئی سو ملازموں۔ افسروں اور ملاقاتیوں کو نصیب ہوتا ہے۔ جن میں سے کسی ایک کے بھی بادشاہ بننے کا امکان نہیں اس لیے کہ آئین مانع ہے۔ اسی طرح انبیاء کی رفاقت کی عزت لاکھوں انسانوں کو حاصل ہو سکتی ہے لیکن حضور علیہ السلام کے بعد کوئی فرد نبی نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ آئین قرآن مانع ہے۔

جناب مرزا صاحب نے آیہ زیر بحث کو ہر جگہ نامکمل لکھا ہے یا کم از کم میری نظر سے جس قدر کتابیں گزری ہیں۔ ان میں یہ آیت نامکمل لکھی ہوئی تھی اور آخری حصہ کہیں بھی مذکور نہیں تھا اور وہ یہ ہے۔

وحسن اولئك رفيقاً o (النساء:٦٩)

(اور یہ لوگ انبیاء وغیرہ) کتنے عمدہ رفیق ہیں)

دیکھا آپ نے کہ اللہ نے لفظ مع کی کتنی عمدہ تفسیر پیش کی ہے اب اس آخری ٹکڑے کو ساری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیے:

خدا اور رسول کے پیرو منعم علیہ گروہ یعنی انبیاء۔ اصدقا۔ شہدا اور صلحا کے ساتھ ہوں گے۔ اور یہ کتنی اچھی رفاقت ہے۔

ہے کوئی پیچیدگی اس تفسیر میں؟ اور ہے کوئی امکان اس آیت میں نبی بننے کا؟ اگر ہم سیدھی سی بات کو موڑنا اور کھینچنا شروع کر دیں۔ تو رسول کو خدا اور خدا کو عبد بنا سکتے ہیں۔ مثلاً ہم کہہ سکتے

ہیں کہ سورۃ فاتحہ میں خدا رسول سے کہہ رہا ہے۔

ایاك نعبد (اے رسول ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں)

کیا سورۃ فاتحہ میں کوئی ایسی رکاوٹ موجود ہے جو ہمیں اس تفسیر سے روک سکے؟ تاویل وہ حربہ ہے جس سے ہم خود خدا بن سکتے ہیں کیسے؟ منصور سے پوچھو ابن العربی کے نظریہ وحدت الوجود کا مطالعہ کرو۔ بدھ کے نروان اور آریوں کے ویدانت کو دیکھو۔ اگر ان قدیم نظریوں پر کوئی کتاب نہ مل سکے۔ تو کسی پادری کے پاس جاؤ۔ وہ باپ بیٹے اور روح القدس کی خدائی پہ وہ دلائل دے گا کہ آپ سر پیٹ کر رہ جائیں گے۔ تاویل کے زور سے آپ ایک فاسق کو جنتی اور ولی کو جہنمی بنا سکتے ہیں۔ تاویل وہ آگ ہے جو دیر و حرم سب کو پھونک سکتی ہے۔ اس لیے تاویل کو تو رکھیے ایک طرف اور ایک سادہ لوح طالب علم یا ایک دیانت دار محقق کی طرح آیہ بالا پہ نظر ڈالیے اور انصافاً کہیے کہ کیا اس آیت میں کہیں کوئی نبی بننے کا نسخہ موجود ہے؟ نہیں اور قطعاً نہیں۔

دلیل افترا

جناب مرزا صاحب پورے بیس برس تک اس آیت سے استدلال فرماتے رہے۔ اس استدلال کو ہر تصنیف میں بار بار دہراتے رہے اور لطف یہ کہ آپ کے مخالفین یعنی مولوی محمد حسین بٹالوی مولانا ثناءاللہ امرت سری۔ مولوی عبدالحق غزنوی و دیگر سینکڑوں علماء میں سے کوئی ایک بھی اس استدلال کا جواب نہ سے سکا۔

پہلے آیت ملاحظہ کیجئے۔

انه لقول رسول كريم ۝ وما هم بقول شاعر ط قليلا ما تؤمنون ۝ ولا بقول كاهن ط قليلا ما تذكرون ۝ تنزيل من رب العالمين ۝ ولو تقول علينا بعض الاقاويل ۝ لاخذنا منه باليمين ۝ ثم لقطعنا منه الوتين ۝ (الحاقہ ۴۰-۴۶)

یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے۔ شاعر کا قول نہیں۔ تم کیوں نہیں مانتے نہ کسی کاہن کا قول ہے۔ پھر کیوں درس ہدایت نہیں لیتے۔ اس کے اتارنے کا سامان اللہ نے کیا۔ اگر یہ رسول کریم ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالیں۔

اس آیہ سے جناب مرزا صاحب نے مندرجہ ذیل استدلال قائم کیا: خدا تعالیٰ قرآن کریم ہے کہ جو میرے پر افترا کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ اور میں جلد مفتری کو پکڑتا ہوں۔ اور اس کو مہلت نہیں دیتا لیکن اس عاجز کے دعوائے مجدد و مثیل مسیح ہونے اور دعوائے ہم کلامِ الٰہی ہونے پر اب بفضلہ تعالیٰ گیارھواں برس جاتا ہے کیا یہ نشان نہیں ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ کاروبار نہ ہوتا کیونکہ عشرہ کاملہ تک جو ایک حصہ عمر کا ہے ٹھہر سکتا تھا۔

(نشان آسمانی صفحہ ۴۳)

''پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسے ظالم مفتری کو اتنی لمبی مہلت بھی دے دی۔ جسے آج تک بارہ برس گزر چکے ہوں اور مفتری ایسا اپنے افترا میں بے باک ہو۔''

(شہادت القرآن صفحہ ۷۶)

''خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ جھوٹا نبی ہلاک کیا جاتا ہے۔''

(ضمیمہ اربعین نمبر ۳،۴)

''خدا تعالیٰ مفتری علی اللہ کو ہرگز سلامت نہیں چھوڑتا اور اسی دنیا میں اس کو سزا دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے۔'' (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۴)

....

خدا تعالیٰ قرآن شریف میں بار بار فرماتا ہے کہ مفتری اسی دنیا میں ہلاک ہوگا۔ بلکہ خدا کے سچے نبیوں اور مامورین کے لیے سب سے بڑی یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے کام کی تکمیل کر کے مرتے ہیں۔ اور ان کو اشاعت دین کی مہلت دی جاتی ہے اور انسان کی اس مختصر زندگی میں بڑی سے بڑی مہلت تئیس برس ہے۔ (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۵)

پھر تورات میں یہ عبارت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف فرما دیا۔ کہ افترا کی سزا خدا کے نزدیک قتل ہے۔ (اربعین نمبر ۴ صفحہ ۹)

....

ان اقتباسات کا ملخص یہ ہے کہ ہر جھوٹا نبی (مفتری) ہلاک کر دیا جاتا ہے چونکہ میں دعوائے نبوت کے بعد اتنے برس سے زندہ ہوں اس لیے میں سچا رسول ہوں۔ اس استدلال کے سلسلے میں جناب مرزا صاحب نے مخالف علماء کو بار بار چیلنج دیا۔ کہ اگر اسلام کی طویل تاریخ میں کوئی جھوٹا نبی ہلاک نہ ہوا ہو۔ تو اس کا نام بتاؤ۔ لیکن کوئی عالم گذشتہ ستر برس میں ایک مثال بھی پیش نہ کر سکا۔

ہم اس استدلال کے سلسلے میں صرف دو معروضات پیش کرتے ہیں۔

اول

مسلمان ہر زمانے میں ختم نبوت کے قائل اور مدعی نبوت کو واجب القتل سمجھتے رہے ہیں۔ ایشیائے صغیر۔ عراق۔ ایران۔ شام۔ مصر۔ ٹیونس۔ افغانستان اور بخارا میں صدیوں سے اسلامی حکومت قائم ہے۔ جہاں کسی مدعی نبوت نے سر اٹھایا۔ فوراً یا تو مسیلمہ و مقنع کی طرح قتل ہو گیا۔ اور یا المتنبی کی طرح تائب ہو گیا۔ فرمایئے۔ ان حالات میں کسی جھوٹے نبی کی دس بیس سال نبوت کی کارگزاری لائیں تو کہاں سے۔ اسلامی تاریخ میں سے کوئی ایسی مثال ڈھونڈنا کہ مدعی نبوت ایک طویل مدت تک زندہ رہا ہو۔ بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ہاں اگر کسی اور قوم (ہندو۔ انگریز وغیرہ) کی حکومت ہو اور وہاں ایک نہیں بلکہ ایک ہزار جھوٹے نبی بھی پیدا ہو جائیں۔ تب بھی ان کا بال بیکا تک نہیں ہو گا۔

انگریز دوسروں کے غیر سیاسی عقائد میں بہت کم دخل دیتا تھا۔ کوئی نبی ہو یا غیر نبی اس کی بلا سے۔ جناب مرزا صاحب کے دعوٰی نبوت کے بعد احمدیوں اور غیر احمدیوں (احمدیوں سے زیادہ) سے تقریباً بیس رسول اٹھے۔ مثلاً چراغ دین (جموں) الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ لاہور۔ ڈاکٹر عبدالحکیم (پٹیالہ)۔ عبدالرحمٰن محی الدین لکھو کے۔ غلام دستگیر قصوری۔ سعد اللہ لدھیانوی۔ فقیر مرزا

عبداللطیف گنا چوری۔ یار محمد قادیانی۔غلام محمد لاہوری۔عبداللہ تیما پوری۔صدیق دیندار وغیرہ وغیرہ۔ایک دو کے بغیر طاعون سے ہلاک ہوئے۔باقی سب کے سب طبعی موت مرے۔غلام محمد لاہوری (احمدیہ بلڈنگس) نے ۱۹۳۱ء میں دعوائے نبوت کیا تھا۔اور ۱۹۵۲ء تک وہ اپنے الہامات و معجزات نیز عادی و دلائل کے مجموعے (مطبوعہ وغیر مطبوعہ) مجھے بھیجتے رہے۔میں ان تمام کو ردی کی ٹوکری کے حوالے کرتا رہا۔البتہ میں نے ان کا ایک طویل خط محررۂ ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء محفوظ کر لیا ہے۔اس خط میں مجھے لکھتے ہیں کہ تم نے اپنی تصانیف میں مطالعۂ کائنات پہ بحث کی رقوم کو ایثار جانی و مالی کا بھی درس دیا۔نظام شریعت پہ بھی روشنی ڈالی۔لیکن

الامام المھدی آخر الزمان کے وجود کو آپ نے اپنی تصانیف میں فراموش کر کے کتمانِ حق کا بھاری جرم کیا ہے۔(صفحہ ۴)

الامام المہدی سے مراد ان کی اپنی ذات ہے۔

اسی طرح تحصیل گڑھ شکر کے ایک موضع گنا چور میں مولوی عبداللطیف نے ۱۹۲۱ء میں لوائے نبوت بلند کیا تھا۔دسمبر ۱۹۲۲ء کا ذکر ہے کہ میں راہوں ضلع جالندھر سے جالندھر کو جا رہا تھا کہ دوسرے سٹیشن (نام بھولتا ہوں شاید بنگہ) پر لوگ کہہ رہے تھے کہ اس گاؤں میں ایک پیغمبر آیا ہوا ہے اور ظہر کے بعد وہ تقریر کرے گا۔میں وہیں اتر گیا ''پیغمبر صاحب'' کی تقریر سنی۔جس کا ملخص یہ تھا کہ مرزا صاحب کے فلاں فلاں اقوال کی وجہ سے میں پیغمبر ہوں۔اس کی تقریر کا رُخ تمام تر جماعت قادیان کی طرف تھا۔تقریر کے بعد میں نے اٹھ کر کچھ پوچھنا چاہا تو پیغمبر صاحب نے انکار کر دیا اور اپنی جماعت کے ہمراہ تشریف لے گئے انہوں نے بعد میں ایک کتاب ''چشمہ نبوت'' لکھی۔نیز بڑے بڑے پوسٹر اپنی نبوت کے متعلق نکالے۔اس وقت ۴ مارچ ۱۹۳۳ء کا ایک پوسٹر میرے سامنے ہے اس کے نیچے صوبیدار نیاز احمد خاں۔رائے بھینو خاں ذیلدار۔چوہدری نذیر احمد خاں بی۔اے۔چوہدری سعادت علی خاں۔چوہدری مہدی خاں۔چوہدری کرامت علی خاں۔چوہدری مشتاق احمد خاں۔چوہدری احمد خاں اور گڑھ شکر کے چند دیگر راجپوتوں کے دستخط ہیں۔اس میں درج ہے:

''مولوی عبداللطیف سکنہ گنا چور ضلع جالندھر جو ہماری معزز قوم راجپوت کے ایک فرد ہیں۔تقریباً بارہ سال سے نبی ہونے امام مہدی اور مجدد وقت ہونے کا دعوٰی کیے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔مولوی صاحب موصوف اپنی سچائی پر ذیل کے الفاظ میں حلف اٹھاتے ہیں۔

''وحی ۱۶ دسمبر ۱۹۲۵ءخدا کی قسم اس زمانے کا زندہ اولوالعزم رسول ہوں اور اگر اس بات میں، مَیں سچا نہ ہوں تو خدا کی لعنت مجھ پر اور میرے اہل پر ابدالآباد تک ہو۔اور جو میری اس قسم کا یقین نہ کرے وہ بھی خدا کی طرف سے سزا کا مستحق ہے۔ (عبداللطیف بقلم خود)

اس کے مقابل میاں محمود احمد صاحب خلیفہ المسیح الثانی اور مولوی شیر علی صاحب ذیل کے الفاظ میں قسم کھائیں۔

میں محمود احمد۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور مولوی شیر علی جو میری جماعت کے ملہم ہیں۔خدا کی قسم کھا کر اس امر کا اعلان کرتے ہیں۔۔۔۔۔کہ مولوی عبداللطیف کا دعوٰی جھوٹا ہے۔اگر ہم اس قسم میں جھوٹے ہیں تو خدا کی لعنت مجھ پر۔مولوی شیر علی پر۔اور ہماری اولاد پر ابدالآباد تک ہو۔۔۔۔۔''

مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ہمیں چالیس کروڑ امتِ محمدیہ کو کافر قرار دینا پڑتا ہے ان کے ساتھ نماز پڑھنی۔ان کا نماز جنازہ پڑھنا ان کے ساتھ رشتہ داری کرنا حرام قرار دینا پڑتا ہے ۔۔۔۔۔میں بہ حیثیت نبی مرزا صاحب کے اس فتوے کو منسوخ قرار دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔''

(اشتہار ۴ مارچ ۱۹۳۳ء)

مولوی عبداللطیف کب تک زندہ رہے۔یقینی طور پر معلوم نہیں گڑھ شکر کے بعض مہاجرین کہتے ہیں۔کہ وہ ۱۹۴۵ء تک زندہ رہے۔بعض ان کا سالِ وفات ۱۹۴۳ء بتاتے ہیں۔سنِ وفات چالیس ہو یا پینتالیس۔سوال یہ ہے کہ ان دونوں مفتریوں (غلام محمد، عبداللطیف کو اللہ نے کیوں ہلاک نہ کیا اور کیوں انہیں بیس برس تک افترا و اضلال کے لیے باقی رکھا۔کیا ان کی رگ گردن اللہ کی رسائی سے باہر تھی۔یا نعوذ باللہ۔اللہ کو وہ اپنی بات بھول گئی تھی۔

''کہ اگر یہ رسول ہم پہ افترا باندھتا۔تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ

ڈالتے۔"

اگر یہ لوگ جھوٹے تھے اور یقیناً جھوٹے تھے تو پھر ان کے ہلاک نہ ہونے کی کوئی وجہ تو ہونی چاہیے۔

آیئے۔ وجہ ہم بتاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ زیر بحث کا مفہوم ہمارے علماء سے آج تک مخفی رہا۔ قرآن مفسر قرآن ہے اس آیہ کی تفسیر ایک اور آیت میں موجود ہے۔ یہاں قابل حل صرف یہ سوال ہے کہ رسول کریم کون ہے۔ اگر اس سے مراد حضور ﷺ ہوں تو جناب مرزا صاحب کا استدلال درست ہے۔ اور اگر کوئی اور ہو تو درست نہیں۔ "رسول کریم" کی تفسیر آیۂ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

انہ لقول رسول کریم ۝ ذی قوۃ عند ذی العرش مکین ۝ مطاع ثم امین ۝ وما صاحبکم بمجنون ۝ ولقد راہ بالافق المبین ۝ وما ھو علی الغیب بضنین ۝ وما ھو بقول شیطان رجیم ۝ (التکویر ۱۹۔۲۵)

سارے قرآن میں صرف دو ہی آیات ہیں۔ جن میں قرآن کو "رسول کریم" کا قول کہا گیا ہے۔ پہلی آیت میں کہا گیا تھا کہ اگر یہ رسول کریم ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرے۔ تو ہم اس کی رگِ جان کاٹ ڈالیں۔ اور اس آیہ میں اسی رسول کریم کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مختلف مظاہر کونی کا انتظام مختلف فرشتوں کے سپرد ہے۔ روشنی کا فرشتہ سمندروں کا پانی بخارات میں بدل رہا ہے۔ برفستانوں کا فرشتہ ہواؤں کو بادلوں میں تبدیل کر رہا ہے۔ اسی طرح ایک فرشتہ وحی کے کام پر مامور ہے وہ منشائے ایزدی سے اطلاع پاکر اور اس منشا کو اپنے الفاظ میں ڈھال کر کسی رسول کی طرف بھیج دیتا ہے۔ تنزیل (ترسیل۔ اتارنا) کا انتظام اللہ کرتا ہے اور مشیت کی ترجمانی وہ فرشتہ جسے قرآن میں دو مرتبہ رسول کریم کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کو از اول تا آخر پڑھ جایئے۔ یہی نظر آئے گا۔ کہ تنزیل کا کام تو اللہ کر رہا ہے۔ لیکن یہ کتاب رسول کریم کا قول ہے۔ امورِ یزدان کو معاملات انساں پر قیاس کرنا درست

نہیں۔تاہم تفہیم کی خاطر ہم ایک مثال سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں۔

آج کل آپ دیکھتے ہیں کہ حکومت لمبے لمبے احکام جاری کرتی ہے یہ سب کے سب گورنر کی طرف سے ہوتے ہیں لیکن ان احکام کے الفاظ گورنر کے نہیں ہوتے۔بلکہ کوئی سیکرٹری ڈرافٹ (مضمون حکم) تیار کرتا ہے جو گورنر کی مشیت یا منشا کا پوری طرح ترجمان ہوتا ہے بس یہی حال صحائف الہامیہ کا ہے۔کہ الفاظ رسول کریم کے اور ترجمانی خدائی مشیت کی ہوتی ہے۔حضرت اقبالؒ کے اس شعر میں بھی اس حقیقت پہ کچھ روشنی پڑتی ہے۔

محمدؐ بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

اب آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے۔جو بڑا طاقت ور اور رب العرش کے پاس مقیم ہے۔جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے۔جو بے حد دیانت دار ہے۔آپ کا نبی (صاحبکم) دیوانہ نہیں۔آپ کے نبی نے اس رسول کریم کو ایک روشن افق پہ دیکھا تھا۔یہ رسول کریم امور غیب کے ابلاغ میں بخل سے کام نہیں لیتا اور یہ قرآن کسی مردود شیطان کا کلام نہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول کریم اور محمد ﷺ دو جدا جدا ہستیاں ہیں حضور ﷺ نے اس رسول کریم کو روشن افق پہ بھی دیکھا تھا۔یہ ربّ العرش کے ہاں مقیم ہے اور اس قدر دیانت دار ہے کہ خدائی مشیت کو کسی کمی بیشی کے بغیر انبیاء تک منتقل کر دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''اگر یہ رسول کریم کوئی غلط بات ہماری طرف منسوب کرے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ ڈالیں۔''

دیکھ لیا آپ نے کہ ''رگِ جان کاٹنے'' کی وعید اس فرشتے سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ حضور علیہ السلام سے۔جب بنیاد ہی نہ رہی تو پھر وہ قصرِ استدلال کیسے قائم رہ سکتا ہے۔جو مرزا صاحب نے صرف اسی بنیاد پہ اٹھایا تھا کہ رگِ جان والی وعید کا تعلق حضور علیہ السلام سے ہے۔

نیز یہ بات نا قابلِ تسلیم ہے کہ اس آیت میں تو خدا افترا علی اللہ کی سزا قتل تجویز کرے اور

باقی دو ودرجن آیات میں جہاں اسی جرم کاذکر ہے۔سزا یا تو ناکامی ہو۔یا اگلی دنیا میں جہنم اور یا صرف لعنت مثلاً:

قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی ط

(مفتری ناکام ہوجاتا ہے) نہ کہ قتل

انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون با یات لله و اولئك هم الکاذبون (النحل:۱۰۵)

(اللہ کی طرف جھوٹ وہی منسوب کرتے ہیں۔ جو الٰہی آیات پہ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جھوٹے ہیں)

یہ نہیں فرمایا! کہ یہ قتل ہو جائیں گے۔ بلکہ آیۂ ذیل سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹا نبی اپنی موت تک مہلت پاتا ہے اوراس کی سزا کا سلسلہ بعدازموت شروع ہوتا ہے۔

ومن اظلم ممن افتری علی الله الکذبا اوقال اوحی الی ولم یوح الیه شیءٌ ومن قال سانزل مثل ما انزل الله ط و لو ترٰی اذ الظالمون فی غمرات الموت والملٰئكة با سطوا ایدیهم ج اخرجوا انفسکم ط الیوم تجزون عذاب الهون بما کنتم تقولون علی الله غیر الحق و کنتم عن ایاته تستکبرون

(الانعام:۹۳)

....

(اس سے بڑا ظالم کون ہے۔جس نے اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کیا اور کہا کہ میری طرف وحی آتی ہے۔ حالانکہ نہیں آتی۔ اور جس نے کہا کہ میں بھی اللہ کی طرح وحی نازل کر سکتا ہوں۔کاش! ان ظالموں کی حالت تم اس وقت دیکھ سکو۔ جب موت کی شدتوں میں فرشتے ان سے کہہ رہے ہوں کہ لاؤ اپنی ارواح۔ آج سے تمہیں رسوا کن عذاب دیا جائے گا۔اس لیے کہ تم اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے تھے اوراس کے احکام کے مقابلے میں اکڑتے تھے)

(سورۂ انعام رکوع ۱۰)

....

دلیلِ مماثلت

جناب مرزا صاحب نے آیۂ ذیل کو نہایت شدومد سے تقریباً اپنی تمام تصانیف میں پیش فرمایا ہے۔

آیت یہ ہے۔

انا ارسلنا الیکم رسولاً ۙ شاھداً علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ۝ (المزمل: ۱۵)

(اے اہل عرب! ہم نے تمہاری طرف سچائی کو واضح کرنے والا (شاہد) رسول بھیجا ہے۔ جس طرح کہ فرعون کی طرف بھی ایک رسول بھیجا تھا)

اور استدلال یوں قائم کیا ہے:

''کما (جس طرح) کے لفظ سے یہ اشارہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ مثیل موسیٰ ہیں ------ اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مراد مماثلت تامہ ہے نہ کہ مماثلت ناقصہ ----------اور مماثلت تامہ کی عظیم الشان جزوں میں سے ایک یہ بھی جز ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ کو اپنی رسالت سے مشرف کر کے پھر بطورِ اکرام و انعام خلافت ظاہری و باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا۔ جو قریباً چودہ سو برس مُمتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کا خاتمہ ہوا--------اور جس طرح حضرت مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریباً چودہ برس بعد آئے تھے۔ اس مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر پر ظہور کیا اور محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ سے انطباق کُلی پا گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں تو حمایت دین کے لیے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مُرسل ہونے میں نبی اور محدث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مُرسل رکھا ہے۔ ایسا ہی محدث کا نام بھی مُرسل رکھا---------چونکہ ہمارے سید و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت ﷺ کوئی نبی نہیں آ سکتا اس لیے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے---------اس امت کے محدث اپنی تعداد میں اور اپنے طولانی سلسلے میں موسوی امت کے مرسلوں کے برابر ہیں۔ (شہادۃ القرآن ص۔۲۶۔۲۸)

....

قرآنی آیات پر غور کے ساتھ نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محمدیؐ استخلاف کا سلسلہ موسوی استخلاف سے بالکل مطابق ہونا چاہیے۔ (شہادۃ القرآن صفحہ ۶۹)

یعنی اسی (موسوی سلسلہ) طرز اور طریق کے موافق اور نیز اسی مدت اور زمانہ کے مشابہ اور اسی صورتِ جلالی اور جمالی کے مانند ----------- اس امت میں بھی خلیفے بناتے جائیں گے اور ان کا سلسلۂ خلافت اس سلسلے سے کم نہیں ہوگا۔ جو نبی اسرائیل کے خلفا کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ (ازالہ صفحہ ۶۶۸)

....

''اس امت کے لیے وعدہ تھا کہ بنی اسرائیل کی طرز پر ان میں بھی خلیفے پیدا ہوں گے۔''

(ازالہ صفحہ ۶۷۱)

....

اور یہ زمانہ (مسیح موعود اور حضور علیہ السلام کا درمیانی زمانہ) بھی حضرت مثیل موسیٰ (حضور علیہ السلام) سے اسی زمانہ کے قریب قریب گزر چکا تھا۔ جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان میں زمانہ تھا۔ (ازالہ صفحہ ۶۹۳)

قرآن شریف اپنی نصوص قطعیہ سے اس بات کو واجب کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر جو موسوی خلیفوں کے خاتم الانبیاء ہیں۔ اس امت سے بھی ایک آخری خلیفہ پیدا ہو گا۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۱)

....

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بارہ موسوی خلیفوں کا ذکر فرمایا۔ جن میں سے ہر ایک حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور تیرہواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جو ---------- موسیٰ کی قوم میں سے نہیں تھا۔ یہی بات سلسلہ خلافتِ محمدیہ میں بھی پائی جاتی ہے یعنی حدیث ------ سے ثابت ہے کہ اس سلسلے میں بھی درمیانی خلیفے بارہ ہیں اور تیرہواں جو خاتم ولایتِ محمدیہ ہے۔ وہ محمدیؐ قوم (قریش) میں سے نہیں اور یہی چاہیے تھا۔

(تحفہ گولڑویہ ص ۳۶، ۳۷)

''سیّد احمد صاحب (بریلوی) سلسلۂ خلافت محمدیہ کے بارہویں خلیفہ ہیں۔ جو حضرت یحییٰ کے مثیل اور سید ہیں۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۲)

وقد جاء علی اجل بعد نبیہ المصطفیٰ کمثل اجلٍ بعث المسیح فیہ بعد موسیٰ (خطبۂ الہامیہ صفحہ ۷۳)

مسیح موعود اور حضور علیہ السلام کے درمیان اتنا ہی زمانہ حائل ہے جتنا حضرت موسیٰ اور مسیح علیہ السلام میں تھا۔

....

ان اقتباسات سے استدلال کے تمام پہلو سامنے آگئے۔

اول: کہ آیت میں کما کا لفظ حضور علیہ السلام کو حضرت موسیٰ کا مثیل ثابت کرتا ہے۔

دوم: کہ مماثلت سے مراد مماثلت تامہ ہے یعنی دونوں سلسلوں (موسوی و محمدی) کے خلفا تعداد میں برابر تھے اور مسیح و موسیٰ علیہما السلام کے درمیان اتنا ہی زمانہ حائل تھا۔ جتنا مسیح موعود اور حضور پُرنور میں۔ نیز موسوی سلسلے میں بارہ خلفا تھے اور تیرہواں مسیح تھا۔

سوم: کہ جناب مرزا صاحب خاتم الخلفا (یعنی آخری خلیفے) تھے۔

چہارم: کہ جس طرح حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھے۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی قریشی نہیں تھے۔

پنجم: کہ سلسلہ محمدیہ کا پہلا خلیفہ حضرت ابوبکر اور بارہواں خلیفہ سید احمد بریلوی تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس استدلال کے تمام اجزا پر جداگانہ نظر ڈالی جائے۔

جزوِ اوّل

کما حرف تشبیہ ہے۔ تشبیہ کے لیے مکمل مشابہت (مماثلت تامہ) ضروری نہیں۔ ہم ہر روز سینکڑوں تشبیہات خود استعمال کرتے اور کتب و رسائل میں پڑھتے ہیں۔ کہیں بھی مکمل مشابہت مراد نہیں ہوتی۔ مثلاً

۱۔ زید شیر جیسا ہے۔

۲۔ وہ چاند کی طرح ہے۔

۳۔ وہ پھول کی مانند ہے۔

ان جملوں میں مکمل مشابہت ہو ہی نہیں سکتی۔ زید کے شیر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی چار ٹانگیں اور ایک دُم ہے اور وہ جنگلی گدھے کھاتا ہے نہ کسی کے چاند ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہر مہینے کے پہلے چند روز نامکمل ہوتا ہے اور چودھویں کے بعد پھر رُو بہ زوال ہو جاتا ہے۔ ایلخانی دور کے ایرانی مصنفین کی تحریرات۔ تشبیہات و استعارات سے لبریز ہیں۔ وہ کسی شاعر کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اسے نہنگ قلزم اندیشہ بنا دیتے ہیں۔ قاصد کو ہُد ہُد۔ سلطان کو عقل کُل جمشید اور سلیمان کہہ دیتے ہیں۔ اس کی فیاض ہتھیلی کو سحاب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خود قرآن میں کئی تشبیہات موجود ہیں۔ مثلاً امواج بحر کو پہاڑوں سے اور کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اگر آپ ہر جگہ مکمل مشابہت مراد لیں۔ تو جس شاعر کو آپ نہنگ کہیں گے وہ آپ پر توہین کا مقدمہ بنا دے گا۔ سمندر کی لہروں کو خاک و سنگ کے ٹیلے سمجھنا پڑے گا اور زندہ کافروں کی زندگی سے انکار کرنا پڑے گا۔

(دنیا میں چار ہزار زبانیں ہیں۔ ان میں کروڑوں کتابیں موجود ہیں)

ان تمام کتب کو اچھی طرح پڑھیے۔ آپ کو ایک بھی ایسی تشبیہ نہیں ملے گی جس میں مشبہ اور مشبہ بہ میں مکمل مشابہت ہو۔ آپ خود بھی اپنی زبان میں تشبیہات استعمال کرتے ہوں گے۔ کتابوں کو جانے دیجئے۔ کوئی اپنا ہی ایسا تشبیہی جملہ پیش کر دیجئے جس میں مشابہت تامہ موجود ہو۔

اگر تشبیہ ہر جگہ جزوی ہوتی ہے تو پھر قرآن کی آیۂ زیر بحث میں کما سے مکمل تشبیہ مراد لے کر اس پر سلسلہ خلافت و مسیحیت کا محل تعمیر کرنا ایک ایسا اقدام ہے جس کی تائید کہیں سے نہیں مل سکتی۔ آیۂ زیر بحث میں اللہ نے ایک سیدھی سی بات کہی ہے کہ ہم نے اے اہل عرب! تمہاری اصلاح کے لیے اسی طرح ایک رسول بھیجا ہے۔ جیسا کہ پہلے فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہاں کوئی وجوہات تشبیہ موجود ہیں۔

اول: فرعون اور اہل عرب ہر دو کا بدکار و ظالم ہونا۔ موسیٰ و حضور علیہ السلام ہر دو کو آتشین شریعت ملنا۔ دونوں کا صاحب السیف والکتاب ہونا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ہاں پل کر فرعون کے خلاف اٹھنا اور حضور ﷺ کا عربوں میں پل کر ان کے خداؤں کے خلاف لوائے بغاوت بلند کرنا وغیرہ وغیرہ۔

تشبیہ کے لیے صرف ایک پہلو میں مشابہت یعنی ایک وجہ شبہ کافی ہوتی ہے۔ زید کو شیر سے تشبیہ دینے کے لیے صرف شجاعت کافی ہے۔ ضروری نہیں کہ زید پہلے بیس برس جنگل میں رہے۔ وہاں ہرنوں کا گیدڑوں کا کچا گوشت کھانا سیکھے دھاڑنے کی مشق کرے۔ کہیں سے چار ٹانگیں اور ایک دُم لائے اور پھر ہم اسے شیر کہیں۔

اگر بالفرض کما (حرف تشبیہ) سے مکمل مماثلت ہی مراد ہو سکتی ہے تو پھر لیجیے بارہ اور مکمل مماثلتیں۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہ ج و اوحینا الیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب و الاسباط و عیسٰی و ایوب و یونس و ھٰرون و سلیمان ج و اتینا داوٗد زبورًا ﴿۱۶۳﴾ (النساء:۱۶۳)

(اے محمدؐ! ہم نے تم پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح (کما) نوح اور انبیاء مابعد مثلاً ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب۔ ان کی اولاد عیسیٰ۔ ایوب۔ یونس اور سلیمان پہ نازل کی تھی اور ہم نے داؤد کو کتاب زبور دی تھی)

....

اس آیہ میں وہی کما کا لفظ استعمال ہوا ہے اور مضمون بھی وہی کہ ہم نے تمہیں اسی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جس طرح ابراہیم و اسحاق وغیرہ کو بھیجا تھا۔ آخر وحی اتارنے کا مطلب رسول بنانا ہی ہے تو اس آیہ کی رُو سے حضور علیہ السلام اور بارہ دیگر انبیاء یعنی نوح۔ ابراہیم وغیرہ میں بھی مکمل مماثلت ثابت ہوگئی۔ حضرت ابراہیم کا سلسلہ انبیاء حضرت موسیٰ کے عہد تک پھیلا ہوا ہے۔ جن میں اسحاق و یعقوب بھی ہیں اور اسماعیل و یوسف (علیہما السلام) بھی۔ امت محمدیہ میں اسحاق و یعقوب کے مثیل کہاں سے لاؤ گے؟ اور اگر حضور ﷺ کو مثیل نوح قرار دیا تو طوفان کہاں سے آئے گا۔

بات بالکل سیدھی سی ہے کہ گذشتہ انبیاء کی طرح حضور علیہ السلام کو بھی فرض اصلاح و ابلاغ پہ مامور کیا گیا اور آپ ﷺ کو وہی پیغام دیا گیا ہے۔ جو نوح ابراہیم اور موسیٰ کو دیا جا چکا تھا۔

ان دونوں آیات کی تفسیر ایک تیسری آیت میں ملاحظہ ہو۔

شرع لکم من الدین ما وصّٰی به نوحا والذی اوحینا الیک
وما وصینا به ابراهیم و موسی و عیسیٰ (الشوریٰ:۱۳)

(اے محمدؐ! ہم نے تمہیں وہی دین عطا کیا ہے جو پہلے حضرت نوح کو دیا تھا۔ اور آج تم پہ نازل ہو رہا ہے اور جو ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی دیا تھا)

....

جُزوِ دُوم

اس جز کا ملخص یہ ہے۔

اول: کہ دونوں سلسلوں کے خلفا تعداد میں برابر تھے۔

دوم: کہ موسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام میں چودہ سو سال کا زمانہ حائل تھا۔'' کیونکہ

شریعت موسوی میں چودہ سو برس تک خلافت کا سلسلہ ممتاز رہا۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۲۸)

سوم: کہ حضرت موسیٰ کے بارہ خلفا تھے۔ تیرہواں مسیح علیہ السلام اور سلسلہ محمدی کا تیرہواں خلیفہ مسیح موعود ہے۔

....

اول: جہاں تک خلفا کا تعلق ہے۔ تاریخ کا ہر طالب علم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سینکڑوں انبیاء ایک ایک وقت میں موجود تھے اور بائبل کے صفحات ایسی شہادتوں سے لبریز ہیں۔ خود جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

"حضرت موسیٰ کو اپنی رسالت سے مشرف کر کے پھر بطور انعام و اکرام۔ خلافت ظاہری و باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا۔ جو قریباً چودہ سو برس تک ممتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ پر اس کا خاتمہ ہوا اس عرصہ میں صدہا بادشاہ اور صاحب وحی اور الہام شریعت موسوی میں پیدا ہوئے۔" (شہادۃ القرآن صفحہ ۲۶)

یعنی موسوی سلسلے میں صدہا انبیاء اور بادشاہ تھے۔

"---------- اور (موسوی سلسلے میں) صدہا خلیفے روحانی اور ظاہری طور پر ہوئے۔" (شہادت القرآن صفحہ ۲۹)

--------- چنانچہ تورات کی تائید کے لیے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آئے۔ جن کے آنے پر اب تک بائیبل شہادت دے رہی ہے۔

(شہادت القرآن صفحہ ۴۵)

"حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح تک ہزارہا نبی اور محدث ان میں پیدا ہوئے۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۴۶)

....

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں ہزارہا

انبیاء مبعوث ہوئے تھے جن میں بعض کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور بعض کا نہیں۔

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط (النساء:۱۶۴)

(ہم نے بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں نہیں کیا)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہزار ہا انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظاہری و روحانی خلیفہ تھے یا نہیں۔ اگر تھے اور ظاہر ہے کہ تھے۔ تو پھر سلسلہ موسوی و محمدی میں ''مماثلتِ تامہ'' کیسے ہوئی۔ وہاں ہزار ہا خلیفہ۔ سارے انبیاء اور یہاں کُل تیرہ خلیفے۔ جن میں سے صرف آخری نبی اور باقی سب اُمتی۔

پھر میری سمجھ سے یہ چیز بھی باہر ہو رہی ہے کہ جب مرزا صاحب خود تسلیم فرماتے ہیں کہ اسرائیلی انبیاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی تو پھر وہ اسرائیلی خلفا کی تعداد صرف بارہ کیوں بتاتے ہیں۔ کیا محض اس لیے کہ ان میں سے صرف بارہ کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور باقی کا نہیں۔ کیا جس چیز کا ذکر قرآن میں نہ ہو تو وہ ہوتی ہی نہیں۔ کیا قرآن میں لندن اور پیرس کا ذکر موجود ہے؟ اگر نہیں تو کیا یہ شہر سطح زمین پر موجود ہی نہیں؟ جب یہ حقیقت تاریخ سے ثابت ہے اور آپ خود بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ اسرائیلی انبیاء کئی ہزار کی تعداد میں تھے اور وہ لازماً سلسلہ موسوی کے ظاہری یا روحانی خلفا تھے۔ تو پھر ان کی تعداد کو تیرہ تک محدود کرنے کا کیا مطلب؟

دوم: آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) کے درمیان چودہ سو برس کا زمانہ حائل تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اور جناب مرزا صاحب کا درمیانی زمانہ کتنا ہے۔ حضور علیہ السلام کی وفات ۶۳۲ عیسوی ۱۱ھ میں ہوئی تھی اور مرزا صاحب کی ولادت ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء (۱۲۵۵ھ یا ۱۲۵۶ھ) میں ہوئی۔ حضور علیہ السلام کی رحلت اور مرزا صاحب کی ولادت کے درمیان شمسی سال صرف ۱۲۰۷ اور قمری ۱۲۴۴ بنتے ہیں۔ اگر ہم حضور علیہ السلام کی رحلت اور مرزا صاحب کی بعثت کا درمیانی زمانہ شمار کریں۔ تو وہ بھی ۱۲۳۲ برس (شمسی) بنتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ کو پہلی مرتبہ ۱۸۶۵ء میں الہام ہوا تھا۔

یہ مماثلت تامہ کس قسم کی ہے کہ ایک حساب سے حضور علیہ السلام و موعودہ کا زمانہ موسیٰ و مسیح

کے زمانہ سے ایک سو ترانوے اور دوسرے حساب میں سے ایک سو اڑسٹھ برس کم بنتا ہے۔ اگر ہم دلیل مماثلت کو تسلیم کرلیں تو آئندہ اڑھائی سو برس تک جتنے مدعی بھی مسیح موعود بن کر آئیں گے۔ انہیں ماننا پڑے گا۔ ورنہ وہ کہیں گے۔ کہ جب مرزا صاحب وقت مقررہ سے پونے دوسو برس پہلے تشریف لے آئے تھے اور آپ لوگوں نے انہیں مان لیا تھا۔ تو پھر پونے دو برس بعد از وقت آنے والے کو آپ کیوں تسلیم نہیں کرتے۔

شقِ سوم کے متعلق جو کچھ کہنا تھا۔ وہ شقِ اول کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

جزوسوم

جناب مرزا صاحب نے مماثلت تامہ کی بنا پر اپنے آپ کو سلسلۂ محمدی کا خاتم الخلفا قرار دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی فرماتے ہیں۔

''میں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے۔''

(ازالہ صفحہ ۴۸۸)

''مجھے اس بات سے انکار نہیں۔ کہ میرے سوا کوئی اور مثیل مسیح بھی آنے والا ہو۔''

اشتہار ۱۱ فروری ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت (ج ۱، صفحہ ۱۶۲)

''میں اس سے ہرگز انکار نہیں کرسکتا اور نہ کروں گا کہ شاید مسیح موعود کوئی اور بھی ہو۔ اور شاید یہ پیش گوئیاں جو میرے حق میں روحانی طور پر ہیں۔ ظاہری طور پر اس پر جمتی ہوں۔ اور شاید سچ مچ دمشق میں کوئی مثیل مسیح نازل ہو۔''

مرزا صاحب کا خط بنام مولوی عبدالجبار
مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۹

اس عاجز کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مسیحیت کا میرے وجود پر خاتمہ ہے اور آئندہ

کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ میں تو مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آسکتا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال واقبال کے ساتھ آوے اور ممکن ہے کہ اول دمشق میں نازل ہو۔'' (ازالہ صفحہ ۲۹۶)

''میرا یہ دعوٰی نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے ہی پر ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے۔ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار مثیل مسیح آجائیں۔'' (ازالہ صفحہ ۱۹۹)

''لہٰذا ضروری ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبے پر پہنچانے کے لیے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقت آتے رہیں۔ جن میں سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔'' (مرزا صاحب کا لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۲)

درحقیقت امتِ محمدیہ کی شان بھی اسی میں ہے کہ اس میں جہاں صُلحا، اولیا، شہدا اور اصدقا پیدا ہوں۔ وہاں ایسے بھی انسان ہوں جو خدا سے شرف مکالمہ ومخاطبہ حاصل کر کے نبی بن جائیں۔ (الفضل ۱۲۵ کتوبر ۱۹۳۱ء)

....

دوسرا پہلو

''ہم اس امت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں۔''

(حقیقۃ النبوۃ از میاں محمود احمد صاحب صفحہ ۱۳۸)

اس امت میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا دوسرے لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

''مسیح (موعود) خاتم خلفائے محمدی ہے۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۲)

....

ان اقتباسات کو پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جناب مرزا صاحب واقعی سلسلہ محمدی کے آخری خلیفہ تھے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر اس ارشاد کا کیا مطلب۔

''اس عاجز کی طرف سے یہ دعوٰی نہیں کہ مسیحت کا میرے وجود پر خاتمہ ہے۔''

اور اگر نفی میں ہے تو پھر ''مسیح موعود خاتم خلفائے محمدیؐ'' کیسے بن گیا اور وہ ''مماثلت تامہ'' کہاں گئی۔

....

جزو چہارم

اس جزو کا ملخص یہ کہ موسوی سلسلے کا آخری خلیفہ حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھا۔ اسی طرح محمدی سلسلے کا آخری خلیفہ (مسیح موعود) بھی قریش سے نہیں۔

اگر حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھے تو پھر اسرائیلی سلسلے کے آخری خلیفہ کس بنا پر قرار پائے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہوتا کہ نسب کے لحاظ سے وہ حضرت اسحاق کے فرزند تھے یا حضرت اسماعیل کے، حضرت ابراہیم کے بعد عربی انبیاء کا سلسلہ اولاد ابراہیم میں محدود رہا۔ اگر وہ اسحاق کی پشت سے تھے۔ تو اسرائیلی تھے ورنہ اسماعیلی ہوں گے اور یہ صریحاً غلط ہے اس لیے کہ مشرق و مغرب کے تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اسماعیل کی پشت سے صرف ایک رسول پیدا ہوا تھا۔ یعنی حضور علیہ السلام۔

اگر مسیح کی ولادت معجزانہ تھی اور ان کے والد کوئی نہیں تھے تو کیا ان کی والدہ (مریم علیہا السلام) کا بھی کوئی سلسلہ نسب نہیں تھا؟ قرآن حکیم نے حضرت مریم کو اخت ہارون یعنی ہارون کی بہن کہا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام اسرائیلی تھے انجیل میں درج ہے۔

''تُو (اے مریم) حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا۔'' (لوقا ۱/۳۲)

حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت مسیح کا باپ کہا گیا ہے اور داؤد علیہ السلام اسرائیلی تھے۔

انجیل متی کا پہلا فقرہ یہ ہے۔

''یسوع مسیح بن داؤد بن ابراہیم کا نسب نامہ۔''

خود مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''حضرت مسیح علیہ السلام پورے طور پر بنی اسرائیل نہ تھے بلکہ صرف ماں کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔'' (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۸۷)

والد تو تھا نہیں اور ماں اسرائیلی تھی۔ تو پھر وہ غیر اسرائیلی کیسے بن گئے اور اگر اسرائیلی نہیں تھے۔ تو کیا اسماعیلی تھے؟ راجپوت تھے؟ کورو تھے؟ پانڈو تھے؟ آخر کیا تھے؟ اور پھر یہ ''پورے طور پر بنی اسرائیل سے نہ ہونے'' کا مفہوم کیا ہے؟ کیا وہ بیس یا تیس فی صدی اسرائیلی تھے اور باقی ستر فی صدی کچھ اور؟

....

بہر حال اس حقیقت سے کوئی مؤرخ انکار کر ہی نہیں سکتا کہ حضرت مسیح نسب کے لحاظ سے سو فی صدی اسرائیلی تھے۔ اس لیے سلسلہ مماثلت کی یہ کڑی بھی ٹوٹ گئی۔ جناب مرزا صاحب خود تسلیم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قریش میں سے تھے اور مشہور حدیث۔

الائمة من قریش

(میری امت کے خلفا قریش سے ہونگے)

کے مطابق سلسلہ محمدی کے خلفا کا بھی قریشی ہونا ضروری ہے۔

''ان (مسیح علیہ السلام) کے دوبارہ آنے میں کس قدر خرابیاں اور کس قدر مشکلات ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہ وہ بوجہ اس کے کہ وہ قوم کے قریشی نہیں ہیں۔ کسی حالت میں امیر نہیں ہو سکتے۔'' (ازالہ صفحہ ۵۷۹)

....

تو پھر فارسی النسل مرزا صاحب ائمہ قریش کے سلسلے کی آخری کڑی کیسے بن سکتے ہیں؟

جزو پنجم

جناب مرزا صاحب نے سلسلہ محمدیہ کے صرف دو خلفا کے نام بتائے ہیں۔ خلیفہ اول یعنی حضرت ابوبکر اور خلیفۂ دوازدہم حضرت سید احمد بریلوی۔ ان کے درمیانی خلفا کون تھے۔ مرزا

صاحب نے ذکر نہیں فرمایا۔ اور نہ ہمیں علم ہے اس لیے ان پر بحث ممکن ہی نہیں البتہ ان دو خلفا کے سلسلے میں ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ:

اول۔ وہ دونوں قریش تھے اور آپ مغل۔ یہ کیا؟

دوم۔ وہ دونوں غیر نبی تھے اور آپ نبی۔ یہ کیوں؟

سوم۔ وہ دونوں عمر بھر مصروف جہاد رہے اور آپ عمر بھر جہاد کے خلاف لکھتے رہے یہ کس لیے؟

چہارم۔ وہ دونوں اسلامی سلطنت کے قیام و بقا کے لیے کوشاں رہے اور آپ سلطنتِ فرنگ کے استحکام کے لیے یہ خلافت کیسی؟

....

چھٹا باب

مسیح و دجال

مسیح و دجال کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ سو برس میں انگریز کی پالیسی دنیائے اسلام کے متعلق کیا رہی۔ چونکہ مسلمان ہندوستان سے قسطنطنیہ اور مراکش تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اسلامی ممالک پہ جداگانہ بحث کی جائے۔

تُرک

انیسویں صدی کے اواخر میں ترکی سلطنت طرابلس کی آخری حدود تک پھیلی ہوئی تھی۔ مراکش اور الجیریا آزاد اسلامی سلطنتیں تھیں مراکش کو کئی طرح اہمیت حاصل تھی۔

اول۔ کہ وہ آبنائے جبل الطارق کے عین سامنے واقع تھا اور اس پر قابض قوم بحیرۂ روم اور اوقیانوس کی گزرگاہوں کے لیے مستقل خطرہ بن سکتی تھی۔

دوم۔ اس میں لوہے کی کانیں تھیں۔

سوم۔ یہاں سے لڑائی کے لیے بہترین رنگروٹ مل سکتے تھے۔

چہارم۔ یہ اجناس خام کا بہت بڑا ذخیرہ تھا یہ فوائد و منافع دیکھ کر فرانس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ لیکن انگریز درمیان میں آ کودا۔ بڑی لے دے کے بعد ان دونوں اقوام میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کی رُو سے فرانس کو مراکش پر اور انگریز کو مصر پر قبضہ کرنے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ انگریزوں نے ۱۸۸۲ء میں بلا وجہ اسکندریہ پر بمباری شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ترکی کا مرد بیمار کافی نحیف ہو چکا تھا اور اس میں ان نوخیز آلاتِ جدیدہ سے مسلح اور فتنہ جُو اقوام سے طاقتِ مقابلہ باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ترکوں کو رسوا کن

شرائط پہ صلح کرنا پڑی اور انگریز نے مصر کے ایک حصے پر تسلط جما لیا۔ چھ برس بعد مصر کے تمام مالیے پہ قبضہ کر لیا اور عثمانیوں کا تسلط محض برائے نام باقی رہ گیا ۱۸۹۶ء میں انگریزی فوجوں نے لارڈ کچز کی کمان میں سوڈان پر حملہ کر دیا اور دو سال بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ سوڈان میں انگریزی فوجیں اس انداز سے داخل ہوئیں کہ شہیدانِ وطن کی قبریں کھود کر ہڈیاں باہر پھینک دیں اور مہدی سوڈانی کی لاش سے تو وہ ذلت آمیز سلوک کیا کہ خدا کی پناہ۔ ۱۸۹۹ء میں انگریزوں نے تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر مصر پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اور لارڈ کچز پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔

اہل مصر کے ساتھ انگریزوں کا سلوک کیا تھا۔ اس سلسلے میں صرف ایک کہانی سنیئے:۔

۱۳ جون ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے کہ چند انگریز افسر شکاری بندوقیں اٹھائے ایک گاؤں جا نکلے اور وہاں قریب کے کھیتوں میں خانگی کبوتروں کا شکار کھیلنے لگے۔ چند دیہاتی اُن کے پاس گئے اور کہا کہ یہ ہمارے پالتو کبوتر ہیں۔ اُنہیں مت ماریئے۔ اس پر انگریز بہادر نے بگڑ کر کہا:

"ویل ٹم بھاگنا مانگتا۔ ورنہ ہم ٹم کو گولی مارنا مانگتا۔"

دیہاتیوں نے اپنی التماس پہ اصرار کیا تو ان ٹامیوں نے بندوقوں کا منہ ان کی طرف پھیر دیا۔ یہ غریب بھاگ نکلے انہوں نے ان پر اندھا دھند فائر کئے۔ جن سے ایک نوجوان لڑکی جو کھیت میں سے گذر رہی تھی ہلاک ہوگئی اس پر چند مشتعل دیہاتیوں نے ان ٹامیوں پر پتھر برسائے ٹامیوں نے اپنے افسر اعلیٰ لارڈ کرومز کو اطلاع دی۔

سارا گاؤں گرفتار کر لیا گیا اور مندرجہ ذیل سزائیں فوراً نافذ ہوئیں:

۱۔ چھ دیہاتیوں کو جنہوں نے پتھر برسائے تھے۔ موت کی سزا دی گئی۔

۲۔ چھ کو سات سال قید با مشقت۔

۳۔ تین کو ایک سال قید اور پچاس پچاس کوڑے۔

۴۔ باقی سارے گاؤں والوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے گئے اس واقعہ کے بعد لارڈ کرومز نے جو رپورٹ حکومتِ برطانیہ کو بھیجی اس میں درج تھا۔

''سزاؤں کے نافذ کرنے میں انسانیت کے پورے احساسات کوملحوظ رکھا گیا۔''

(تاریخ انقلاباتِ عالم۔ابوسعید بزمی صفحہ ۳۵۵)

جب اس واقعہ کا ذکر پارلیمنٹ میں آیا تو وزیر خارجہ نے کہا کہ اس شورش کے ذمہ دار عبدالنبی اور حسن تھے۔انہوں نے نے محمدؐ کے نام پر عیسائیت کے خلاف ایک سازش شروع کررکھی تھی جسے ختم کرنا ضروری تھا اور میں ہاؤس کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ چھ مصلوبوں میں یہ دوشورش پسند بھی شامل تھے۔

دیکھا آپ نے کہ دوآدمیوں کوسُولی دینے کے لیے کیا راستہ اختیار کیا گیا۔کہ پہلے ٹامیوں کواس گاؤں میں بھیجا۔انہوں نے پالتو کبوتروں پر فائر کر کے لوگوں کو مشتعل کیا جب لوگوں نے احتجاج کیا تو انہوں نے بے دھڑک گولیاں برسائیں اور پھر مظلوم بن کر لارڈ کرومر کے پاس پہنچے۔اس نے اس واقعہ کو بغاوت کی صورت دے کر عبدالنبی اور حسن کو چار ساتھیوں سمیت سُولی پر لٹکادیا۔

اُسے کہتے ہیں انصاف۔تہذیب۔اخلاق اور رعایا پروری۔

....

۱۹۱۱ء میں برطانیہ واٹلی میں بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا۔جس کی رُو سے اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا۔وہاں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں نہتے مردوزن قتل کر ڈالے۔شہر کے شہر جلا دیے بلکہ بعض شہروں کی ساری آبادی کو شیر خوار بچوں سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا،ہزاروں کو آگ میں زندہ پھینک دیا عورتوں کو برہنہ کر کے پھانسی پر لٹکا دیا۔ایک بہت بڑی تعداد کو زنجیروں میں جکڑ کر تپتے ہوئے صحراؤں میں ڈال دیا۔ہزارہا کو بلند چٹانوں سے دھکیل دیا۔سینکڑوں کو ہوائی جہازوں سے زمین پر پھینک دیا اور لاکھوں بچوں کو آغوشِ مادر سے الگ کر کے اٹلی میں بھیج دیا۔تاکہ انہیں عیسائی بنایا جائے۔ان مظالم سے ''لنڈن ٹائمنز'' جیسا سنگدل اخبار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔اس نے کہا:

''یہ مظالم اس سمجھوتہ کا نتیجہ ہیں۔جو اٹلی اور برطانیہ میں ہوا تھا اور جس کی رُو سے اٹلی کو ان

ممالک پر حملہ کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔"

یہ تو تھا حال طرابلس کا۔ مصر میں انگریز دونوں ہاتھوں سے مصر کو لوٹ رہا تھا۔ خام اجناس سستے داموں خرید کر کسانوں کو کمزور کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ قحط و گرانی کی وجہ سے ملک کی یہ حالت ہوگئی کہ طول و عرض مصر میں انگریزی مظالم پہ گیت تیار ہو گئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک دُور افتادہ دہقانی کو گیت گاتے ہوئے سنا گیا:

"وائے بر فرنگ
جو ہمارا غلہ لے گیا
تمام مویشی لے گیا
سارے بچے لے گیا
اب ہمارے پاس
صرف جانیں رہ گئیں!
اے رب
تو ہمیں جلد نجات دِلا"

نجد و حجاز

اٹھارویں صدی کے رُبع اوّل میں محمد بن عبدالوہاب (ایک مصلح) نجد سے اٹھا اس کا مقصد قبر پرستی اور دیگر رسوم و عقائد کی بیخ کنی تھا۔ نجد کا سردار ابنِ سعود اس کا پیرو بن گیا محمد بن عبدالوہاب ترکوں کے خلاف تھا اس کے تمام مرید سردارِ نجد کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور ترکوں کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم ہو گیا۔ ۱۸۸۵ء میں ترکی سپاہ نے سردار نجد عبدالعزیز کو قتل کر ڈالا اور اس کی جمعیت کو پریشان کر دیا۔ اس کا ایک پنجسالہ بیٹا عمر نامی عمان میں پہنچا دیا گیا۔ اس نے بڑے ہو کر چند قبائل کو ساتھ ملا لیا اور ریاض پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا (یہ ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے) ترکوں کے گورنر شریف مکہ نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے ایک زبردست شکست دی۔ لیکن سرداریٔ نجد سے اسے محروم نہ کیا۔

جب ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں انگریزوں نے شریف مکّہ سے بغاوت کرائی تو عمر بن عبدالعزیز (سردار نجد) کو بھی ساتھ ملانا چاہا۔ ہر چند کہ عمر دو مرتبہ ترکوں سے مار کھا چکا تھا اور اب انتقام لینے کا موقعہ تھا۔ لیکن اس کی اسلامی غیرت آڑے آئی اور اس نے برطانیہ کی تمام ترغیبات کو جھٹک دیا۔ دوسری طرف ترکوں کے ایک نمک خوار ہاشمی نے محافظین حرم کی وہ خبر لی کہ انہیں پہلے جزیرۃ العرب سے پھر شام اور پھر عراق سے نکلنا پڑا۔

جنگ کے بعد شریف مکّہ کو غداری کے صلے میں صرف حجاز کا امیر بنا دیا گیا اور شرقِ اردن، فلسطین، شام اور عراق اس کی سلطنت سے کاٹ دیے گئے شریف مکّہ نے بہتیرا شور مچایا کہ او میرے آقاؤ! میں اس لُولی لنگڑی اور کان کٹی سلطنت کو کیسے چلاؤں گا۔ خدا کے لیے عراق۔ شام اور دوسرے علاقے ساتھ رہنے دو۔ لیکن سنتا کون تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مفلس سلطنت اپنے بوجھ کے نیچے خود ہی دبتی گئی۔ ہر سُو قحط و افلاس اور بد نظمی کی وجہ سے اضطراب ہو گیا۔ جس سے ابن سعود نے فائدہ اٹھایا اور ۱۹۲۱ء میں شریف پر حملہ کر دیا شریف بھاگ گیا اور چھ برس بعد انگریز نے ابن سعود کی سلطنت کو بادلِ نخواستہ منظور کر لیا۔ زخم لگائے بغیر؟ نہیں۔ بلکہ مندرجہ ذیل کام کے علاقے اپنے قبضے میں کر لیے۔

۱۔ حضر موت کا علاقہ ایک لاکھ بارہ ہزار مربع میل

۲۔ عدن

۳۔ مسقط و عمان کا علاقہ۔ بیاسی ہزار مربع میل

۴۔ بحرین اور ملحق علاقے۔ اسی ہزار مربع میل

۵۔ جدہ

اور یہی وہ علاقے تھے جن میں تیل کے بے اندازہ ذخائر لوہے اور سونے کی معادن اور لولو و مرجان کے چشمے تھے یہ علاقے تو لے لیے انگریز نے اور باقی ساری ریت سلطان ابن سعود کے حوالے کر کے کہا کہ لو اور جتنی چاہو پھانکو۔

شام

بعد از جنگ شام فرانس کے حوالے ہوا۔ اس پر شامیوں نے سخت احتجاج کیا کہ دوران جنگ میں تو تم نے ہم سے آزادی کا وعدہ کیا تھا لیکن

دل شاہیں نمی سوزد براں مرغے کہ در چنگ است

نتیجتاً تمام لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ دمشق پر مسلسل اڑتالیس گھنٹے بمباری کی گئی۔ ظالم فرانسیسیوں کے ٹینک دمشق کے حسین بازاروں میں داخل ہو گئے اور اس قدر گولہ باری کی کہ بازار اینٹوں کا ڈھیر بن گئے اور ہزاروں متمول خاندان بھکاری بن کر رہ گئے یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن برطانیہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

عراق

جنگ عظیم (۱۸۔۱۹۱۴) میں عراقیوں کو بھی آزادی کا چکمہ دے کر انگریزوں نے ساتھ ملا لیا۔ لیکن جنگ کے بعد انگریز عراق کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ترکوں کی حکومت میں تمام افسر عراقی تھے۔ لیکن انگریز کے زمانے میں ساڑھے چار سو افسروں میں سے ایک بھی عراقی نہ تھا۔ جب قحط وگرانی اور انگریز کی شہرہ آفاق لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے سارا عراق قلیوں اور گھسیاروں کی بستی بن کر رہ گیا تو اس پر مظاہرے ہوئے پکڑ دھکڑ اور دار و گیر کے بعد مظاہرے بغاوت میں تبدیل ہو گئے۔ ۱۹۲۰ء کی بغاوت کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگا لیجئے کہ اس میں برطانوی فوج کے دس ہزار سپاہی (آٹھ ہزار ہندوستانی اور دو ہزار انگریز) ہلاک ہوئے تھے اس کے بالمقابل نہتے عراقیوں کی کیا دُرگت بنی ہو گی۔ خود ہی اندازہ کر لیجئے۔ آخر برطانیہ کو عراق کے مطالبہ نیم آزادی کے سامنے جھکنا پڑا۔

شریف مکہ کے دو بیٹوں میں سے ایک کو فلسطین اور دوسرے کو شام کا سلطان بنایا گیا تھا۔ لیکن شام نے کوئی بہانہ سامنے رکھ کر فیصل کو شام سے نکال دیا۔ بعد ازاں جب عراق میں انتخاب شاہ کا مسئلہ سامنے آیا تو عراقیوں نے ایک ''محب وطن'' کو امیدوار نامزد کیا۔ لیکن برطانیہ بضد تھا

کہ شام سے نکالے ہوئے امیر فیصل کو چنا جائے۔ جب عراقی نہ مانے تو برطانیہ نے ان کے امیدوار کو پکڑ کر جلاوطن کردیا، اور زبردستی امیر فیصل کو شاہِ عراق بنوادیا۔

یہ تھی حقیقت آزادی عراق کی۔ آزادی تو دے دی۔ لیکن شعبہائے ذیل برطانیہ کے قبضے میں رہے اور شاید اب تک ہیں۔

۱۔ معاملاتِ خارجہ

۲۔ خفیہ پولیس

۳۔ تمام ہوائے اڈے

۴۔ بندرگاہیں

۵۔ تیل کے چشمے

۶۔ تمام معادن وذخائر

اور باقی رہ گئی ریت۔ تو کہا۔ کہ جتنی چاہو۔ پھانکو ہم قطعاً دخل نہیں دیں گے۔

فلسطین

فلسطین عرب کا جزو لاینفک تھا اور برطانیہ نے شریف مکہ سے وعدہ بھی کیا تھا کہ سارا عرب اس کے تسلط میں دے دیا جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ جب فتح کے آثار نظر آنے لگے۔ عراق و عرب سے ترکوں کو دیس نکالا مل چکا تو ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور نے اعلان کردیا کہ فلسطین کو یہود کا وطن بنایا جائے گا۔ اس اعلان پر ساری دنیائے اسلام میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مسلمانانِ عالم نے برطانیہ کو اپنے مواعید یاد دلائے لیکن یہاں کون سنتا تھا چنانچہ 1918ء میں یہود کی آمد شروع ہوگئی۔ ارضِ پاک میں ہنگامے ہوئے اور قتل وغارت کا بازار گرم ہوگیا۔ انگریز کی سنگین بے دھڑک عربوں کے سینے چیرنے لگیں اور اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے برطانیہ نے ۱۹۲۰ء میں ایک یہودی، سرہربرٹ سموئیل کو فلسطین کا ہائی کمشنر بنا کر بھیج دیا اس شخص نے عربوں کی وہ خبر لی اور میثاق شریف و برطانیہ کی وہ مٹی پلید کی کہ توبہ ہی بھلی۔ نتیجتاً سات لاکھ عرب گھروں سے نکال دیے گئے ان میں سے لاکھوں بھوک سے ایڑیاں

رگڑ رگڑ کر مر چکے ہیں۔ اور باقی صحرا میں ادھر ادھر تباہ ہو رہے ہیں۔

دیکھا! آپ نے برطانیہ کے انصاف۔ مواعید پروری اور مسلم دوستی کا عالم!

شرق اُردن

اس علاقہ کی کل آبادی چار لاکھ۔ بجٹ صرف پانچ لاکھ پونڈ سالانہ۔ دارالخلافہ عمان کی آبادی بارہ ہزار۔ ہر طرف ریت۔ جھکڑ۔ کیکر اور خانہ بدوش قبائل یہ ہے نقشہ اس سلطنت عظمیٰ کا جس پر شریف مکہ کے ایک بیٹے عبداللہ کو مسلط کیا گیا تھا۔ پھر لطف یہ کہ سارے اختیارات انگریز ریذیڈنٹ کے قبضۂ قدرت میں دے دیے گئے۔

اس سلطنت کی تخلیق کا مقصد صرف تقسیم عرب اور عربوں کی قوت و مرکزیت کا خاتمہ تھا۔ ورنہ ایسے ریگستان جس میں مزروعہ زمین کا رقبہ صرف تیس مربع میل ہے۔ سلطنت کون قائم کرتا ہے؟ امیر عبداللہ تادم زندگی انگریز کا وظیفہ خوار رہا۔ انگریزوں کے اشارے پہ پتلی کا ناچ دکھاتا رہا اور قوت و مرکزیت کی ہر تجویز کا ہمیشہ مخالف رہا۔

ایران

۱۹۰۷ء میں برطانیہ و روس میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کی رُو سے شمالی ایران کی دولت پر روس اور باقی پر برطانیہ قابض ہو گیا جب اس ناانصافی پر عوام اور ان کے نمائندوں نے سخت احتجاج کیا تو شاہ ایران نے برطانیہ کا اشارہ پا کر تمام ممبران پارلیمان کو سولی پر لٹکا دیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد لارڈ کرزن نے احمد شاہ قاچار (شاہِ ایران۔ برائے نام) سے ایک سمجھوتے پہ دستخط کرا لیے جس کی رُو سے روس کا اثر ایران میں ختم ہو گیا اور ایران کے تمام وسائل و دولت نیز امور داخلہ و خارجہ پہ انگریز قابض ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء میں رضا شاہ پہلوی نے بعد از انقلاب صورت حال میں کچھ تبدیلی پیدا کی لیکن ۱۹۴۱ء میں برطانیہ نے رضا شاہ پہلوی کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا اور سات برس تک ایران پر بلاشرکت غیرے حکومت کی۔ دوسری جنگ کے بعد ایران کی سیاست میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۲ء میں ایران کے وزیراعظم ڈاکٹر مصدق نے انگریز کو

ایران سے نکال باہر کیا اور تمام وسائل و دولت اپنے قبضے میں لے لیے لیکن تا بکے۔

انگریز اپنی ریشہ دوانیوں میں مسلسل مصروف رہا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر مصدق کو گرفتار کر لیا گیا اور دسمبر ۱۹۵۳ء میں بھی ان پر مقدمہ چل رہا تھا۔

انگریز ہندوستان میں

یہ تو تھی برطانیہ کی پالیسی بیرون ہند۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں سے کیا سلوک کیا۔

۱۶۰۸ء میں ایک برطانوی جہاز سُورت کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا یہاں ان لوگوں نے ایک تجارتی ادارہ بنالیا اور شہنشاہ مغلیہ سے تجارتی حقوق حاصل کر لیے اپنی حفاظت کے لیے کچھ فوج بھی رکھ لی۔ جب ملک کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو گئے۔ تو انہوں نے سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دیے اور چارسُو فتنہ و سازش کا ایک جال پھیلا دیا۔

۱۔ ۱۶۵۱ء میں اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ لیکن سخت شکست کھائی اور تمام تجارتی حقوق سے محروم ہو گئے۔ حالات کو دیکھ کر انگریز خوشامد اور چاپلوسی پر اتر آیا اور چند برس بعد دوبارہ تجارتی حقوق حاصل کر لیے ساتھ ہی اپنی عسکری قوت کو چپکے چپکے کافی بڑھایا اور شہنشاہ سے ٹکر لینے کی جگہ چھوٹے بڑے نوابوں اور راجوں کی طرف توجہ پھیر دی۔

۲۔ چنانچہ کلکتہ میں نواب سراج الدولہ کے خلاف فتنہ اٹھایا اس نے مجبوراً حملہ کر دیا۔ انگریزوں نے کلکتہ کو آگ لگا کر ہزار ہا انسانوں کو زندہ جلا دیا اور ہزار ہا کو مفلس و بے نوا بنا دیا۔ بازاروں کو جلا کر لوگوں کی اقتصادی قوت کو توڑ دینا اہل فرنگ کا پرانا حربہ تھا جسے یہ لوگ نہایت کامیابی سے مراکش۔ طرابلس اور دمشق میں استعمال کر چکے تھے۔ اِمّی چند انگریزوں کا وفادار اور سراج الدولہ کا غدار تھا لیکن اس جنگ میں وہ بھی نہ بچ سکا۔ فوجی گورے اس کے گھر میں داخل ہو گئے اس کی دیویوں کی عصمت دری کی۔ غیرت میں آ کر محافظِ حرم نے حرم کو آگ لگا دی اور تمام بیگمات کو اپنے سمیت بُھون ڈالا۔

اس جنگ میں سراج الدولہ نے انگریز کو شکست فاش دی لیکن اسلامی رواداری سے کام

لے کر معاف کر دیا۔ انگریز نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

کلائیو نے ۴ جنوری ۱۷۵۷ء کو اچانک سراج الدولہ پہ حملہ کر کے اسے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور اس کے غدار وزیر جعفر کو مسند بنگال پہ سوا دو لاکھ پونڈ رشوت لے کر بٹھا دیا۔ تین سال بعد ایک اور امیدوار میر قاسم نے پچیس لاکھ روپیہ مسند بنگال کی قیمت پیش کی۔ جسے کمپنی نے منظور کر لیا اور جعفر کی گدی میر قاسم کو دے دی اس سے تین اضلاع لے کر اپنے قبضے میں کر لیے۔ نیز بیس لاکھ روپیہ مزید طلب کیا۔ میر قاسم نے یہ رقم وصول کرنے کے لیے امراء و غرباء دونوں پہ بھاری ٹیکس عائد کیے۔ بیگمات کا زیور فروخت کیا۔ لیکن رقم پھر بھی پوری نہ ہو سکی۔ اس پر کمپنی کے تیور بدل گئے اور میر جعفر سے ۷۵ لاکھ روپیہ لے کر اسے دوبارہ نواب بنا دیا اور بیچارہ میر قاسم ادھر ادھر بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ جعفر جلد فوت ہو گیا اور کمپنی نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کو پینتیس لاکھ روپیہ کے عوض مسند نشین بنا دیا۔ خلاصہ یہ کہ نو برس کی قلیل مدت میں کمپنی نے اس سیاسی جوڑ توڑ سے جو رقوم بطور رشوت وصول کیں ان کی میزان تیس کروڑ روپیہ سے متجاوز تھی۔

۳۔ ۱۵ ستمبر ۱۷۶۴ء کو شجاع الدولہ شاہ اودھ پہ بلاوجہ حملہ کر کے انگریز نے بڑی خونریزی سے کام لیا۔

۴۔ وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۷۲ء میں الٰہ آباد پہ حملہ کر دیا۔ مغل افواج کو شکست ہوئی۔ ہیسٹنگز چونکہ کمپنی کا ملازم تھا اور کمپنی کے مقاصد تجارتی تھے اس لیے اس نے شاہِ اودھ سے چھبیس لاکھ روپیہ لے کر الٰہ آباد اس کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

۵۔ انگریز ہر ایسے طبقے اور گروہ کو تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا تھا جس میں آزادی و خودمختاری کی ذرا سی خواہش بھی موجود تھی۔ اس سلسلے میں روہیلکھنڈ کے ساٹھ لاکھ بہادر اور غیور روہیلے ہیسٹنگز کی آنکھوں میں کھٹک رہے تھے چنانچہ اس نے اس بہادر قوم پر حملہ کر کے ان کی بستیاں جلا دیں۔ بچے تک ذبح کر دیے اور جوان عورتوں کی عصمت کو دل کھول کر لوٹا۔ اس واقعہ کے متعلق لارڈ میکالے لکھتا ہے۔

''ایک لاکھ روہیلہ وطن چھوڑ کر خانہ بدوش بن گیا اور بے وطنی کی حالت میں

ان لوگوں نے بعض اوقات اپنی عورتوں کی عصمت بیچ کر ایک وقت کی روٹی حاصل کی۔ان کے بچے ذبح کر دیے گئے اور دیہات کو آگ لگادی گئی۔"

(کمپنی کی حکومت۔باری صفحہ ۱۱۴)

اور پھر لطف یہ کہ اس حملے کا خرچ (چالیس لاکھ روپیہ) نواب اودھ سے زبردستی وصول کیا گیا۔

۶۔ ہیسٹنگز نے رشوتیں لینے اور سودے چکانے کے لیے نند کمار کو مقرر کر رکھا تھا۔ جب ہیسٹنگز کروڑوں روپے لے چکا اور اسے افشائے راز کا خطرہ پیدا ہو گیا تو اس نے نند کمار کو کوئی بہانہ بنا کر سُولی پر لٹکا دیا۔

۷۔ ۱۷۷۹ء میں مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ جنگ ایک معاہدے پہ ختم ہوئی۔ لیکن جلد ہی انگریز نے اس معاہدے کی دھجیاں ہوا میں بکھیر دیں اور بلا اشتعال دوبارہ حملہ کر کے بہت کچھ کما لیا۔

۸۔ ریاست میسور پر حیدر علی کی حکومت تھی ۱۷۶۹ء میں انگریز نے میسور پر اچانک حملہ بول دیا۔ جس میں سخت شکست کھائی اور جھک کر صلح کر لی اس معاہدہ کی پہلی اور بنیادی شرط یہ تھی کہ اگر ہم میں سے کسی ایک پر حملہ ہوا تو ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے دو برس بعد مرہٹوں نے میسور پر حملہ کر دیا۔ حیدر علی نے انگریز کو بار بار اس کا معاہدہ یاد دلایا۔ لیکن صاحب بہادر نے سنی ان سنی ایک کر دی۔

۹۔ بنارس کا راجہ چیت سنگھ ہر سال بائیس لاکھ روپیہ بطور خراج کمپنی کو ادا کرتا تھا۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب مؤرخ نہیں دے سکتا تھا۔ ۱۷۷۸ء میں ہیسٹنگز نے راجہ سے پانچ لاکھ مزید رقم طلب کی۔ اور دوسرے سال پھر اسی رقم کا مطالبہ ہوا۔ راجہ نے رقم تو ادا کر دی۔ لیکن ساتھ ہی لاٹ صاحب کو مل کر دو لاکھ روپیہ کا چڑھاوا بھی چڑھایا اور درخواست کی کہ آئندہ اس بوجھ سے مجھے معاف کیا جائے۔ کچھ عرصہ بعد لاٹ صاحب کو کسی علاقے پر چڑھائی کی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلے میں راجہ چیت سنگھ کو لکھا کہ اس مقدس کام کے لیے دو ہزار سپاہی تم بھی پیش کرو اور ایسا احمق سپاہی کہاں سے ملے جو دوسروں کی خاطر خون بہاتا پھرے۔ چنانچہ بڑی مشکل سے راجہ صاحب

ایک ہزار سپاہی بھیج سکے۔اس گستاخی پر لاٹ صاحب کی پیشانی پر بل پڑ گئے فوراً راجہ صاحب پر پچاس لاکھ روپیہ جرمانہ کر دیا اور اس رقم کو وصول کرنے کے لیے فوج بھی بھیج دی۔ بے بس راجہ شاہی چھوڑ کر بھاگ نکلا اور لاٹ صاحب نے اس کے ایک خورد سال بھتیجے کو چالیس لاکھ روپیہ لے کر گدی پر بٹھا دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ یہ رقم ہر سال ہماری خدمت میں پہنچتی رہے۔

۱۰۔ ۱۷۷۵ء میں شاید کمپنی کو کسی سودے میں خسارہ ہوا۔ اسے پورا کرنے کے لیے شاہ اودھ سے پچھتر لاکھ روپیہ کا مطالبہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ رقم وصول کرنے کے لیے فوج بھیج دی اس فوج نے حرم میں داخل ہو کر بیگمات کے زیور جس وحشیانہ طریقے سے نوچے یہ ایک زہرہ گداز داستان ہے۔

۱۱۔ لارڈ کارنوالس (گورنر جنرل از ۱۷۸۶ء تا ۱۷۹۳ء) نے چپکے سے میسور پر حملہ کر دیا اور بنگلور ہتھیا لیا۔ آخر نواب اور کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کے رُو سے آدھی ریاست کمپنی کو چلی گئی اور ساتھ ہی لاٹ صاحب نے نواب صاحب سے (کہ انہوں نے مقابلہ کیوں کیا) تین کروڑ تیس ہزار روپیہ بطور تاوان لے لیا۔

۱۲۔ بچے کھچے روہیلے روہیلکھنڈ میں پھر جمع ہو گئے تھے اور صاحب بہادر کے مفاد کو پھر ایک وہی خطرہ پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ۱۷۹۴ء میں سر جان شور نے انہیں تباہ و برباد کرنے کے لیے دوبارہ قدم رنجہ فرمایا اور بقدرِ ظرف خوں ریزی کی۔

۱۳۔ اسی زمانے میں شاہِ اودھ (آصف الدولہ) کی وفات ہو گئی اور اس کے جائز وارث وزیر علی (بن آصف الدولہ) نے مسند سنبھال لی۔ آصف الدولہ کا بھائی سعادت علی سر جان شور کی خدمت میں پہنچا۔ دس لاکھ نقد کا نذرانہ اور الہٰ آباد کا قلعہ پیش کیا۔ چنانچہ وزیر علی معزول ہو گیا اور سعادت علی شاہِ اودھ بن گیا۔

۱۴۔ سلطان ٹیپو کی شجاعت و غیرت کی داستانیں سارے ہندوستان میں مشہور تھیں۔ یہ واحد فرماں روا تھا جو انگریز کی مکاریوں سے آشنا اور ان کے دام سے گریزاں تھا۔ جب ولزلی ۱۷۹۸ء میں گورنر جنرل بن کر ہند میں وارد ہوئے تو انہوں نے آتے ہی ٹیپو کے استیصال کے لیے

زبردست جنگی تیاری شروع کردی۔ ٹیپو صاحب بہادر کے ارادوں سے بے خبر تھا۔ چنانچہ ایک روز اچانک اس پہ حملہ بول دیا۔ ٹیپو نہایت بے جگری سے لڑا لیکن کہاں تک آخر مدافعت میں شہید ہو گیا۔ انگریز کے نوشیروانی انصاف نے اس خاندان کو سیادت سے محروم کرنا پسند نہ کیا۔ چنانچہ سہولت کار کے لیے ریاست کے کچھ اضلاع نظام پہ فروخت کر ڈالے بندرگاہیں خود سنبھال لیں اور شہید ٹیپو کے پنجسالہ بچے کو وارث سلطنت قرار دے دیا لیکن پبلک کے اصرار پر ریاست کا نظم و نسق اپنے دستِ انصاف پسند ہی میں رکھا۔

۱۵۔ چونکہ تمام کالے لوگ جرائم پیشہ ہوتے ہیں اس لیے لارڈ ولزلی نے ۱۳ مئی ۱۷۹۹ء کو کرناٹک کے نواب کو اس کے جرائم سے آگاہ کیا اور پھر اس کی ریاست پہ قبضہ کر لیا۔ پانچ ماہ پیشتر اسی بنا پر وہ سورت کے نواب کو معزول اور اس کی ریاست پہ قبضہ کر چکے تھے۔

۱۶۔ ۱۷ اگست ۱۸۰۳ء کو قلعہ احمد نگر اور ۲۹ اگست کو علی گڑھ پہ قبضہ کر لیا۔

۱۷۔ ۲۲ ستمبر ۱۸۰۳ء کو کمپنی کی افواج دہلی میں داخل ہو گئیں۔

۱۸۔ یکم اگست ۱۸۲۳ء کو برما کے خلاف اعلانِ جنگ اور ۱۵ مارچ ۱۸۲۴ء کو رنگون پہ قبضہ کر لیا۔ ہندوستانی سپاہی مذہباً بحری سفر کے قائل نہ تھے جب برما کی جنگ میں ایک ہندوستانی کمپنی کو برما جانے کے حکم ملا اور اس کمپنی نے مذہبی رکاوٹ کا ذکر کیا تو صاحب بہادر نے ساری کمپنی کو فوراً گولی مار دی۔

۱۹۔ اس تمام دوران میں سکھ انگریزوں کے ساتھ رہے اور انگریز موقع بے موقع خالصہ دربار کی شان میں قصائد مدحیہ بھی پڑھتے رہے لیکن جب وہ باقی ریاستوں اور دربار دہلی کا قبضہ نپٹا چکے تو پنجاب کی طرف توجہ ہوئے۔ چنانچہ سکھوں پر پہلا حملہ ۱۸۰۸ء میں کیا لیکن ''قیام امن'' کے لیے جھٹ صلح کر لی اور ستلج پار کی تمام سکھ ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۳ء میں سارا پنجاب انگریز کے قبضے میں چلا گیا اور سر جان لارنس پنجاب کا پہلا گورنر مقرر ہوا۔

۲۰۔ ہندوستان سے فارغ ہونے کے بعد افغانستان کی باری آئی۔ انگریز کو خطرہ تھا کہ کہیں ان

کہساروں سے پھر کوئی غزنوی، غوری یا ابدالی نہ اٹھ پڑے چنانچہ انہوں نے انیسویں صدی کے آغاز میں سر میلکم کو سفیر ایران بنا کر بھیجا۔ بایں ہدایات کہ وہ ایران و کابل کو لڑانے کی انتہائی کوشش کرے۔ یہ دونوں ممالک تو آپس میں نہ لڑے لیکن وہ افغانستان کے شاہی خاندان میں رقابت کی آگ بھڑکانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس آگ کو مزید ہوا دینے کے لیے ۱۸۰۹ء میں الفنسٹن کو سفیر کابل بنا کر روانہ کیا گیا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے یہاں تک کہ ۱۸۳۷ء میں انگریز نے افغانستان پہ حملہ کر کے اپنے ایک پٹھو یعنی معزول شجاع کو تخت پہ بٹھا دیا۔ نظم ونسق پہ خود قبضہ کر لیا اور انگریزی افواج غزنی۔ قندھار۔ جلال آباد اور کابل میں متعین کر دیں۔ اس حملے میں انگریزوں نے حسب معمول کابل کے بازار جلائے۔ نہتوں پہ بے دریغ تلوار چلائی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاہی حرم کی آبروریزی کی۔ اس پر غیور افغانستانیوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے موقعہ پا کر انگریزی امیر الافواج مسٹر میکناٹن اور سولہ ہزار گورہ سپاہیوں کو قتل کر دیا اور صرف ایک گورہ یہ کہانی سنانے کے لیے پشاور میں زندہ واپس آیا۔ ۱۸۴۲ء میں انگریز پھر کابل پہ چڑھ دوڑے پھر بازار جلائے اور اس مہم کا تمام خرچ ''نوابانِ سندھ'' سے زبردستی وصول کیا۔

۲۱۔ ۱۸۴۱ء میں انگریزوں کی توجہ سندھ کی طرف مبذول ہوئی۔ مسلسل حملوں کے بعد سارا صوبہ زیرنگیں کر لیا۔ نوابوں کو جلاوطن کر دیا اور بعض حرم سراؤں میں گھس کر بیگمات سے نہ صرف زیور چھین لیے بلکہ ان کے بدن سے کپڑے بھی نوچ لیے اور انہیں برہنہ کر کے بے حد رسوا کیا۔

۲۲۔ سید طفیل احمد منگلوری اپنی تصنیف ''مسلمانوں کے روشن مستقبل'' میں بیان کرتے ہیں کہ آغاز میں انگریز ہندوستانی بچے چرا کر ادھر ادھر بیچ آتے تھے۔ ۱۶۶۳ء میں صرف ایک انگریز نے دو ہزار بچے بیچے۔ یہ لوگ تاجر تھے اور تجارت کے لیے نہایت الٹے طریقے استعمال کرتے تھے۔ یعنی جب خام اجناس کے ذخائر منڈی میں آتے تھے تو حکم ہوتا تھا کہ دیسی سوداگر اس وقت تک منڈیوں میں قدم نہ رکھیں۔ جب تک کمپنی کے سودے ختم نہ ہو لیں۔ نیز جب تک کمپنی کی اجناس بک نہ جائیں۔ تمام دیگر دکاندار اپنی دکانیں بند رکھیں۔

اس طریقے سے کمپنی روپے کی چیز پیسے میں خریدتی اور دس روپے پہ فروخت کرتی تھی۔

کمپنی کا یہ قاعدہ تھا کہ جس ریاست میں نواب یا راجہ کے مرنے کے بعد جائز وارث (بیٹا) موجود نہ ہوتا۔ اس پر خود قبضہ کر لیتی۔ اس طرح کمپنی نے تھوڑے سے عرصے میں پندرہ ریاستیں ہتھیالیں۔ ان ریاستوں کے ورثا مر کیسے گئے۔ ہنوز ایک راز ہے۔

۲۳۔ انگریز کا کام صرف قتل عام اور دارو گیر ہی نہ تھا کہ وہ تبلیغ عیسائیت پہ بھی پوری توجہ صرف کر رہا تھا۔ کمپنی کے ایک ڈائرکٹر مسٹر چارلس گرانٹ نے ۱۸۹۳ء میں ایک کتاب لکھی جس میں کھلم کھلا اقرار کیا کہ لوگوں کو تعلیم دینے سے ہمارا مقصد تبلیغ عیسائیت ہے۔

۱۸۴۶ء میں مدراس کے گورنر اور ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم نے کمپنی کو لکھا کہ سکولوں میں انجیل پڑھائی جائے۔

جن مقامات پر عیسائی سکول موجود تھے وہاں کوئی اور سکول کھولنے کی اجازت نہ تھی۔

سر چارلس ٹریویلین آئی سی ایس نے ۲۸ جنوری ۱۸۵۳ء کو دارالامرا کے سامنے ہندوستان کے واقعات بیان کرتے ہوئے فخر سے کہا۔

''ہماری پالیسی کے نتائج یہ ہیں کہ گورنمنٹ درسگاہوں سے بھی اتنے ہی عیسائی پیدا ہوئے جتنے مشنری درسگاہوں سے۔''

۲۴۔ سندر بن کے انگریز نے ۱۸۶۹ء میں اعلان کیا کہ سرکاری ملازمتوں میں جہاں دیسیوں کو بھرتی کرنے کی ضرورت پیش رہے وہاں صرف ہندوؤں کو مقرر کیا جائے۔

۲۵۔ صوبہ پنجاب کے ڈائرکٹر مسٹر رنیلڈ نے اپنی رپورٹ برائے سال ۵۷۔۱۸۵۶ء میں لکھا کہ پنجاب کے دیہاتی مدراس میں مدرس عموماً مسلمان ہیں۔ اس رجحان کو فوراً روکنے کی ضرورت ہے اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۹۰ء کی فہرست اساتذہ میں کسی مسلمان ٹیچر کا نام تک موجود نہیں تھا۔

۲۶۔ بنگال کے ایک انگریز آئی ایس مسٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اپنی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' میں ایک باب بایں عنوان باندھتے ہیں۔

باب چہارم

انگریزی حکومت کے ماتحت مسلمانوں سے ناانصافیاں

یہ باب بے انصافیوں کی ایک طویل داستان ہے مثلاً مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ۔

ہم نے ان پر باعزت زندگی کا دروازہ بند کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہم نے قاضیوں کی برطرفی سے ہزار ہا خاندانوں کو مبتلائے آفات کر دیا۔۔۔۔ہم نے مسلمانوں سے مذہبی فرائض پورے کرنے کے ذرائع چھین لیے۔۔۔۔۔۔ہم نے ان کے مذہبی اوقاف میں بد دیانتی سے کام لیتے ہوئے ان کے سب سے بڑے تعلیمی سرمائے کا غلط استعمال کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہم نے بنگال میں قدم رکھا تو مسلمانوں کے ملازموں کی حیثیت سے لیکن اپنی فتح ونصرت کے وقت ان کی مطلق پروانہیں کی۔۔۔۔بلکہ اپنے سابق آقاؤں کو پاؤں تلے روندا۔(صفحہ ۲۱۴۔۲۱۳)

آگے لکھتے ہیں:

''جولوگ کل تک اس ملک کے حکمران تھے۔آج نانِ جویں کے روکھے سوکھے ٹکڑوں کو بھی ترس رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ وہ قوم ہے جسے برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔''(۲۱۷۔۲۱۸)

ہر ضلع میں کسی نہ کسی شہزادہ کی اولاد بے بام محلات اور پراز خار تالابوں کے درمیان ۔۔۔۔خونِ جگر پیتی نظر آتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ غلیظ برآمدوں اور ٹپکتے ہوئے مکانوں میں اداس زندگیاں بسر کر رہے ہیں اور روز بروز قرض کے تباہ کن گڑھوں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ان کے رنگا رنگ مچھلیوں والے تالاب گندے اور سڑے جوہڑوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

بارہ دریوں کی جگہ اب اینٹوں کا ملبہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔وہ بدنصیب خواتین جو کبھی رانیاں کہلاتی تھیں۔۔۔۔۔۔ان کے زنان خانوں پر چھت تک باقی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ناگر خاندان کی عظمتوں کی یادگار صرف ایک نہر سی باقی ہے جو اب باغوں اور محلوں کی جگہ دلدلوں کے بیچ میں سے گزرتی تھی۔ (۲۲۴۔۲۲۲)

۱۷۶۳ء کے دوامی بندوبست میں مسلمانوں سے زمینیں چھین کر ان ہندوؤں کو دے دی گئیں جو مسلمانوں کی طرف سے مالیہ وصول کرنے پہ متعین تھے اور اس طرح لاکھوں گھرانوں کو حصول رزق کے تمام ذرائع سے محروم کر دیا۔ (۲۳۳)

انگریزی حکومت سے پہلے فوج۔ مالداری اور دیوانی ملازمتوں پہ مسلمانوں کا قبضہ تھا جن سے انہیں ایک ایک کر کے نکال دیا گیا۔

''جتنے ہندوستانی سول سروس میں داخل ہوتے یا ہائی کورٹ کے جج بنتے ہیں ان میں ایک بھی مسلمان نہیں۔''

(صفحہ ۲۳۷)

''اب جیل خانے کی ایک دو غیر اہم اسامیوں کے بغیر ہندوستان کے یہ سابق فاتح اور کسی ملازمت کی امید نہیں رکھ سکتے۔''

۱۸۷۱ء میں بنگال کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب کیا تھا جدول ذیل ملاحظہ ہو۔

نمبر شمار	آسامی	مسلم	غیر مسلم
۱۔	اکاؤنٹس سول سروس	×	۲۶۰
۲۔	دیوانی افسر	-	۴۷
۳۔	ای اے سی	-	۳۳
۴۔	ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ	۳۰	۱۹۶
۵۔	سب جج	۸	۳۹
۶۔	منصف	۲۷	۱۸۹
۷۔	پولیس افسر	×	۱۰۹
۸۔	انجنیئر	-	۱۷۳
۹۔	پی۔ڈبلیو۔ڈی۔اکاؤنٹس	-	۷۶
۱۰۔	ڈاکٹر	۴	۱۵۴
۱۱۔	محکمہ تعلیم۔ سروے اور کسٹم آفیسرز	×	۲۱۴
	میزان	۶۹	۱۶۶۰

(صفحہ ۲۴۲)

''۱۸۵۱ء سے پہلے پیشہ وکالت پر مسلمان قابض تھے۔ رفتہ رفتہ انگریز نے یہ حالت کر دی کہ ۱۸۵۱ء میں جب لاء کالج کا داخلہ شروع ہوا تو کالج میں دو سو انتالیس ہندو اور صرف ایک مسلمان داخل کیا گیا۔'' (صفحہ ۲۴۷)

کہاں تک سناؤں یہ ایک نہایت دردناک اور طویل کہانی ہے چونکہ انگریز نے ہندوستان کی سلطنت مسلمان سے چھینی تھی اس لیے اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ مسلمانوں کو بھوکا مار کر ذلیل و رسوا کر دیا جائے۔ تاکہ ان میں تخت ہندواپس لینے کا جذبہ تک باقی نہ رہے اور سب بیرے۔ قلی اور خانسامے بن کر آزادی وحریت کے جذباتِ عالیہ سے یکسر خالی ہو جائیں۔ انگریز کے یہی وہ اقدامات تھے جن کا نتیجہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس انقلاب میں ہندو مسلم سب نے یکساں حصہ لیا تھا۔

....

مجھے جناب مرزا صاحب کے دعوائے نبوت سے اختلاف سہی لیکن ان کے بہت سے مسائل سے متفق ہوں۔ مثلاً ان کی اخلاقی تعلیم وتبلیغ ازبس مؤثر و پاکیزہ ہے وہ تمام اقوام کے انبیاء پہ ایمان رکھتے ہیں۔ وہ ضعیف احادیث کے رطب و یابس سے دامن بچا کر چلتے ہیں۔ وہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی اجتہاد کے قائل ہیں۔ وہ مظاہر کائنات میں غور وفکر کا درس دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ انگریز کے مکروفن سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس قوم کو چودھویں صدی کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتے تھے۔

جب حکومت نے ایکٹ نمبر ۱۳ مجریہ ۱۸۸۹ء کی رُو سے بڑے بڑے شہروں اور چھاؤنیوں میں گورے سپاہیوں کی خاطر طوائف خانے قائم کیے تو جناب مرزا صاحب نے اس بداخلاقی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھا۔

''آخر یہ قبول کیا گیا کہ گوروں کا بازاری عورتوں سے ناجائز تعلق ہو۔ کاش اگر اس کی جگہ متعہ ہوتا تو لاکھوں بندگانِ خدا زنا سے بچ جاتے۔'' (آریہ دھرم صفحہ ۶۹)

نیز مشورہ دیا۔

''کمانڈران چیف افواج ہند کو یہ بھی انتظام کرنا چاہیے کہ بجائے ہندوستانی عورتوں کے یورپین عورتیں ملازم رکھی جائیں ------۔ مخالفین کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ ہندوستان کی غریب عورتوں کو دلالہ عورتوں کے ذریعہ سے اس فحش ملازمت کی ترغیب دی جاتی ہے۔''

(آریہ دھرم صفحہ ۱۷)

....

اللہ کا ایک ''رسول'' ان اقدامات کو کیسے پسند کرسکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے انگریزی اخلاق کی تصویر ان الفاظ میں پیش فرمائی۔

غیر قوموں کی تقلید نہ کرو۔ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے۔ انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھالی اور جیسے گدھ اور کتے مردار کھاتے ہیں۔ انہوں نے مردار پر دانت مارے وہ خدا سے بہت دور جا پڑے۔ انسانوں (حضرت مسیح وغیرہ) کی پرستش کی۔ خنزیر کھایا اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا۔ (کشتی نوح صفحہ ۲۰)

یہی نہیں بلکہ انہیں دجال اور یاجوج ماجوج قرار دیتے ہوئے قوم کو ان کے فتنے سے خبردار کیا۔

سو بہت ہی خوب ہوا کہ عیسائیوں کا خدا فوت ہو گیا اور یہ حملہ ایک برچھی کے حملے سے کم نہیں جو اس عاجز نے خدا کی طرف سے مسیح بن مریم کے رنگ میں ہو کر ان دجال سیرت لوگوں پہ کیا ہے۔ (ازالہ صفحہ ۴۸۷)

مسیح بن مریم نے خدائی کا دعوٰی ہرگز نہیں کیا۔ یہ لوگ (عیسائی) خود اس کی طرف سے وکیل بن کر خدائی کا دعوٰی کر رہے ہیں اور اس دعوٰی کو سرسبز کرنے کے لیے کیا کچھ انہوں نے تحریفیں نہیں کیں۔ اور کیا کچھ تلبیس کے کام استعمال میں نہیں لائے اور مکہ مدینہ چھوڑ کر اور کون سی جگہ ہے جہاں یہ لوگ نہیں پہنچے (حدیث میں وارد ہے کہ دجال مکہ مدینہ میں داخل نہیں ہوگا ------۔ برحق) کیا کوئی دھوکہ دینے کا کام یا گمراہ کرنے کا منصوبہ یا بہکانے کا کوئی طریقہ ایسا

بھی ہے جو ان سے ظہور میں نہیں آیا۔ (بالکل درست ۔ برق) کیا یہ سچ نہیں کہ یہ لوگ اپنے دجالانہ منصوبوں کی وجہ سے ایک عالم پر دائرہ کی طرح محیط ہو گئے ۔ (ازالہ صفحہ ۴۸۹)

....

''اور جس قدر اسلام کو ان لوگوں (عیسائیوں) کے ہاتھ سے ضرر پہنچتا ہے اور جس قدر انہوں نے انصاف اور سچائی کا خون کیا ہے ان تمام خرابیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے ۔''

(ازالہ صفحہ ۴۹۱)

....

''اللہ اکبر اگر اب بھی ہماری قوم کی نظر میں یہ لوگ اول درجہ کے دجال نہیں اور ان کے الزام کے لیے ایک سچے مسیح کی ضرورت نہیں تو اس قوم کا کیا حال ہوگا۔'' (ازالہ صفحہ ۴۹۳)

....

دجال میں دینی عقل نہیں ہوگی اور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دنیا کی عقل اس میں تیز ہوگی۔ اور ایسی حکمتیں (ریل ۔ موٹر ۔ طیارہ ۔ ریڈیو وغیرہ) ایجاد کرے گا۔ اور ایسے عجیب کام دکھائے گا کہ گویا خدائی کا دعوٰی کر رہا ہے۔ (ازالہ صفحہ ۵۰۱)

''دجال اس گروہ کو کہتے ہیں جو کذاب ہو اور زمین کو نجس کرے اور حق کے ساتھ باطل کو ملا دے۔ سو یہ صفت حضرت مسیح کے وقت میں یہودیوں میں کمال درجے پر تھی۔ پھر نصارٰی نے ان سے لے لی۔ سو مسیح ایسی دجالی صفت کے معدوم کرنے کے لیے آسمانی حربہ لے کر اترا ہے۔''

(ازالہ صفحہ ۶۴۷)

....

''مدت ہوئی کہ گروہ دجال ظاہر ہو گیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اس کا گدھا (ریل) جو در حقیقت اس کا بنایا ہوا ہے۔ مشرق و مغرب کی سیر کر رہا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ احادیث صحیحہ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ وہ گدھا دجال کا اپنا ہی بنایا ہوا ہوگا۔ پھر اگر وہ ریل نہیں تو اور کیا ہے۔'' (ازالہ صفحہ ۶۸۵)

....

دجال کے ساتھ بعض اسباب تنعم وآسائش جنت کی طرح ہوں گے اور بعض اسباب محنت و بلا آگ یعنی دوزخ کی طرح ہوں گے۔ (بخاری۔مسلم)

جس قدر عیسائی قوم نے تنعم کے اسباب نئے سے نئے ایجاد کیے ہیں اور جو دوسرے راہوں سے محنت۔ بلا فقر اور فاقہ بھی ان کے بعض انتظامات کی وجہ سے دیس کے لوگوں کو پکڑا جاتا ہے۔ اگر یہ دونوں حالتیں بہشت اور دوزخ کے نمونے نہیں ہیں تو اور کیا ہیں؟

(ازالہ صفحہ ۷۲۸)

ان دس علامتوں میں سے ایک بھاری علامت دجال معہود کی یہ لکھی ہے کہ اس کا فتنہ تمام فتنوں سے بڑھ کر ہوگا کہ جو ربانی دین کے مٹانے کے لیے ابتدا سے لوگ کرتے آئے ہیں ------ ہمارے نبی ﷺ نے کھلے کھلے طور پر ریل گاڑی کی طرف اشارہ فرمایا ہے چونکہ یہ عیسائی قوم کی ایجاد ہے۔ جن کا امام اور مقتدیٰ یہی دجالی گروہ (پادری) ہے۔ (ازالہ صفحہ ۷۳۱)

....

''اور اس زمانہ (ظہور مسیح موعود) صلیبی مذہب کا بہت غلبہ ہوگا اور صلیبی مذاہب کی حکومت اور سلطنت تقریباً تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔'' (شہادۃ القرآن صفحہ ۱۰)

یہی قوم (عیسائی) وہ آخری قوم ہے۔ جس کے ہاتھ سے طرح طرح کے فتنوں کا پھیلنا مقدر تھا۔ جس نے دنیا میں طرح طرح کے ساحرانہ کام دکھائے۔ اور جیسا کہ لکھا ہے کہ دجال نبوت کا دعوٰی کرے گا۔ نیز خدائی کا دعوٰی بھی اس سے ظہور میں آئے گا یہ دونوں باتیں اس قوم سے ظہور میں آگئیں۔ نبوت کا دعوٰی اس طرح پر کہ اس قوم کے پادریوں نے بڑی گستاخی سے نبیوں کی کتابوں میں دخل بے جا کیا اور ایسی بے باکانہ مداخلت کی گویا وہ آپ ہی نبی ہیں -------- اور خدائی کا اس طرح پہ دعوٰی کیا کہ خدائی کاموں میں حد سے زیادہ دخل دیا اور چاہا کہ زمین وآسمان میں کوئی بھی ایسا بھید نہ رہے جو وہ اس کی تہ تک نہ پہنچ جائیں اور وہ ارادہ کیا کہ خدا تعالیٰ کے کاموں کو اپنی مٹھی میں لے لیں اور ایسے طور سے خدائی کی کل اُن کے ہاتھ میں آجائے کہ اگر ممکن ہو تو سورج کا غروب اور طلوع ------- اور بارش کا ہونا نہ ہونا بھی ان

کے ہاتھ میں آجائے۔'' (شہادۃ القرآن صفحہ ۲۱)

....

''اس قوم کے علماء حکما نے دین کے متعلق وہ فتنے ظاہر کیے جس کی نظیر حضرت آدمؑ سے لے کر تا ایں دم پائی نہیں جاتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ وہ (دجال) قوم ارضی علوم میں کہاں تک ترقی کرے گی۔'' (شہادۃ القرآن صفحہ ۲۲)

''گروہ دجال شر الناس ہے۔'' (تحفۂ گولڑویہ صفحہ ۳۴)

''فتنہ نصاریٰ ایک سیل عظیم ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔''

(تحفۂ گولڑویہ صفحہ ۱۱۸)

یہ حدیث (دجال والی) ایک ایسی قوم کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنے افعال سے دکھلا دیں کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا ہے اور خدائی کا بھی۔ نبوت کا دعویٰ اس طرح پر کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کریں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب خدائی دعویٰ کی بھی تشریح سنیے۔ اور وہ یوں ہے کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ایجاد اور صنعت اور خدائی کے کاموں کی کُنہ معلوم کرنے میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس قدر حریص ہوں گے کہ گویا خدائی کا دعویٰ کر رہے ہوں۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۳۹)

''ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس عیسائی قوم میں سخت بد ذات اور شریر پیدا ہوتے ہیں۔ اور بھیڑوں کے لباس میں اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں اور اصل میں شریر بھیڑیے ہوتے ہیں اور ایسی بد ذاتی سے بھرے ہوئے جھوٹ بولتے ہیں اور افترا کرتے ہیں جن کی کچھ اصلیت نہیں ہوتی۔''

(انجام آتھم صفحہ ۹۔۱۰)

....

دجال بہت گزرے ہیں اور شاید آگے بھی ہوں مگر وہ دجال اکبر جن کا دجل خدا کے نزدیک ایسا مکروہ ہے کہ قریب ہے جو اس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں یہی گروہ مشتِ خاک (مسیحؑ) کو خدا بنانے والا ہے۔ (انجام آتھم صفحہ ۴۶)

''اور اس آیت میں کہ ھم من کل حدب ینسلون ط ان کے غلبہ کی طرف اشارہ

ہے کہ تمام زمین پر ان کا غلبہ ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بائبل سے یقینی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یاجوج ماجوج کا فتنہ بھی دراصل عیسائیت کا فتنہ ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۴)

....

ان اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ دجال سے مراد عیسائی ہیں گو بعض مقامات پر مرزا صاحب نے صرف پادریوں کو محض اس بنا پر دجال قرار دیا ہے کہ وہ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اگر ان کی تمام تحریروں کو سامنے رکھا جائے تو اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں رہتا کہ آپ تمام عیسائیوں کو دجال سمجھتے ہیں۔

آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ انگریز ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے میں کس قدر کوشاں تھے۔ پادریوں کو تنخواہ سرکاری خزانے سے ملتی تھی۔ ظہور پاکستان سے پہلے کے سرکاری گزٹ دیکھئے۔ وہاں آپ کو مجسٹریٹوں کی طرح پادریوں کی تبدیلیاں اور تقرریاں بھی ملیں گی۔ شاہِ انگلستان جب تاجپوشی کے وقت حلف اٹھاتا ہے تو وہ یوں شروع کرتا ہے۔

"میں شاہ انگلستان۔ شہنشاہ ہند۔ آسٹریلیا وغیرہ محافظِ دین مسیحی ۔۔۔۔۔۔قسم کھاتا ہوں۔"

انگریز گورنروں نے ہر زمانے میں نہ صرف تبلیغ عیسائیت کے لیے آسانیاں فراہم کیں۔ بلکہ دعوائے غیر جانبداری کے باوجود عیسائیت کی ہر طرح سے سرپرستی کی مسیحیت قبول کرنے والوں کو مختلف اعزازات سے نوازا۔ انہیں نوکریاں۔ زمینیں اور کرسیاں عطا کیں اور باقیوں کو استحقاق کے باوجود بارہا نظرانداز کر دیا۔

اس حقیقت سے ہر شخص آگاہ ہے کہ جس تبلیغ کے پیچھے شاہی جلال نہ ہو وہ تبلیغ بہت کم کامیاب ہوتی ہے۔ آدھا کام مشنری کرتے ہیں اور آدھا حکومت یہی وجہ ہے کہ جناب مرزا صاحب نے دجال کے دعوائے نبوت میں پادریوں کو اور دعوائے خدائی میں ان کے فرماں رواؤں کو شامل کر کے دجال کو مکمل کر دیا ہے۔ دجال مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کار پردازانِ سلطنت کو دجال کا اہم جزو نہ سمجھا جائے اور خصوصاً ایسے کار پرداز جن کا مقصد توسیع سلطنت

کے ساتھ ساتھ توسیع عیسائیت بھی تھا۔

اس سلسلے میں خود مرزا صاحب ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

ہمارے ملک کے نواب لفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر بٹالہ ضلع گورداس پور میں تشریف لائے تو انہوں نے گرجا کی بنیاد رکھتے وقت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عیسائی مذہب سے اپنی ہمدردی ظاہر کر کے فرمایا مجھ کو امید تھی کہ چند روز میں یہ ملک دینداری اور راست بازی میں بخوبی ترقی پائے گا۔ لیکن تجربہ اور مشاہدہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی کم ترقی ہوئی۔

یعنی ابھی لوگ بکثرت عیسائی نہیں ہوئے اور پاک گروہ کرسچنوں کا ہنوز قلیل المقدار ہے۔۔

ایک مہینہ سے کم گزرا ہوگا کہ ایک معزز رئیس میرے (گورنر) پاس آیا۔

اور مجھ سے ایک گھنٹہ تک گفتگو کی میں نے اس کو اس لہو کی بابت سمجھایا۔ جو

سارے گناہوں سے پاک وصاف کرتا ہے اور اس راست بازی کی

بابت سمجھایا۔۔۔۔۔۔جو مفت ملتی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

بمبئی کے سابق گورنر سر رچرڈ ٹمپل نے مسلمانوں کی بابت ایک مضمون لکھا ہے جو ولایت کے ایک اخبار ایوننگ سٹینڈرڈ میں چھپ کر اردو اخباروں میں بھی شائع ہو گیا ہے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

''افسوس ہے کہ مسلمان لوگ عیسائی نہیں ہوتے اور وجہ یہ کہ ان کا مذہب
ان ناممکن باتوں سے لبریز نہیں جن میں ہندو مذہب ڈوبا ہوا ہے۔''

(اشتہار مندرجہ براہین احمدیہ صفحہ ج)

تو یہ تھا اس دجال اکبر کا وہ فتنہ عظیمہ جس کے استیصال کے لیے ''مسیح موعود'' مبعوث ہوئے۔

مسیح دنیا میں آ کر صلیبی مذہب کی شان وشوکت کو اپنے پیروں کے نیچے
کچل ڈالے گا۔ اور ان لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بے شرمی اور خوکوں کی

بے حیائی ونجاست خوری ہے۔ ان پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کرے گا۔ (ازالہ ج اول طبع دوم حاشیہ صفحہ ۳۴)

''مسیح کا خاص کام کسرِ صلیب اور قتلِ دجال اکبر ہے۔''

(انجام آتھم صفحہ ۴۷)

اب یہ دیکھنا ہے کہ جناب مرزا صاحب نے اس دجال اکبر کو جس کا فتنہ کائنات کا سب سے بڑا فتنہ تھا۔ جس نے گذشتہ ڈیڑھ سو برس میں سے ہندوستان میں لوٹ مار۔ دھوکہ فریب۔ بدعہدی۔ سازش۔ عیاشی اور فتنہ کا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ جس نے مسلمانوں کی سلطنت چھین کر ان سے رزق کے تمام وسائل بھی چھین لیے تھے جس نے درباروں اور دفتروں سے مسلمانوں کو بیک بنی و دو گوش باہر نکال دیا تھا۔ جس نے لاکھوں ہندوستانیوں کو عیسائیت کی گود میں دھکیل دیا تھا۔ جس نے ہمارے بیسیوں حرم خانوں میں داخل ہو کر بیگمات کے کپڑے تک نوچ لیے تھے اور جس میں ''خنزیروں کی بے شرمی اور خوکوں کی نجاست و بے حیائی'' پائی جاتی تھی۔ کس طرح قتل کیا۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب (یا غدر دہلی) کے متعلق فرماتے ہیں۔

''ان لوگوں (مسلمانوں) نے چوروں۔ قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا اور اس کا نام جہاد رکھا۔''

(حاشیہ ازالہ اوہام صفحہ ۲۴۷)

سمجھ میں نہیں آیا کہ اگر کوئی گروہ دجال اکبر کے خلاف لوائے انقلاب بلند کرتا ہے تو ''مسیح موعود'' جن کا کام ہی قتل دجال ہے اور اسے حرامی چور اور قزاق کیوں کہتے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب ۱۸۹۱ء میں ہمارا دجال روس سے ایک جنگ میں الجھنے لگا۔ تو مسیح موعود نے مسلمانوں سے یہ کیوں اپیل کی۔ کہ

''ہر ایک سعادت مند مسلمانوں کو دعا کرنی چاہیے کہ اس وقت انگریزوں کی فتح ہو کیونکہ یہ لوگ ہمار[illegible]ن ہیں۔'' (ازالہ صفحہ ۵۰۹)

دجال اور مسیح موعود کا محسن۔ کیا مطلب؟

''میرے رگ وریشہ میں شکر گذاری اس معزز گورنمنٹ کی سمائی ہوئی ہے۔''

(شہادۃ القرآن۔ گورنمنٹ کی توجہ کے لائق صفحہ ا)

....

انگریز ایک ایسی قوم ہے جن کو خدا تعالیٰ دن بدن اقبال اور دولت اور عقل اور دانش کی طرف کھینچنا چاہتا ہے اور جو سچائی۔ راست بازی اور انصاف میں ترقی کرتے جاتے ہیں ------------------ سو ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس گورنمنٹ کو ہر ایک شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دشمن کو ذلت کے ساتھ پسپا کرے ---------- میں سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ ---------- اسلام کے دو حصے ہیں ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو۔ جس نے ظالموں کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت سلطنت برطانیہ ہے -------------- سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام۔ خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں (یہ عجیب دجال ہے جس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہے ---------- برق)

------------ جب ہم ایسے بادشاہ کی صدق دل سے اطاعت کرتے ہیں تو گویا اس وقت عبادت کر رہے ہیں۔

(شہادۃ القرآن۔ گورنمنٹ کی توجہ کے لائق صفحہ ۲۔۳۔۴)

....

''گورنمنٹ انگلشیہ (یعنی دجال) خدا کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے یہ

ایک عظیم الشان رحمت ہے۔ یہ سلطنت مسلمانوں کے لیے آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے۔'' (شہادۃ القرآن۔ گورنمنٹ کی روجہ کے لائق صفحہ۱۲)

....

''ہمارا جان و مال گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی میں فدا ہے اور ہوگا اور ہم غائبانہ اس کے اقبال کے لیے دُعا گو ہیں۔'' (آریہ دھرم صفحہ ۸۱)

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دجال کے ''علما و حکما نے وہ فتنے ظاہر کیے جن کی نظیر حضرت آدم سے لے کر تا ایندم نہیں پائی جاتی'' اور اب یہ بھی ملاحظہ ہو۔

''یہ گورنمنٹ کس قدر دانا اور دُور اندیش اور اپنے تمام کاموں میں بااحتیاط ہے اور کیسی کیسی عمدہ تدابیر رفاہِ عام کے لیے اس کے ہاتھ سے نکلتی ہیں اور کیسے کیسے حکما اور فلاسفر یورپ میں اس کے زیر سایہ رہتے ہیں۔'' (آریہ دھرم صفحہ ۶۹)

....

احادیث میں مذکور ہے کہ آنے والے مہدی کے پاس تلوار ہوگی اس تلوار کی تشریح جناب مرزا صاحب یوں فرماتے ہیں۔

''مطلب یہ ہے کہ اگر (لوگوں کو) گورنمنٹ برطانیہ کی تلوار سے خوف نہ ہوتا۔ تو (وہ لوگ) اس (مسیح موعود) کو قتل کر ڈالتے۔''

(نشانِ آسمانی صفحہ ۱۹)

یعنی بجائے اس کے کہ مسیح موعود دجال کو قتل فرماتے الٹا اس کی تلوار کو اپنا محافظ سمجھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اگر دجال کی تلوار نہ ہوتی۔ تو مولوی لوگ آپ کو قتل کر ڈالتے۔ اس کی مزید تشریح اس وحی میں ملاحظہ ہو۔

''(اے مسیح موعود) آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ یعنی دستِ شفقت تھا۔'' (اربعین نمبر۳ صفحہ ۴۵)

اس حقیقت سے کون آگاہ نہیں کہ محکومی دنیا کی سب سے بڑی ذلت ہے اور یہ ذلت کسی قوم کی سالہا سال کی بدکاری کی سزا ہوتی ہے قرآن میں بار بار درج ہے کہ اللہ کے بندے ہمیشہ زمین کے وارث اور فرماں روا رہے ہیں اور دوسری طرف بدکار و سیہ کار لوگ ذلیل و محکوم۔

''ہمیشہ کی محکومی جیسی کوئی ذلت نہیں اور دائمی ذلت کے ساتھ دائمی عذاب لازم پڑا ہوا ہے۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۶)

دنیا میں ہر رسول اپنے پیروؤں کو زمینی بادشاہت اور اخروی جنت کی بشارت سنانے آتا ہے یہ آج تک نہیں ہوا کہ کسی رسول نے آزادی پہ غلامی کو ترجیح دی ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو نمرود کی غلامی کی کہیں تعلیم نہیں دی تھی۔ حضرت موسیٰ کی ساری زندگی فرعون کے خلاف جہاد میں بسر ہوئی تھی۔ ہمارے حضور علیہ السلام بارہ چھوٹی بڑی جنگوں میں بنفسِ نفیس شامل ہوئے تھے اور آپ کے صحابہ نے قیصر و کسریٰ کے ایوان استبداد کو بنیادوں تک کھود ڈالا تھا۔ خود جناب مرزا صاحب کو بھی مسلمانوں کی محکومی کا بے حد رنج تھا۔ خطبہ الہامیہ میں انگریز کی درازدستیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَلا تَرَوْنَ فِتَنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ وَ قَدْ جُعِلْتُمْ تَحْتَ اَقْدَامِھِمْ زِکَالاً مِنَ اللّٰہِ ثُمَّ اَنْتُمْ لَا تُرْجَعُوْنَ ط

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۷۹۔۸۰)

(کیا تم ان انگریزوں کا فتنہ نہیں دیکھتے جو ہر راستے میں بھاگے آرہے ہیں۔ ان لوگوں نے تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے داب لیا ہے یہ غلامی کتنا بڑا عذاب ہے۔ تم کیوں اللہ کی طرف واپس نہیں آتے۔)

پھر پڑھیے۔ ''ان لوگوں نے تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے داب لیا ہے یہ غلامی کتنا بڑا عذاب ہے۔'' اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھئے۔

''ہم پر اور ہماری ذریت پر فرض ہو گیا کہ اس مبارک گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکرگزار رہیں۔'' (ازالہ طبع دوم حاشیہ صفحہ ۵۶)

اگر مسلمان ہمیشہ اس فرض کو پورا کرتے رہیں تو پھر وہ انگریز کے بوٹ کے نیچے سے کیسے نکلیں گے اور وہ غلامی کا عذاب کیسے ٹلے گا۔

تاریخ کا ادنیٰ سا طالب علم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ انگریز نے ہندوستان میں آ کر ہم سے سولہ لاکھ مربع میل پہ پھیلی ہوئی سلطنت چھینی۔ اس کے بعد ہم سے زمینیں لیں پھر تمام سرکاری ملازمتوں اور درسگاہوں کے دروازے ہم پر بند کیے ہمارے ہزارہا قضاۃ کو معزول کر کے شرعی فیصلوں سے ہمیں محروم کیا۔ خود مرزا صاحب کی تصریح کے مطابق یہاں زنا خانے کھولے۔ جگہ جگہ شراب خانے جاری کیے ہر طرف خنزیروں کی بے حیائی اور سؤروں کی بے شرمی ونجاست خوری کا منظر پیش کیا اور تعجب یہ کہ اللہ کا ایک رسول اس صورتِ حال پہ نہ صرف اظہار اطمینان کرتا ہے بلکہ اسے اسلام کے احیائے ثانی کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔

اسلام کی دوبارہ زندگی انگریزی سلطنت کے امن بخش سائے سے پیدا ہوئی ہے۔

(تریاق القلوب صفحہ ۲۸)

وہ کس قسم کا اسلام تھا جو ان بے حیا خنزیروں اور نجاست خور خوکوں کے ظل عاطفت میں پروان چڑھتا رہا۔

....

انبیاء کی طویل تاریک میں جناب مرزا صاحب پہلے رسول ہیں جنہوں نے قوم کو غلامی کا درس دیا۔ اور غلامی بھی دجال اکبر کی۔ انبیاء تو رہے ایک طرف مجھے کسی قوم کا کوئی ایک ادیب۔ فلسفی۔ سیاسی رہنما یا عالم دکھایئے جس نے غلامی پہ ناز کیا ہو میرا یہ دعویٰ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کسی قوم میں ایک بھی ایسا عالم یا ادیب پیدا نہیں ہوا اور نہ اب کرۂ ارض پہ کہیں موجود ہے جو آزادی پہ غلامی کو ترجیح دیتا ہو۔ جو لٹیروں کی سلطنت کو رحمتِ ایزدی سمجھتا ہو اور جو آزادی کے نام تک سے لرزاں ہو۔ کسی انگریز کی ایک تقریر کہیں پڑھی تھی۔ اپنی غیور اور وطن دوست قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ہے۔

....

(ہم حصولِ شان کسب دولت اور فراہمی اعزازات کے لیے نہیں لڑتے بلکہ صرف قوم و وطن کی آزادی کے لیے لڑتے ہیں اور آزادی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس سے کوئی شریف انسان اپنی زندگی میں جدا نہیں ہوسکتا۔)

اور دوسری طرف جب میں جناب مرزا صاحب کی کتابوں میں انگریز کی تعریف اور قوم کو سدا غلام رہنے کی تلقین دیکھتا ہوں تو حیرت میں کھو جاتا ہوں کہ وہ انتم الاعلون والا رب یہ کیا کر رہا ہے قرآن میں ہمیں سلطنت و وراثت کا درس دیتا رہا اور پھر ایک رسول بھیج کر غلامی و ذلت کا وعظ شروع کر دیا آخر یہ معاملہ کیا ہے۔ خدا بدل گیا ہے کہ اس کی سنت بدل گئی ہے یا غلامی کا مفہوم بدل گیا ہے؟

احمدی بھائیو! کیا آپ میں سے کوئی شخص سدا غلام رہنا پسند کرے گا۔ کوئی ایسا ہے جسے اپنے وطن سے محبت نہ ہو۔ کوئی ہے جو اپنے وسائل معاش اپنی ملازمتوں اپنی زمینوں یہاں تک کہ اپنے ضمیروں پر بھی دوسروں کا قبضہ دیکھنا چاہتا ہو؟ اگر کوئی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ساری کائنات میں تنہا ہے اور اس کا کوئی ہمنوا موجود نہیں۔

جناب مرزا صاحب کی تقریباً ایک چوتھائی تحریرات اطاعت فرنگ کے درس پہ مشتمل ہیں۔ چند اور اقوال ملاحظہ ہوں۔

''میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان کے مطیع رہیں۔''

(ضرورۃ الامام صفحہ ۲۳)

....

''میں اپنے کام کو نہ مکّہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ روم میں۔ نہ شام میں نہ ایران نہ کابل میں۔ مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں۔''

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۶۹)

....

جناب مرزا صاحب نے ملکۂ انگلستان کے جشن جوبلی (جون ۱۸۹۷ء) کے موقع پر قادیان میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔ جماعت کو وفاداری کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی ''تحفہ قیصریہ'' کے نام سے ایک کتاب ڈپٹی کمشنر کے توسط سے ملکہ کو بھیجی ڈپٹی کمشنر یا ملکہ نے کتاب کی رسید تک نہ بھیجی۔ تو مرزا صاحب نے لکھا:۔

تحفہ قیصریہ حضرت قیصرۂ ہند دائم اقبالہا کی خدمت میں بطور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہوگا ــــــــــــ مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمہ شاہانہ سے بھی ممنون نہیں کیا گیا۔ ــــــــ لہٰذا اس حُسنِ ظن نے جو میں حضور سے رکھتا ہوں۔ دوبارہ مجھے مجبور کیا کہ اس تحفۂ قیصریہ کی طرف جنابہٗ ممدوحہ کی توجہ دلاؤں اور شاہانہ منظوری کے چند الفاظ سے خوشی حاصل کروں۔

(ستارۂ قیصریہ صفحہ۲)

تعجب ہے کہ جس فقر نے اسکندر اعظم سے کہا تھا کہ آگے سے ہٹو اور دھوپ آنے دو۔ جس نے ہارون الرشید کو جواب دیا تھا کہ اگر قرآن سیکھنا چاہتے ہو تو۔ ع

خیز و اندر حلقۂ درسم نشیں

جس فقر نے شاہوں کی طرف نگاہ تک اٹھانا توہین نگاہ سمجھا تھا آج اس فقر کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ آستان شاہی پہ تبسمے ونگاہے کی بھیک مانگ رہا ہے جب مذکورہ بالا یاد دہانی کے باجود سفید فام آقاؤں کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو جبریل آیا اور کہا۔

''قیصرۂ ہند کی طرف سے شکریہ گورنر جنرل کی پیش گوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا''

(حمامۃ البشریٰ ج۔۲ صفحہ ۵۷)

اس قسم کی تحریرات پر جناب ''خلیفۃ المسیح الثانی'' نے مندرجہ ذیل تبصرہ فرمایا ہے۔

''مسیح موعود علیہ السلام نے فخریہ لکھا ہے کہ میری کوئی کتاب ایسی نہیں۔

جس میں، مَیں نے گورنمنٹ کی تائید نہ کی ہو۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میں
نے غیروں کو نہیں بلکہ احمدیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہمیں مسیح موعود علیہ
السلام کی ایسی تحریریں پڑھ کر شرم آتی ہے۔"

(الفضل ۷ جولائی ۱۹۳۲ء)

"اگر ہم دوسرے ممالک میں تبلیغ کے لیے جائیں تو وہاں بھی برٹش
گورنمنٹ ہماری مدد کرتی ہے۔"

(برکات خلافت از میاں محمود احمد صاحب صفحہ ۶۵)

جناب مرزا صاحب نے اپنی جماعت کی مدد سے ایسے علماء وعوام کی فہرست تیار کی۔ جو
ذہناً حکومت برطانیہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر یہ فہرست حکومت کو بھیج کر لکھا۔

قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لیے ایسے نافہم
مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کیے
جائیں---------- جو در پردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو
دارالحرب سمجھتے ہیں----------- ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری
گورنمنٹ ان نقشوں کو ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی
------ ایسے لوگوں کے نام مع پتہ ونام یہ ہیں۔

(تبلیغ رسالت جلد پنجم صفحہ ۱۱)

ذرا یہ واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔

ایک شخص جو کچھ مدت سے ایک احمدی کے پاس رہتا تھا۔ ملازمت کے
لیے ایک برطانوی افسر کے پاس گیا افسر مذکور--------- نے
پوچھا کہ کہاں رہتے ہو اس نے جواب دیا کہ فلاں احمدی کے پاس اس پر
ذیل مکالمہ ہوا۔

صاحب: کیا تم بھی احمدی ہو؟

امیدوار: نہیں صاحب!

صاحب: افسوس! تم اتنی دیر احمدی کے پاس رہا۔ مگر سچائی کو اختیار نہیں کیا۔ پہلے احمدی بنو۔ پھر فلاں تاریخ کو آؤ۔ (الفضل ۷ جون ۱۹۱۹ء)

انگریز کا یہ رویہ جناب مرزا صاحب کی التجائے ذیل کا نتیجہ تھا۔

میں دعوٰی سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں سے اول درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ کا ہوں۔ کیونکہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اول درجہ بنا دیا ہے۔ اول:۔ والد مرحوم کے اثر نے۔ دوم:۔ گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے۔ تیسرے خدا تعالیٰ کے الہام نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ محسنہ میرے مخالفوں کو نرمی سے ہدایت کرے کہ اس نظارۂ قدرت (یعنی نشاناتِ نبوت وغیرہ) کے بعد شرم وحیا سے کام لیں اور تمام مردی بہادری سچائی کے قبول کرنے میں ہے۔

(ضمیمہ نمبر۳ تریاق القلوب۔ حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست ص ۳۸۷۔۴۰۱)

....

جب حکومت کابل نے دو احمدیوں مُلّا عبدالحلیم چہار آسیائی اور مُلّا انور علی کو موت کی سزا دی۔ تو وہاں کی وزاتِ خارجہ نے اعلان ذیل جاری کیا۔

مملکتِ افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ یہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔

(اخبار امان وفغان کابل ماخوذ از الفضل ۳ مارچ ۱۹۲۵ء)

۱۸۔۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں ترکوں کو متواتر شکستیں ہوئیں۔ اس پر جو کچھ الفضل نے لکھا اور جناب میاں محمود احمد صاحب نے کہا۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

''حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ گورنمنٹ برطانیہ میری

تلوار ہے پھر ہم احمدیوں کو اس فتح (فتح بغداد) پر کیوں خوشی نہ ہو۔عراق عرب ہو یا شام۔ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دیکھنا چاہتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دراصل اس کے محرک خدا تعالیٰ کے دو فرشتے تھے۔جن کو گورنمنٹ کی مدد کے لیے خدا نے اتارا تھا۔" (الفضل ۷ ستمبر ۱۹۱۸ء)

دیکھا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ "دجال اکبر" کی امداد کے لیے فرشتے بھی اتارتا رہا۔

"تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ رُوسی برابر ترکی علاقے میں گھستے چلے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ ظالم نہیں اس کا فیصلہ درست اور راست ہے اور ہم اس کے فیصلہ پر رضامند ہیں۔" (الفضل ۷ نومبر ۱۹۱۴ء)

۲۷ نومبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں کی مکمل شکست پر قادیان میں زبردست چراغاں کیا گیا۔جشن ہوئے اور یہ پُر لطف اور مسرت انگیز نظارہ بہت مؤثر اور خوش نما تھا اور اس سے احمدیہ پبلک کی اس عقیدت پہ خوب روشنی پڑتی ہے جو اسے گورنمنٹ برطانیہ سے ہے۔ (الفضل ۳ دسمبر ۱۹۱۸ء)

لیکن جب مصطفیٰ کمال رحمتہ اللہ علیہ کی شمشیر خار اشگاف نے انگریزوں کو بیک بینی و دو گوش ترکی سے نکال باہر کیا۔اور تمام دنیائے اسلام نے زبردست جشن منائے اور اس موقعہ پر کسی احمدی بھائی خلیفۃ المسیح سے دریافت کیا کہ ترکوں کی فتح کی خوشی میں روشنی وغیرہ کے لیے چندہ دینے کا کیا حکم ہے۔تو آپ نے فرمایا۔

"روشنی وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔" (الفضل ۷ دسمبر ۱۹۲۲ء)

جب خلیفۃ المسیح نے مولوی محمد امین کو روس میں مبلغ بنا کر بھیجا تو وہ وہاں گرفتار ہو گیا۔ کیوں؟ خود مبلغ کی زبانی سنیے۔

چونکہ سلسلۂ احمدیہ اور برٹش گورنمنٹ کے باہمی مفاد ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔اس لیے جہاں میں اپنے سلسلے کی تبلیغ کرتا تھا۔وہاں لازماً مجھے انگریزی گورنمنٹ کی خدمت گزاری کرنی پڑتی تھی۔

(الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۲۳ء)

....

یہ اقتباسات تو آپ نے پڑھ لیے۔ لیکن وہ بنیادی سوال ہنوز حل طلب ہے۔ کہ مسیح موعود نے دجال کو کس طرح قتل کیا؟

۱۔ کیا دجال کی دنیوی شان وشوکت کم کر دی ہے؟ جواب نفی میں ہے۔

۲۔ کیا دلائل سے پادریوں کو شکست دے کر لوگوں کو عیسائیت سے بددل کر دیا۔ جواب زبردست نفی میں ہے اس لیے کہ عیسائیت سیلاب کے دھارے کی طرح اس سرزمین میں پھیلتی اور بڑھتی رہی۔

آریہ سماج کی تعداد

جناب مرزا صاحب کے قلم عموماً عیسائیوں، آریوں اور اہل حدیث (مولوی ثناء اللہ امرتسری کا غزنوی خاندان) کے خلاف چلتا رہا۔ آیئے مردم شماری کے رجسٹرات میں دیکھیں کہ مرزا صاحب ان دجالوں کے قتل کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

سوامی دیانند نے آریہ سماج کی بنیاد ۱۸۷۵ء میں ڈالی تھی سوامی صاحب صرف آٹھ برس تبلیغ کرنے پائے تھے کہ ۱۸۸۳ء میں فوت ہوگئے۔ پہلی مردم شماری ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی۔ ۱۸۸۱ء میں کسی ہندو نے اپنے آپ کو آریہ درج نہ کرایا۔ بعد کے اعداد اس جدول میں دیکھئے۔

آریوں کی تعداد پنجاب میں

سال	تعداد	
۱۸۹۱	۱۴۰۳۰	
۱۹۰۱	۱۳۰۰۰	اس دہاکے میں ۸۷ ہزار کا اضافہ ہوا
۱۹۱۱	۱۰۰۸۴۶	

پنجاب میں اہل حدیث کی تعداد

۱۸۸۱	۲۴۵۳
۱۸۹۱	۳۶۰۴

۱۹۰۱	نامعلوم	بیس برس میں ۸۶ ہزار کا اضافہ ہوا
۱۹۱۱	۸۹۰۸۳	

پنجاب میں عیسائیوں کی تعداد

سال	تعداد	
۱۸۸۱	۲۸۰۵۴	
۱۸۹۱	۲۸۴۷۲	تیس برس میں تقریباً پونے دو
۱۹۰۱	۶۶۵۹۱	لاکھ کا اضافہ صرف پنجاب میں
۱۹۱۱	۱۹۹۷۵۱	ہوا

مت بھولیے کہ جناب مرزا صاحب کی نبوت کا زمانہ بھی یہی تھا۔ ۱۹۱۱ء میں ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد ایک لاکھ چونسٹھ ہزار تھی۔ باقی انگریز تھے۔

پورے ملک (ہند) میں اشاعت عیسائیت کی رفتار یہ تھی۔

ہندوستان میں عیسائیوں کی تعداد

۱۸۸۱	۱۸۶۲۶۳۴	
۱۸۹۱	۲۲۸۴۳۸۰	تیس سال میں بیس لاکھ چودہ
۱۹۰۱	۲۹۲۳۲۴۱	ہزار کا اضافہ
۱۹۱۱	۳۸۷۶۲۰۳	

یہ اعداد و شمار مردم شماری کے رجسٹرات برائے ۱۹۰۱ء، ۱۹۱۱ء سے حاصل کئے گئے ہیں۔

ان اعداد سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ جناب مرزا صاحب کے زمانہ رسالت میں دجال نہ صرف دنیوی شان و شوکت میں بہت بڑھ گیا تھا۔ بلکہ اس کے پیروؤں کی تعداد بھی اٹھارہ لاکھ سے اڑتیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی مطلب یہ کہ اس عرصے میں ۲۰ لاکھ ہندوستانی دجال کے مذہب میں شامل ہو گئے لیکن مسیح موعود کے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے زور سے ایک بھی عیسائی مسلمان نہ ہوا قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیح موعود نے دجال اکبر کو کہاں چوٹیں لگائیں اور آیا دجال ان

ضربہائے عیسوی سے فوت ہو گیا تھا۔ یا بچ نکلا تھا۔ اگر بچ نکلا تھا۔ تو وہ قتلِ دجال کا سلسلہ کہاں گیا؟ اور اگر فوت ہو گیا تھا تو پھر آج یہ ساری کائنات پر کن کی سلطنت ہے؟ کیا یہ روس۔ یہ انگریز۔ یہ امریکی۔ یہ فرانسیسی وغیرہ سب مر چکے ہیں؟ اور یہ ستر کروڑ عیسائی ان فوت شدہ بزرگوں کے صرف بروز ہیں؟

دجال سے مباحثہ کی وجہ

ہماری حیرت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم جناب مرزا صاحب کی تحریر ذیل پڑھتے ہیں۔

حضور گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نیک نیتی سے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پادریوں کے مقابل پر بھی مباحثات کی کتابیں شائع کرتا رہتا ہوں ۔۔۔۔۔۔ جب پرچہ نور افشاں (لدھیانہ کا عیسائی اخبار) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نہایت گندی تحریریں شائع ہوئیں اور ان مؤلفین نے ہمارے نبی ﷺ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کئے کہ یہ شخص ڈاکو تھا چور تھا۔ زنا کار تھا ۔۔۔۔۔۔ تو مجھے اندیشہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو تب میں نے ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کے دباؤ کے لیے حکمتِ عملی یہی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سختی سے جواب دیا جائے تا کہ سریع الغضب مسلمانوں کے جوش فرو ہو جائیں اور ملک میں کوئی بدامنی پیدا نہ ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سو میری یہ پیش بینی کی تدبیر صحیح نکلی۔ اور ان کتابوں کا یہ اثر ہوا کہ ہزار ہا مسلمان جو پادری عماد الدین کی تیز اور گندی تحریروں سے اشتعال میں آچکے تھے۔ یک دفعہ ان کے اشتعال فرو ہو گئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سو مجھ سے پادریوں کے مقابل جو کچھ وقوع میں آیا۔ یہی ہے کہ حکمتِ عملی س بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا۔ اور میں دعوٰی سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں میں اول درجہ کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریزی کا ہوں۔

(ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۳ ص ۳۸۷۔۴۰۱)

دیکھا آپ نے کہ پادریوں سے مباحثہ کرنے میں حکمت عملی کیا تھی۔ یہی کہ وحشی

مسلمانوں میں اشتعال پیدا نہ ہو اور حکومت کسی پریشانی کا شکار نہ ہو۔ اب بتائیے کہ مسیح موعود نے دجال کو کہاں اور کس طرح قتل کیا؟

احمدی بھائیو! میرا مقصد متعصبانہ تردید نہیں۔ بلکہ تحقیق حق اور اس مسئلہ کو صرف اس روشنی میں دیکھنا ہے جو خود حضرت مرزا صاحب نے فراہم فرمائی ہے۔ میں کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ نہیں رہا۔ کوئی جعلسازی نہیں کر رہا۔ بلکہ ہر بات کو من وعن پیش کر رہا ہوں۔ بایں امید کہ اگر میں غلطی پہ ہوں تو اصلاح فرمایئے اور اگر آپ کے تصورات میں کوئی خامی ہو تو دور کر کے گلے مل جایئے۔ میرا مقصد خلیج اختلاف کو پاٹنا اور آپ سے ملنا ہے۔ میں غلط ہوں تو مجھے بلا لیجئے ورنہ تشریف لے آیئے۔ ؏

اے خوش آں روز کہ آئی وبہ صد ناز آئی

ساتواں باب

مسئلہ جہاد

آپ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ تقریباً نصف قرآن تعلیم جہاد پہ مشتمل ہے۔ جہاد کے بغیر کوئی قوم ایک گھنٹے کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ دنیا اشرار و فجار سے لبریز ہے۔ یہاں بیسیوں اقوام ایسی موجود ہیں جو دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتیں۔ گذشتہ ساٹھ برس سے فرانس برابر مراکش کے سینے پر سوار ہے۔ بعض اقوام مغرب مدت سے چین اور جزائر شرق الہند کی دولت کو سمیٹ رہی ہیں۔ انگریز مدت سے عراق۔ ایران اور مصر کے وسائل دولت پہ قابض ہے اور یہ محض اس لیے کہ یہ کمزور اقوام دانت کے بدلے دانت توڑنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔

مہاتما گاندھی کا فلسفہ عدم تشدد اور جناب مرزا صاحب کا اصول عدم جہاد اسی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہے کہ اقوام عالم کا ہر فرد بے حد بھلے مانس مرنجان مرنج صابر و قانع اور انصاف پسند بن جائے۔ چونکہ دنیا کے اڑھائی ارب انسانوں کو اس قسم کے سانچے میں ڈھالنا ناممکن ہے اور چونکہ قدم قدم پر ہمارا واسطہ بدکاروں۔ جفا کاروں اور ظالموں سے پڑتا ہے اس لیے بچاؤ کے لیے کم از کم اتنا سامان اپنے پاس رکھنا ضروری ہے کہ جس سے دشمن مسلح ہو۔ اگر دشمن کے پاس برین گن ہو تو آپ صرف لاٹھی سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اسی حفاظت کا دوسرا نام جہاد ہے۔

اسلام نے مندرجہ ذیل صورتوں میں جہاد کی اجازت دی ہے۔

اول: جب کوئی ظالم تمہیں ہدف ستم بنائے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ط (الحج:۳۹)

(مظلوموں کو جہاد کی اجازت دی جاتی ہے)

دوم: جب کوئی بلاوجہ حملہ کر دے۔

وَقَاتِلُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط

(البقرہ:۱۹۰)

(حملہ آوروں سے لڑو۔ لیکن حد سے نہ بڑھو)

سوم: ضعیفوں۔ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے۔

مَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا ۚ (النساء:۷۵)

(تم کیوں ان کمزور مردوں۔ عورتوں اور بچوں کے لیے جنگ نہیں کرتے ۔ جو تنگ آ کر دہائی دیتے ہیں کہ اے رب ہمیں اس بستی سے نجات دے جہاں کے باشندے بڑے ظالم واقع ہوئے ہیں۔)

چہارم: قیام امن کے لیے ہر سلطنت میں آئے دن چند شورش پسند اٹھ کر امن وامان کو تہ و بالا کر دیتے ہیں ایسے لوگوں سے لڑنا بھی فرض ہے۔

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ (البقرہ:۱۹۳)

(تم اس وقت تک لڑو کہ ملک سے بدامنی دُور ہو جائے)

ان چار صورتوں کے علاوہ اسلام نے کسی اور تنازعہ میں جہاد کی اجازت نہیں دی۔ جناب مرزا صاحب کا یہ ایثار تو درست ہے کہ تبلیغ مذہب کے لیے تلوار کا استعمال ناجائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاد کو مطلقاً حرام کر دیا جائے۔ مرزا صاحب بار بار فرما چکے ہیں کہ قیامت تک قرآن کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں ہوگا۔

''ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماویہ ہے اور ایک شوشہ یا نقطہ اس کی شرائع ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کم ہوسکتا ہے۔''

(ازالہ۔ طبع دوم صفحہ ۵۹)

تو پھر جہاد کو حرام کرنے کا جواز کہاں سے نکلتا ہے اور وہ بھی انگریز کے خلاف جس نے تمام ممالک اسلامی کو یکے بعد دیگرے تباہ کیا۔ پچاس کھرب روپیہ سے زیادہ کی دولت زبردستی چھین لی۔ پچاس سے زیادہ تخت لے چکا۔ لاکھوں عصمتوں کا دامن چاک کیا۔ کروڑوں انسانوں کو شراب وعیاشی کا خوگر بنایا۔ فرمائیے کیا ایسی قوم کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہیں کیا انہیں اجازت ہے کہ یہ ایران کو لوٹیں۔ عراق کی دولت گھسیٹ کر گھر لے جائیں۔ سات لاکھ عربوں کو فلسطین سے باہر دھکیل دیں۔ مصر کے لیے مستقل خطرہ بنے رہے اور ان کے ریڈ کلف اور مونٹ بیٹن پاکستان کو ہمیشہ مصائب میں مبتلا رکھیں؟ اور مظلوم کو یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنا بچاؤ تک کر سکے۔

یہ درست کہ انگریز کے زمانے میں ان کے خلاف اعلان جہاد خلاف مصلحت تھا۔ اس لیے کہ ہمارے پاس ٹوٹی ہوئی لاٹھی بھی نہیں تھی لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ جو بات عارضی طور پر خلافِ مصلحت ہو وہ حرام ہو جاتی ہے حضورﷺ کے لیے مکی زندگی میں جہاد خلافِ مصلحت تھا حرام نہیں تھا لیکن جناب مرزا صاحب کی بعض تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جہاد کو مطلقاً حرام سمجھتے تھے۔ مثلاً

> میں نے مخالفتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں میں نے ایسی کتابیں تمام ممالک عرب اور مصر اور شام، کابل اور روم تک پہنچا دی ہیں۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں ---------- اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔
>
> (تریاق القلوب صفحہ ۲۷۔۲۸)

اقتباس بالا میں ممانعت جہاد اور اطاعت انگریزی کو یوں جوڑ دیا گیا ہے گویا جہاد صرف انگریز کی خاطر حرام کیا گیا تھا۔ یہاں یہ بات بھی فہم سے بالاتر ہے کہ انگریزی حکومت نے امن تو

ہندوستان میں قائم کیا تھا۔اس کے خلاف جہاد یہاں حرام تھا۔ بھلا عراق وایران کے مسلمانوں کو ممانعت جہاد اور اطاعتِ انگریز کا درس دینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟ عراق وشام پر ترکوں کی حکومت تھی۔ پھر انہیں ترکِ جہاد کا مشورہ کیوں دیا گیا۔ اگر آپ یہ جواب دیں کہ مسیح موعود ساری دنیا کے لیے تھے اس لیے وہ ترکوں کو ترک جہاد کا مشورہ اپنے میں حق بجانب تھے۔تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ ساری دنیا میں انگریز بھی شامل تھے آپ نے انگریز کو کیوں یہ مشورہ نہ دیا۔ جناب مرزا صاحب کی آنکھوں کے سامنے انگریز نے شہنشاہ دہلی کے دو شہزادوں کو بازار میں گولی سے ہلاک کیا شہنشاہ کو برما میں محبوس کیا۔ کابل کی آزادی چھینی مصر کو تاخت وتاراج کیا۔ سوڈان میں قیامت بپا کی۔ اور جناب مرزا صاحب نے اپنی بہتر ضخیم کتابوں میں اس کے متعلق ایک احتجاجی سطر تک نہ لکھی اور نہ اسے ترک جہاد کا وعظ سنایا۔ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ مسیح موعود نے ترکِ جہاد کی تلقین صرف مسلمانوں کو کیوں کی اور جب روس وانگریز کی جنگ ہونے لگی تو ان دونوں کو جہاد سے نہ روکا ہے۔ کوئی جواب؟؟؟

سوال۔ کیا واقعی انگریز کی خاطر جہاد حرام کیا گیا تھا؟

جواب۔ ''گورنمنٹ انگلشیہ خدائی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔ یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے۔ یہ سلطنت مسلمانوں کے لیے برکت کا حکم رکھتی ہے۔ خداوند رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لیے بارانِ رحمت بھیجا۔ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا قطعی حرام ہے۔'' (شہادت القرآن ضمیمہ صفحہ ۱۱۔۱۲)

جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے حضرت موسیٰ کے زمانے میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان نہ لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کیے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی ﷺ کے وقت میں بچوں۔ بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لیے بجائے ایمان کے صرف جزیہ --------قبول کیا گیا۔ اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم

موقوف کردیا گیا۔ (اربعین نمبر۴ حاشیہ صفحہ ۱۵)

اگر جہاد قطعی موقوف ہو چکا ہے تو پھر آدھا قرآن منسوخ ہو گیا اگر آپ یہ فرمائیں کہ اشاعتِ اسلام کے لیے جہاد حرام ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ یہ جائز کب تھا۔ کیا حضور علیہ السلام یا آپ کے صحابۂ کرام یا بعد کے روشن خیال سلاطین نے کوئی ایک آدمی بھی بزور شمشیر مسلمان بنایا تھا اگر نہیں تو پھر آپ نے وہ کون سی چیز حرام کی جو پہلے جائز تھی ۔ جوازِ جہاد کی صرف چار صورتیں ہیں۔

۱۔ قیامِ امن ۲۔ مدافعت

۳۔ مقابلۂ ظلم ۴۔ حمایتِ مظلوم

یہ چاروں صورتیں مذہبی و دینی ہیں۔ ہر صورت کو اللہ نے اپنی راہ (فی سبیل اللہ) کہا ہے جو کوئی بھی ان چار صورتوں میں تلوار اٹھائے گا۔ وہ گویا مذہب کے چند اہم اصولوں یعنی قیام امن۔ حمایت مظلوم وغیرہ کی حفاظت کر رہا ہوگا۔ ہر ایسا جہاد دینی۔ مذہبی روحانی اور فی سبیل اللہ کہلائے گا اسلام میں کوئی ایسا جہاد موجود ہی نہیں۔ جس کا مقصد ملک گیری۔ نوآبادیات کا حصول یا معدنی و زرعی دولت پہ قابض ہونا ہو۔ جب قرآن کی تلوار ہے ہی دینی۔ روحانی اور اخلاقی تو پھر اس شعر کا کیا مطلب؟

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال

دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

(جناب مرزا صاحب)

"دین کے لیے حرام ہے" تو کیا بے دینی کے لیے جائز ہے ایران اور جزائر شرق الہند کے روغنی چشموں کے لیے حلال ہے؟ دوسروں کو غلام بنا کر ان کی بیگمات کے کپڑے نوچنے کے لیے روا ہے؟ اگر نہیں تو پھر مسیح موعود نے انگریزوں کو اس دھاندلی سے کیوں نہ روکا؟ حیرت ہے کہ انگریز کا جہاد تجوریاں بھرنے کے لے جائز۔ اور ہمارا جہاد اپنی مدافعت یا کسی مظلوم کی حمایت کے لیے حرام ہے؟

بہت اچھا صاحب! جہاد حرام سہی۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ حضرت مرزا صاحب انگریز کی راہ میں جان چھڑ کنے اور خون تک بہانے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔ جہاد تو ہو گیا حرام۔ پھر خون کس کھاتے میں جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود سے مواخذہ نہیں کرے گا۔ کہ تم نے جہاد کو حرام قرار دینے کے بعد انگریز کی خاطر کیوں جہاد کیا؟ اپنا خون کیوں بہایا؟ اور ہماری وحی کی مخالفت کیوں کی؟

حضرت مرزا صاحب نے ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو گورنر پنجاب کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے۔ ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے۔ کیونکہ مجھے مسیح و مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غرض یہ ایک ایسی جماعت جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس خود کاشتہ پودہ کی نہایت احترام اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ کرے کہ وہ بھی اس خاندان (حضرت مرزا صاحب کا اپنا خاندان) کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو خاص عنایت کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا۔ اور نہ اب فرق ہے۔

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۱۸)

....

جب کابل کے ساتھ ۱۹۱۹ء میں (انگریز کی) لڑائی (امان اللہ خان کے خلاف) ہوئی۔ تب بھی ہماری جماعت نے۔۔۔۔۔۔۔ علاوہ اور کئی قسم کی خدمات کے ایک ڈبل کمپنی پیش کی ۔۔۔۔۔ خود ہمارے سلسلہ کے بانی کے چھوٹے صاحبزادے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نے اپنی خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں آنریری طور پر کام کرتے رہے۔

(جماعت احمدی کا سپاسنامہ بخدمت لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند مورخہ ۴ جنوری ۱۹۲۱ء)

جہاد تو ٹھہرا حرام۔ پھر یہ ڈبل کمپنی اور صاحبزادہ صاحب کی جنگی خدمات کا جواز کیسے ثابت ہوگا۔

اور سنیے۔ ''خلیفۃ المسیح'' فرماتے ہیں۔

''عراق کو فتح کرنے میں احمدیوں نے خون بہایا اور میری تحریک پر سینکڑوں آدمی بھرتی ہو کر چلے گئے۔'' (الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء)

کس لیے؟ جہاد کے لیے؟ جہاد تو حرام تھا؟ خوشنودی انگریز کے لیے؟ خواہ اللہ ناراض ہی رہے؟ ظاہر ہے کہ جب آپ اللہ کی وحی یعنی ممانعت جہاد کی خلاف ورزی کریں گے تو خدا کا غضب بھڑکے گا۔ کیا انگریز کی رضا اتنی بڑی چیز تھی کہ خدائی غضب بھی یاد نہ رہا؟

جب ۱۹۲۹ء میں لاہور کے ایک آریہ راجپال نے حضور علیہ السلام کے خلاف ایک کتاب ''رنگیلا رسول'' کے نام سے لکھی اور لاہور کے ایک نوجوان علم الدین نے اس کا کام تمام کر دیا تو حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا۔

وہ نبی بھی کیسا نبی ہے جس کی عزت کو بچانے کے لیے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ جو قانون کو ہاتھ میں لیتے ہیں۔ وہ مجرم ہیں اور اپنی قوم کے دشمن ہیں۔ اور جوان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے۔ وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔ (الفضل ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء)

بہت عمدہ مشق ہے۔

لیکن:۔

جب اپریل ۱۹۳۰ء میں اخبار مباہلہ (قادیان) کے مدیر مولوی عبدالکریم احمدیت سے الگ ہو کر حضرت مرزا صاحب اور ان کے صاحبزادہ پہ تنقید کرنے لگے تو میاں محمود احمد صاحب نے کہا۔

اپنے دینی اور روحانی پیشوا کی معمولی ہتک بھی کوئی برداشت نہیں کر سکتا ۔۔۔۔ اس قسم کی شرارتوں کا نتیجہ لڑائی جھگڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حتیٰ کہ

قتل وخونریزی بھی معمولی بات ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر (اس سلسلے
میں) کسی کو پھانسی بھی دی جائے اور وہ بزدلی دکھائے تو ہم ہرگز اسے منہ
نہیں لگائیں گے بلکہ میں تو اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھوں گا۔

(الفضل ۱۱۔اپریل ۱۹۳۰ء)

مزید فرمایا:

جب تک ہمارے جسم میں جان اور بدن میں توانائی ہے اور دنیا میں ایک
احمدی بھی زندہ ہے اس نیت کو لے کر کھڑے ہونے والے کو پہلے ہماری
لاشوں پہ گذرنا ہوگا اور ہمارے خون میں تیرنا ہوگا۔

(الفضل ۱۵۔اپریل ۱۹۳۰ء)

لیکن قبلہ! رسول سے محبت کرنا تو عین دین ہے اور مسیح موعود کا ارشاد ہے کہ۔ ع

دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

کیا آپ خون بہاتے وقت مسیح موعود کی ساری تعلیم کو روند جائیں گے۔ بہر حال یہ جذبہ بڑا جواں مردانہ ہے۔ یہ مذہبی غیرت وحمیت ہر شریف انسان میں ہونی چاہیے اور ضرور ہونی چاہیے۔ اس لیے میرا یہ عاجزانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنے اس مشورے پر جو آپ نے علم الدین کے سلسلے میں دیا تھا۔ نظر ثانی فرمائیں۔ وہ مشورہ دوبارہ درج ہے۔

''وہ نبی بھی کیسا نبی ہے۔ جس کی عزت بچانے کے لیے خون سے ہاتھ
رنگنے پڑیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور جوان کی پیٹھ ٹھونکتا ہے وہ بھی قوم کا
دشمن ہے۔

باقی کہانی آپ کو معلوم ہوگی کہ ان آتشیں خطبات سے متاثر ہو کر ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو ایک نوجوان احمدی محمد علی نے مولوی عبدالکریم اور ان کے ساتھی محمد حسین پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ عبدالکریم گھائل ہوئے اور محمد حسین ہلاک ملزم ۱۶ مئی ۱۹۳۱ء کو سپر د دار ہوا۔ اس کے جنازہ کو خود خلیفۃ المسیح نے کندھا دیا اور وہ نوجوان نہایت احترام سے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوا۔ قرآن کی فطری تعلیم کے

خلاف چلنا بہت مشکل ہے۔

....

اور درست فرمایا تھا جناب مرزا صاحب نے:۔

''ہمیں تو حضرت مسیح موعود نے خصی کر دیا ہے۔ مگر ساری دنیا تو خصی نہیں۔''

(الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء)

آٹھواں باب

صداقت کے چار معیار

جناب مرزا صاحب نے اپنی صداقت کے چار معیار مقرر فرمائے ہیں۔ان کی تفصیل آپ ہی کی زبان سے سنیئے۔

خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں چار عظیم الشان آسمانی تائیدوں کا کامل مومنون کے لیے وعدہ دیا ہے اور وہی کامل مومن کی شناخت کے لیے کامل علامتیں ہیں۔اور یہ ہیں۔

اول۔ یہ کہ مومن کامل کو خدائے تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی ہیں۔

دوم۔ یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اس کی ذات یا اس کے واسطے داروں سے متعلق ہوں بلکہ جو کچھ دنیا میں قضا وقدر نازل ہونے والی ہے یا بعض دنیا کے افرادِ مشہورہ پر جو کچھ تغیرات آنے والے ہیں۔ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی جاتی ہے۔

سوم۔ یہ کہ مومن کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔

چہارم۔ یہ کہ مومنِ کامل پر قرآن کریم کے وقائق و معارف جدیدہ و لطائف و خواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔ (آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۳)

’’خدا نے مجھے قرآنی معارف بخشے ہیں۔خدا نے مجھے قرآن کی زبان میں اعجاز عطا فرمایا ہے۔خدا نے میری دعاؤں میں سب سے بڑھ کر مقبولیت رکھی ہے۔۔۔۔۔۔۔خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ تجھ سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہوگا۔‘‘ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۰)

صداقت کے چار معیار معین کرنے کے بعد جناب مرزا صاحب نے (آسمانی فیصلہ صفحہ

۱۴) میں علمائے اسلام کو چیلنج دیا ہے کہ وہ آئیں اور ان چار باتوں میں ان کا مقابلہ کریں۔

امرِ اول و دوم پیش گوئیوں کے ضمن میں آتے ہیں اس لیے ان کے متعلق ''پیشگوئیوں'' کے باب میں بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف امرِ سوم و چہارم کے متعلق عرض کیا جائے گا۔

قبولیت دُعا

حقیقۃ الوحی اور چند دیگر تصانیف میں جناب مرزا صاحب نے چند ایسی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے جو قبول ہوئی تھیں۔ لیکن ایک غیر جانب دار محقق کے پاس ایسے وسائل موجود نہیں۔ جن سے کام لے کر وہ پتہ چلا سکے کہ آیا حقیقۃً وہ دعائیں قبول ہوئی تھیں یا نہیں۔ ایسی دعاؤں کا تعلق ایسے مقامی یا غیر لوگوں سے تھا جو آج دنیا میں موجود نہیں۔ اور نہ وہ کوئی ایسی شہادت تحریر وغیرہ چھوڑ گئے ہیں جس سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ احمدی بھائیوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے۔ جنہوں نے مرزا صاحب کو دیکھا اور ان کی دعاؤں سے بھی فائدہ اٹھایا۔ لیکن دنیا کی کوئی عدالت ان کی شہادت کو غیر جانبدار قرار نہیں دے سکتی۔ اس لیے یہ شہادتیں ایک یقین انگیز فیصلہ پہ پہنچنے کے لیے مفید نہیں۔

جناب مرزا صاحب کی کتابوں میں صرف دو ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جو دعا کے سلسلہ میں معرض بحث بن سکتے ہیں۔ ایک کا تعلق مولانا ثناء اللہ (امرتسری) سے ہے اور دوسرے کا ڈاکٹر عبدالحکیم سے۔ مولوی ثناء اللہ مرزا صاحب کے سرگرم مخالفین میں سے تھے اور ڈاکٹر صاحب مدتوں جناب مرزا صاحب کے حلقہ ارادت سے وابستہ رہے اور آخر میں منحرف ہو گئے۔

مولوی ثناء اللہ

جناب مرزا صاحب نے بشارات، فہم قرآن و قبول دعا کے سلسلے میں علماء کو چیلنج دیا تھا کہ وہ آئیں اور مقابلہ کریں اس چیلنج کو وہ بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۰۲ء میں مولوی ثناء اللہ مقابلہ میں اتر آئے ممکن ہے کہ اس عرصہ میں کوئی اور صاحب بھی مد مقابل ہوئے ہوں۔ لیکن قلت

معلومات کی وجہ سے ہم کوئی اور مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں مولوی صاحب نے چیلنج کس طرح قبول کیا اس کی تفصیل خود مرزا صاحب سے سنیئے۔

میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ درخواست کرتا ہے کہ میں (ثناء اللہ) اس طور کے فیصلے کے لیے بدل خواہش مند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے۔وہ سچے کی زندگی ہی میں مر جائے ------- پس ہمیں کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں۔ کیونکہ ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لیے کافی ہے۔مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کی رُو سے واقع نہ ہو۔ بلکہ محض بیماری کے ذریعہ سے ہو۔مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا اور کسی بیماری سے یا ایسی کارروائی حکما کے لیے تشویش کا موجب نہ ٹھہرے اور ہم یہ بھی دعا کرتے رہیں گے کہ ایسی موتوں سے فریقین محفوظ رہیں صرف وہ موت کاذب کو آوے جو بیماری کی موت ہوتی ہے۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۱۴-۱۵)

چیلنج ہو گیا۔ جناب مرزا صاحب نے موت کی صورت متعین فرما دی ساتھ ہی ان الفاظ میں چیلنج کو منظور کر لیا۔

''ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لیے کافی ہے۔''

پھر سلسلۂ دعا کا بھی آغاز ہو گیا۔

''ہم دعا کرتے رہیں گے ---------- کہ وہ موت کاذب کو آوے جو بیماری کی موت ہوتی ہے۔''

نیز یہ شرط عائد کر دی کہ چیلنج ایک پوسٹر کی صورت میں ہونا چاہیے جس کے نیچے پچاس آدمیوں کے دستخط ہوں۔ آیا ایسا کوئی پوسٹر مولوی ثناء اللہ کی طرف سے شائع ہوا تھا یا نہیں۔ ہمیں علم نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ جناب مرزا صاحب نے مولوی صاحب کے اس ارادے ہی کو کافی

سمجھا اور فرمایا۔

مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں انہیں مباہلہ کے نیچے کروں یا ان کے بالمقابل مباہلہ کروں۔ ان کا اپنا مباہلہ جس کے لیے انہوں نے مستعدی ظاہر کی ہے۔ میری صداقت کے لیے کافی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر میں اس مقابلہ میں مغلوب رہا تو میری جماعت کو چاہیے۔ جو ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے کہ سب مجھ سے بیزار ہوکر الگ ہو جائیں۔ کیونکہ جب خدا نے مجھے جھوٹا قرار دے کر ہلاک کیا۔ تو میں جھوٹے ہونے کی حالت میں کسی پیشوائی اور امامت کو نہیں چاہتا بلکہ اس حالت میں ایک یہودی سے بھی بدتر ہوں اور ہر ایک کے لیے جائے ننگ۔

''اور جو شخص ایسے چیلنج سے فتنہ کو فرو کرے گا بشرطیکہ وہ صادق نکلے۔ صفحہ روز گار میں بڑی عزت کے ساتھ اس کا نام منقوش رہے گا اور جو شخص دجال بے ایمان مفتری ہوگا اس کی ہلاکت سے دنیا کو راحت حاصل ہوگی''۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۱۶)

اسی سلسلے میں رب العرش کو یوں مخاطب فرماتے ہیں۔

''یاالٰہی تو ہمارے کاروبار کو دیکھ رہا ہے اور تیری عمیق نگاہوں سے ہمارے اسرار پوشیدہ نہیں۔ تو ہم میں اور مخالفوں میں فیصلہ کردے اور وہ جو تیری نظر میں صادق ہے اس کو ضائع مت کر صادق کے ضائع ہونے سے ایک جہان ضائع ہوگا۔ اے میرے قادر خدا تو نزدیک آجا اور اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ اور یہ روز کے جھگڑے قطع کر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیونکر میرا دل قبول کرے کہ تو صادق کو ذلت کے ساتھ قبر میں اتارے گا اوباشانہ زندگی والے کیونکر فتح پائیں گے۔ تیری ذات کی مجھے قسم ہے کہ تو

ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۶۔۱۷)

پوسٹر نکلا یا نہیں علم نہیں۔ لیکن مسیح موعود کی دعا کا تیر نکل چکا تھا۔ ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۷ء کے درمیانی عرصے میں مولوی صاحب اور جناب مرزا صاحب نے اس مقابلہ کے سلسلہ میں کیا کچھ کہا اور لکھا۔ حجاب خفا میں ہے البتہ اس موضوع پر ہمیں ۱۹۰۷ء میں جناب مرزا صاحب کا ایک فیصلہ کن اشتہار ملتا ہے۔ یہ اشتہار مولوی صاحب کی طرف ایک کھلا خط ہے۔ مضمون یہ ہے۔

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب!

(السلام علی من اتبع الھدی)

مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب و تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنے پرچہ میں مردود و کذاب و دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں ---------- میں نے آپ سے بہت دُکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا ----------

اے میرے پیارے مالک! اگر یہ دعویٰ مسیح ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں ---------- تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کردے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے ---------- میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ ---------- اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور مولوی ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور جو در حقیقت تیری نگاہ میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھا لے ----------

(اشتہار محررہ اپریل ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۲۰)

قادیان کے ایک اخبار بدر میں جناب مرزا صاحب کی روزانہ ڈائری شائع ہوا کرتی تھی۔

اسی تاریخ کی ڈائری میں یہ فقرہ بھی تھا۔

ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی۔ (اخبار بدر قادیان ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء)

اس اشتہار میں کسی پوسٹر کی شرط نہیں تھی۔ بلکہ جناب مرزا صاحب نے اپنی صداقت کے لیے غیر مشروط طور پر ''صادق کی زندگی میں جھوٹے کی موت'' کو بطور معیار پیش کر دیا تھا۔ اس اشتہار میں جس خضوع وخشوع سے دعا کی گئی ہے وہ محتاج تبصرہ نہیں۔ اس اشتہار میں صرف ایک شرط ملتی ہے اور وہ یہ کہ جھوٹا انسانی ہاتھ سے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ طاعون اور ہیضہ وغیرہ سے مرے۔

پھر کیا ہوا۔۔۔۔۔۔؟

ایک سال اکیس دن بعد

حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کچھ دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک دو دفعہ پاخانہ تشریف لے گئے۔۔۔۔۔۔۔ اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا۔ مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانے نہ جا سکتے تھے اس لیے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر آپ فارغ ہوئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد ایک اور دست آیا پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہو گئی۔

(سیرۃ المہدی مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد صاحب صفحہ ۱۰۹)

یہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کا واقعہ ہے۔

حضرت مسیح موعود ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء یعنی پیر کی شام کو بالکل اچھے تھے رات کو عشاء کی نماز کے بعد خاکسار باہر سے مکان میں آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ والدہ صاحبہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ رات کے پچھلے پہر یعنی صبح کے قریب مجھے جگایا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسہال کی بیماری سے سخت بیمار ہیں اور حالت نازک ہے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۷)

کیا یہ ہیضہ تھا۔

''حضور مرزا صاحب کے وصال کا باعث ہیضہ قرار دینا صریح جھوٹ بلکہ قانونی جرم ہے۔'' (تصدیق احمدیت مصنفہ سید بشارت احمد صاحب احمدی)

لیکن جناب مرزا صاحب کے خُسر نواب میر ناصر صاحب اپنے خودنوشتہ حالات زندگی میں فرماتے ہیں۔

> حضرت صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا۔ جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو آپ (مرزا صاحب) نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دس بجے (صبح منگل) کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔ (حیات ناصر مرتبہ شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ ۱۴)

ہیضہ تھا یا نہیں۔ اس کا فیصلہ اطبا پہ چھوڑتا ہوں۔ یہاں تو یہ دیکھنا ہے کہ آیا جناب مرزا صاحب کی دعا:۔

> ''اور وہ جو تیری نگاہ میں درحقیقت مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھالے۔''

قبول ہوئی یا نہیں؟

اگر ہوئی ہے تو پھر سچا کون ہوا؟

احمدی بھائیو! یہ ٹھوس واقعات ہیں۔ جنہیں تاریخ کے اوراق سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ تاویلوں سے نفس کو بہلایا جاسکتا ہے لیکن حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی۔ آپ حضرات میں ایک خاصی تعداد وکیلوں۔ پروفیسروں۔ مجسٹریٹوں اور ججوں کی ہے۔ پروفیسر اور جج کا کام ہی تلاش حقیقت ہے سوچئے اور ڈھونڈیئے شاید حقیقت وہ نہ ہو جو آپ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

....

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب اور مولوی اسماعیل علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا۔ کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں ضائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے اور اس طرح پر آپ کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا۔ (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۱)

''میں نے ڈپٹی آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمی کے روبرو یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا سو آتھم بھی اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔'' (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۳)

اب ذرا یہ اقتباس پھر پڑھیئے۔

اے میرے پیارے مالک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر یہ دعویٰ مسیح ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں ۔۔۔۔۔۔تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔۔۔۔۔۔''

....

ڈاکٹر عبدالحکیم

ڈاکٹر عبدالحکیم پورے بیس برس تک جناب مرزا صاحب کے حلقۂ عقیدت سے وابستہ رہا۔ پھر منحرف ہو کر ''المسیح الدجال'' اور ''کانا مسیح'' وغیرہ کے نام سے کتابیں لکھیں اسی پر بس نہ کی۔ بلکہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو ایک الہام شائع کر دیا کہ آج سے تین برس تک مرزا صاحب فوت ہو جائیں گے اس پر جناب مرزا صاحب نے ایک اشتہار نکالا۔ مضمون یہ:۔

''۔۔۔۔۔۔۔۔اس (ڈاکٹر) نے میرا نام کذاب۔ مکار۔ شیطان۔ دجال۔ شریر اور حرام خور رکھا ہے اور مجھے خائن۔ شکم پرست۔ نفس پرست۔ مفسد اور مفتری قرار دیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔اس پر میں نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ یہ پیش گوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ یہ شخص تین سال کے عرصے میں فنا ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔۔آج ۱۴ اگست ۱۹۰۶ء کو پھر

اس کا ایک خط ۔۔۔۔۔۔۔ مولوی نور الدین صاحب کے نام آیا۔ اس میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لکھا ہے ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ یہ شخص اس تاریخ سے تین برس تک ہلاک ہو جائے گا۔

اس کے مقابل وہ پیشگوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میاں عبدالحکیم صاحب کی نسبت مجھے معلوم ہوئی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں ''خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں وہ سلامی کے شہزادے کہلاتے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔

رَبِّ فَرِّقْ بَيْنَ صَادِقٍ وَّ كَاذِبٍ ط

(دعا) اے میرے خدا صادق و کاذب میں فرق کر کے دکھلا تو جانتا ہے کہ صادق و مصلح کون ہے۔''

(اشتہار ۱۶ اگست ۱۹۰۶ء)

(تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۱۱)

یعنی دو خداؤں میں ٹھن گئی۔ ڈاکٹر کے خدا نے کہا کہ مرزا صاحب ۱۲ جولائی ۱۹۰۹ء سے پہلے فوت ہو جائیں گے اور مرزا صاحب کے اللہ نے اطلاع دی کہ:

''خدا کے مقبولوں پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔''

نیز ڈاکٹر کو ایک مہیب خطرہ سے ان الفاظ میں خبردار کیا۔

فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا۔

اور پھر جناب مرزا صاحب نے دُعا کی۔

اے میرے خدا صادق و کاذب میں فرق کر کے دکھا۔

اس پیش گوئی میں جس خطرے کا ذکر تھا چند ماہ بعد اس کی تفصیل یوں پیش فرمائی۔

بعد اس کے ایک اور چراغدین (جموں والے چراغدین نے مرزا صاحب کی بے حد مخالفت کی تھی اور آخر طاعون کا شکار ہو گیا تھا۔ برق) پیدا ہوا یعنی ڈاکٹر عبدالحکیم خان یہ شخص بھی

مجھے دجال ٹھہراتا ہے اور اپنے تئیں مرسلین میں شمار کرتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تکبر اور غرور میں تو پہلے چراغدین سے بڑھ کر ہے اور گالیاں دینے میں اس سے زیادہ مشاق ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کی پیش گوئی نے جیسا کہ پہلے چراغدین کے انجام سے خبر دی ہے اسی طرح اس نے علیم خبیر نے اس دوسرے چراغدین کے انجام سے خبر دی ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ صفحہ ۱۲۳۔۱۲۴)

مطلب یہ کہ ڈاکٹر کا انجام بھی چراغدین کی طرح بھیانک ہوگا۔ یہ الہام پڑھ کر ڈاکٹر نے اپنے پہلے الہام میں یوں ترمیم کی۔

''اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے سہ سالہ میعاد میں جو ۱اجولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہوتی ہے دس مہینے اور گیارہ دن اور گھٹا دیے اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا کہ مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا''

اس کے جواب میں جناب مرزا صاحب نے ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار بعنوان تبصرہ شائع کیا جس میں یہ الہام بھی درج تھا۔

اپنے دشمن سے کہہ دے خدا تجھ سے مواخذہ کرے گا اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے صرف چودہ مہینے تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ ایسا ہی دوسرے دشمن جو پیشگوئی کرتے ہیں ان سب کو جھوٹا کروں گا۔

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۳۱)

....

وفات سے چندروز پیشتر جناب مرزا صاحب نے لکھا۔

آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام عبدالحکیم خاں ہے وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے۔ جس کا دعوٰی ہے کہ میں اس کی زندگی میں ۴ اگست ۱۹۰۸ء کو ہلاک ہو جاؤں گا اور یہ اس کی سچائی کے لیے ایک نشان ہوگا۔ یہ شخص الہام کا دعوٰی کرتا ہے۔ مجھے دجال کافر اور کذاب قرار دیتا ہے پہلے اس نے بیعت کی اور برابر بیس برس تک میرے مریدوں

۔۔۔۔۔۔۔۔میں داخل رہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا سو یہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا کی نظر میں صادق ہے۔ خدا اس کی مدد کرے گا۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۱۔۳۲۲)

اور چند سال پیشتر جناب مرزا صاحب نے ایک ایسی ہی پیش گوئی کے متعلق فرمایا تھا۔

اگر تمہارے مرد اور عورتیں۔ تمہارے جوان اور بوڑھے تمہارے چھوٹے اور بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنے گا۔

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۶۔۱۷)

....

مقابلہ میں صورت بالکل صاف ہوگئی۔ کہ ڈاکٹر نے کہا جناب مرزا صاحب کی وفات ۴ اگست ۱۹۰۸ء سے پہلے ہوگی۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے لمبی عمر کی بشارت دی ہے نیز کہا ہے کہ۔

''میں ان سب کو جھوٹا کروں گا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خدا صادق کی مدد کرے گا۔۔۔۔''

لیکن ہوا کیا؟ یہی کہ صرف چند روز بعد جناب مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا اور ڈاکٹر برسوں بعد زندہ رہا۔

قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کا وہ وعدہ کیا ہوا۔

''اپنے دشمن سے کہہ دے خدا تجھ سے مواخذہ کرے گا اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا ۔۔۔۔۔ان سب کو جھوٹا کروں گا۔''

برا ماننے کی بات نہیں۔ مؤرخ اور محقق کی تنقید ہمیشہ بے لاگ ہوتی ہے وہ صرف حقائق سے نتائج اخذ کرتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے شخصی عقائد اور قاری کے تصورات کیا ہیں۔

....

مبارک ہیں وہ لوگ جو صرف حقیقت کے متلاشی اور حقیقت کے پرستار ہیں۔

احمدیوں میں میرے دوستوں کی ایک خاصی تعداد موجود ہے ایسے دوست جن سے میں محبت کرتا ہوں۔ میری یہ دلی تمنا ہے کہ ان میں اور مجھ میں کوئی ذہنی اختلاف بھی باقی نہ رہے اور اس کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ میرے پیش کردہ حقائق پر غور کرنے کے بعد صحیح نتائج اخذ کریں اگر میرے پیش کردہ حقائق حقائق نہیں ہیں تو میری لغزش کو واضح فرمائیں مجھے سچائی سے فطری محبت ہے جہاں ملے گی فوراً اپنالوں گا۔ خواہ اس راہ میں مجھے کتنی ہی دشواریاں پیش آئیں۔

انسان اسی وقت انسان ہے جب تک اس کا رشتہ حقیقت سے قائم ہے۔ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو انسانیت اہرمنیت میں بدل جاتی ہے۔ کون ہے جو حقیقت سے گریزاں اور باطل کا پرستار ہو۔ اگر کوئی ہے تو اسے کہہ دو کہ وہ دنیا میں تنہا ہے اور اس کا کوئی ہم خیال موجود نہیں۔

''قبول دُعا'' کے دو واقعات آپ نے پڑھ لیے۔ اب چلئے نئے موضوع کی طرف۔

فہمِ قرآن

قرآن حکیم تمام زمانوں اور تمام قوموں کے لیے جو قیامت تک پیدا ہوں گی۔ مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کے الفاظ میں لچک ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ تاکہ زمانے کا انسان خواہ وہ ماڈرن ہو یا الٹرا ماڈرن۔ اپنے ماحول کا عکس اس میں دیکھ سکے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے تصورات پر یونانی فلسفہ چھا گیا تھا۔ اس فلسفے نے خدا کو عضو معطل بنا کر عرش پر بٹھا دیا تھا۔ امام غزالی اور آپ کے ہمنوا علما نے قرآن سے وہ دلائل استنباط کیے کہ فلاطونی فلسفہ کی ظلمتیں جلوۂ الہام کی تاب نہ لا سکیں۔ اسی طرح ابن العربی کے نظریۂ وحدت الوجود اور دیگر بیسیوں فرقوں کے عجمی افکار کی شکست و ریخت کے لیے مفسرین میدان میں اترتے رہے اور غیر اسلامی تصورات کے استیصال میں کامیاب ہوتے رہے۔

قرآن نے ہر ملک اور ہر قوم کے سامنے ایک ایسا نظام زیست پیش کیا جو ان کے فرسودہ بوسیدہ نظاموں سے پائندہ و تابندہ تر تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی پہنچے ان کے جدید و

غریب افکار براہ راست دل و دماغ پر حملہ آور ہو گئے اور ان مضبوط قلعوں کو انہوں نے فوراً فتح کر لیا۔

کائنات میں حقائق ازل سے موجود ہیں۔ جب یہ حقائق اوہام واباطیل کے حجابات میں مستور ہو جاتے ہیں تو کوئی دستِ غیب ان پردوں کو ہٹا کر حقیقت کو پھر بے نقاب کر دیتا ہے اور اسی کا نام تجدید ہے حقیقت نہیں بدلتی۔ دو اور دو ہر زمانے میں چار رہے ہیں۔ پانی ہمیشہ ڈھلان کی طرف بہتا رہا اور نور ہمیشہ بلندیوں کی طرف مائل پرواز رہا۔ البتہ حقائق کی تفسیر سدا بدلتی رہی ایک ہی بات کو پیش کرنے کے مختلف اسالیب ہو سکتے ہیں کوئی ہمت شکن اور کوئی ہمت افزا۔ مثلاً شاعر نے کہا۔

"افسوس کہ پھول کے پہلو میں کانٹے ہیں"

کسی قدر ہمت شکن پیغام ہے۔ فلسفی نے اسی حقیقت کو یوں پیش کیا۔

"خوش ہو جا کہ کانٹوں کے پہلو میں پھول ہیں"

اور فضائے یاس میں امیدوں کے بیسیوں دیپ جل اٹھے۔ مولانا حالیؔ نے قوم کی حالت کا یوں نقشہ کھینچا تھا۔

فلاکت پس و پیش منڈلا رہی ہے

نحوست سماں اپنا دکھلا رہی ہے

لیکن رجائی اقبالؔ نے حالیؔ کا ساتھ نہ دیا اور رنگ بدل بدل کر فرمایا۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

بعض مفکرین عالم نے اعلان کیا کہ نسل انسانی مائل بہ زوال و روبہ فنا ہے۔ حکیم مشرقؔ نے فرمایا۔

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

آئے دن کی لڑائیوں سے اکتائے ہوئے مغربی فلسفیوں نے جمعیت الاقوام کا نظریہ پیش

کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں جمعیت آدم کا پورا نظام سامنے رکھ دیا۔ جب دور حاضر میں سرمایہ واشتراکیت کے پہاڑ آپس میں متصادم ہونے لگے تو قرآن حکیم نے آواز دی۔ لڑو مت آؤ میں تم کو راہِ مصالحت بتاؤں۔ شخصی ملکیت جائز۔ لیکن جمع مال ناجائز۔ حصول دولت جائز۔ لیکن ضروریات سے وافر (قل العفو) پاس رکھنا ناجائز۔

جب عہد حاضر کا انسان مطالعہ کائنات کی طرف متوجہ ہوا تو قرآن نے اسے تھپکی دی اور کہا۔ اس راہ پر بڑھے چل کہ وہ قوت وہیبت کے خزائن اور علم وعرفان کے دفائن یہیں ملیں گے۔

ماحصل یہ کہ اسلام میں ہمیشہ ایسے مفسر پیدا ہوتے رہے جن کی تفسیری جدتوں نے کاروانِ حیات کو سست خرام نہ ہونے دیا اور ایسے مفکر تا قیامت آتے رہیں گے۔ جو ہر نئی تصویر میں قرآن کا رنگ بھرتے رہیں گے۔ ان پیہم تجارت کے بعد نسل انسانی قیادت الہام کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جائے گی اور یہ زمانہ بہت دُور نہیں۔

آج تک حقیقت کی جس قدر تفاسیر پیش ہوئیں ان میں سب سے زیادہ خواب آور جمود انگیز اور حیات کش وہ ہے جس کا دوسرا نام تصوف یا رہبانیت ہے۔ قرآن زندگی کی تلخیوں سے الجھنے کی تعلیم دیتا ہے اور تصوف گریز کی۔ قرآن اپنے پیروؤں کو عقاب وضیغم بنانا چاہتا ہے اور تصوف حمام وگوسفند قرآن تسخیر کائنات وآقائی افلاک کا درس دیتا ہے اور تصوف تسلیم وانقیاد کا۔ اسلام سراپا عمل ہے اور تصوف سراپا جمود۔ وہ رفتار ہے اور یہ گفتار۔ یہ ثابت ہے اور وہ سیار۔ وہ شمشیر حیدر ہے اور یہ گلیم بوذر۔ وہ برق جہاں تاب ہے اور یہ آتش تہ آب۔ اسلام حرکت وعمل کا دوسرا نام ہے اس نے رہبانیت کی طرف دستِ مصالحت آج تک نہیں بڑھایا اور حامل قرآن ہمیشہ اپنے خالد وطارق اور حیدر وفاروق پہ نازاں رہا۔ یہ صاحبان شمشیر ایک لحاظ سے فقیر بھی تھے کہ شان سکندری وسطوت قیصری کی پروا تک نہیں کرتے تھے وہ اللہ کے سپاہی تھے اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز تھے اور صرف اللہ کی مشیت کو سطح ارضی پہ نافذ دیکھنا چاہتے تھے ان کے فقر میں تجلیات نور کے ساتھ ساتھ جلال کلیمی بھی تھا وہ جلال جو جمال سے خالی ہو وہ بیکار محض ہے اور اسی کا نام میرے ہاں تصوف ہے۔

مجھے جناب مرزا صاحب کی چالیس پچاس تصانیف پڑھنے کا اتفاق ہوا چالیس حرفاً حرفاً اور آٹھ دس جزواً جزواً۔ ان تمام کا موضوع تقریباً ایک ہی تھا۔ یعنی:۔

۱۔ اثباتِ نبوت پہ دلائل

(ا)۔ دلیلِ افترا　　　ب۔ دلیلِ مماثلتِ تامہ

ج۔ دلیل "اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ"

د۔ دلیل "خاتم النبیین"　　　۲۔ وفات مسیح پہ دلائل

۳۔ اپنے نشانات کا ذکر　　　۴۔ الہام آتھم و بشارت نکاح کی تاویل

۵۔ الہامات کا اعادہ　　　۶۔ بعض نشانات کے متعلق کچھ شہادتیں

۷۔ انگریز کی اطاعت　　　۸۔ حرمتِ جہاد

جناب مرزا صاحب کی بہتر تصانیف میں ان تین چار آیات نبوت کے بغیر قرآن کا کوئی نظریہ یا کوئی اور آیت زیر بحث نہیں آئی۔ جس سے ہم اندازہ لگا سکتے کہ آپ کا علم قرآن کے متعلق کیا اور کتنا ہے۔ ہاں ضمناً دو چار آیات ضرور آئیں۔ لیکن وہ کسی فیصلہ تک پہنچانے کے لیے ناکافی تھیں اس سلسلہ میں آپ کی جو تصنیف بڑے شدومد سے پیش کی جاتی ہے وہ براہین احمدیہ ہے یہ کتاب اندازاً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں تین چوتھائی حواشی اور ایک چوتھائی متن ہے حواشی میں متفرق مضامین ہیں۔ مثلاً ضرورت الہام مجدد کی ضرورت وغیرہ۔ پھر اپنے الہامات اور متن میں دیگر مذاہب پہ تنقید۔ ترتیب کتاب یہ ہے۔

۱۔ چندہ وغیرہ کی اپیل ــــــــــــــــــ ۱۶ صفحات

۲۔ شرط کہ ایسی کتاب لکھو ــــــــــــــــ ۳۶ "

۳۔ آپ کے حالاتِ زندگی ــــــــــــــ ۵۲ "

۴۔ چندے کی اپیل ــــــــــــــــــــ ۶ "

۵۔ براہین کی تعریف ــــــــــــــــــ ۵۲ "

۶۔ انگریز کی تعریف ــــــــــــــــــ ۲ "

اس کے بعد علمی حصہ آتا ہے۔ جس کی زبان اس قدر الجھی ہوئی ہے کہ بار بار پڑھنے پہ بھی کچھ پلے نہیں پڑتا۔ تصوف و منطق کی اصطلاحات کا استعمال کچھ اس طریق سے ہوا ہے کہ ان اصطلاحات کا عالم بھی گھبرا جائے۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

''اور یہ اصولِ عام جو ہر ایک صادر من اللہ سے متعلق ہے دو طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اول قیاس سے کیونکہ از روئے قیاس صحیح و مستحکم کے خدا کا اپنی ذات اور صفات اور افعال میں واحد لاشریک ہونا ضروری ہے اور اس کی کسی صفت یا قول یا فعل میں شراکت مخلوق کی جائز نہیں۔''

(براہین صفحہ ۱۴۷)

''اور ذات اس کی ان تمام نالائق امور سے منزہ ہے جو شریک الباری پیدا ہونے کی طرف منجر ہوں۔ دوسرے ثبوت اس دعوٰی کا استقرا تام سے ہوتا ہے۔ جو صادر من اللہ میں نظر تدبر کرکے بہ پایہ ثبوت پہنچ گیا ہے۔'' (صفحہ ۴۹۔۵۰)

عیسائیوں کا قول کہ صرف مسیح کو خدا ماننے سے انسان کی فطرت منقلب ہو جاتی ہے اور گو کیسا ہی کوئی من حیث الخلقت قویٰ سبعیہ یا قوائے شہویہ کا مغلوب ہو یا قوت عقلیہ میں ضعیف ہو وہ فقط حضرت موسیٰ کو خدا تعالیٰ کا اکلوتا بیٹا کہنے سے اپنی جبلی حالت چھوڑ جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۷۱)

اسی کتاب میں سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی درج ہے جس پر متصوفانہ رنگ چڑھا ہوا ہے اور تصوف کے متعلق میں اپنے رائے پیش کر چکا ہوں۔

ہر فرد کا زاویہ نگاہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہوں گے جنہیں یہ تفسیر پسند آئی ہو گی لیکن میرے لیے یہ جاذب توجہ نہ بن سکی۔ اس لیے کہ میں اسلام کو حرکت و عمل۔ قوت و ہیبت۔ جمال و جلال۔ تسخیر کائنات و آقای ارض و افلاک کا مترادف سمجھتا ہوں اور جس تفسیر کے آئینہ میں مجھے اسلام کا یہ چہرہ نظر نہ آئے وہ میرے لیے کوئی دلکشی نہیں رکھتی۔ بہر حال یہ میرا ذاتی نظریہ ہے اور اس سے اختلاف کی بڑی گنجائش موجود ہے اگر حقیقتاً جناب مرزا صاحب کی تفسیر میں کچھ رموز و معارف موجود ہیں تو احمدی اہل قلم کا فرض ہے کہ وہ ان معارف کو سلیس و برجستہ زبان میں پیش کریں۔ تاکہ مجھ جیسے کم علم بھی فائدہ اٹھا سکیں۔

سورۂ فاتحہ کے علاوہ جناب مرزا صاحب نے چند اور آیات کی تفسیر بھی فرمائی ہے جن میں

سے آیہ خاتم النبیین۔آیہ کما ارسلنا الی فرعون رسولا ط ولو تقول۔پہ بحث ہو چکی ہے اور باقی ماندہ میں سے چند یہ ہیں۔

اول۔قرآن میں بار بار ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کسی ایک جہت میں مقید نہیں بلکہ۔

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط (البقرہ:۱۱۵)

(تم جدھر بھی منہ پھیرو گے اللہ کو سامنے پاؤ گے)

لیکن جناب مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

''جدھر تیرا منہ خدا کا اسی طرف منہ ہے۔'' (تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۶۹)

دونوں ترجموں میں بڑا فرق ہے پہلے کا مفہوم یہ کہ اللہ ہر طرف موجود ہے اور دوسرے کا یہ کہ خدا تیرے منہ کی طرف دیکھتا رہتا ہے تو جدھر منہ پھیرے خدا بھی اسی طرف پھیر لیتا ہے اس ترجمہ سے خدائی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔نیز آیت کے الفاظ بھی اس تفسیر کے متحمل نہیں ہو سکتے۔اس لیے کہ (تولوا) صیغہ جمع ہے معنی 'جدھر تم سب منہ پھیرو۔'' اور مرزا صاحب اسے واحد بنا کر معنی کرتے ہیں۔''جدھر تیرا منہ'' یہ ''تیرا'' کہاں سے آ گیا۔

دوم۔قرآن حکیم میں حضور علیہ السلام کے کئی غزوات کا ذکر موجود ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج (آل عمران:۱۲۳)

(اللہ نے تمہیں بدر میں فتح دی۔حالانکہ تم کمزور تھے)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ لا وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ لا اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْئًا..... (التوبہ:۲۵)

(اللہ نے کئی میدانوں میں تمہاری مدد کی۔خصوصاً جنگ حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پہ مغرور ہو گئے تھے۔وہاں دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شکست سے نہ بچا سکی۔۔۔۔۔)

جنگ احزاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ

وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (الاحزاب:۱۰)

(یاد کرو وہ دن جب کفار ہر بلندی و پستی سے تم پر ٹوٹ پڑے تھے جب تمہاری آنکھیں فرطِ خون سے پتھرا گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے۔)

اسی طرح باقی جنگوں کی تفصیل بھی قرآن میں درج ہے لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ جب جناب مرزا صاحب کا یہ قول پڑھتے ہیں۔

''آنحضرت ﷺ کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا اور پھر وہ تمام لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام و نشان نہیں۔''

(شہادۃ القرآن صفحہ ۴)

قرآن حکیم میں زلزلۂ آخرت کا منظر کئی مقامات پہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مقام یہ ہے۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝ (المرسلات:۷۔۱۳)

(جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ آ کر رہے گی اس روز ستارے بے نور ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا پہاڑ اڑ جائیں گے اور رسول وقتِ معین پر جمع کیے جائیں گے۔ انبیاء کا معاملہ کس روز کے لیے ملتوی ہوتا رہا۔ اسی روز کے لیے جو یوم الفصل یعنی فیصلے کا دن ہے۔)

یہ آیات قیامت کے ذکر سے شروع ہو کر قیامت ہی پہ ختم ہوتی ہے درمیان میں علامات قیامت کا ذکر ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس روز انبیاء ایک خاص وقت پہ میدانِ محشر میں ہوں گے اور ان کے مقدمات پہ غور ہوگا۔

لیکن جناب مرزا صاحب وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ط کا ترجمہ یہ فرماتے ہیں۔

''اور جب رسول وقت مقرر پہ لائے جائیں گے اور یہ اشارہ دراصل مسیح موعود کے آنے کی طرف ہے۔(شہادۃ القرآن صفحہ۲۴)

مسیح موعود کی طرف اشارہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ الرسل جمع ہے اور مسیح موعود کا دعوٰی ہے کہ امت محمدیہ میں صرف ایک رسول پیدا ہوا۔یعنی مسیح موعود اور وہ خاتم الخلفا بھی ہے جب اس امت میں کسی اور رسول کی بعثت مقدر ہی نہیں تو پھر الرسل (بہت سے انبیاء) سے ایک مسیح موعود کیسے مراد لیا جاسکتا ہے۔قواعد زبان اس تفسیر کی اجازت نہیں دیتے۔

سوم۔علامات قیامت میں سے ایک علامت نفخ فی الصور ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ط ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ

(الزمر:٦٨)

(جب وہ کرنا پھونکی جائے گی تو ساکنانِ ارض وسما کی چیخیں نکل جائیں گے۔اور جب دوسری مرتبہ پھونکی جائے گی تو لوگ قبروں سے نکل کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔)

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ ''کرنا'' سے مراد مسیح موعود ہے(شہادۃ القرآن صفحہ ۲۵) بہت اچھا مسیح موعود سہی۔لیکن پہلی پھونک پر اہل زمین وآسمان کے چیخ اٹھنے اور دوسرے پر مردوں کے جی اٹھنے سے کیا مراد ہے؟اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

آخری دنوں میں دو زمانے آئیں گے ایک ضلالت کا زمانہ اور اس میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنی شقی اور سعید پر غفلت سی طاری ہو جائے گی

(لیکن قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ پہلی پھونک پر اہل زمین وآسمان کی چیخیں نکل جائیں گی اور آپ فرماتے ہیں کہ غفلت سی طاری ہوگی۔یہ غفلت اور چیخ کا آپس میں کیا تعلق غفلت میں تو نیند آتی ہے نہ کہ چیخیں نکلتی ہیں۔)

(برقؔ)

اور پھر دوسرا زمانہ ہدایت کا آئے گا۔ پس نا گاہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔

(شہادت القرآن صفحہ ۲۶)

ملاحظہ فرمالیا آپ نے جناب مرزا صاحب کا انداز تفسیر۔

چہارم۔ ازالہٗ اوہام جلد اول صفحہ ۱۶ پر قرآن کی آیہ ذیل نقل کرنے کے بعد ایک عجیب ترجمہ کرتے ہیں۔

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ عُتُلٍّ ۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ

(القلم:۱۲۔۱۳)

(نیکی کی راہوں سے روکنے والا زنا کار اور بایں ہمہ نہایت درجہ کا بد خلق اوران سب عیبوں کے بعد ولد الزنا بھی ہے۔)

آپ نے اثیم کے معنی زنا کار اور زنیم کے معنی ولد الزنا کیے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کا مصنف یعنی اللہ اس طرح کی ''شستہ زبان'' استعمال کیا کرتا تھا اور کیا کوئی مہذب انسان اس انداز گفتگو کو برداشت کرسکتا ہے؟ آیئے دیکھیں کہ اہل زبان نے ان الفاظ کے کیا معنی بتائے ہیں۔

اثیم۔ کا ماخذ ہے۔ اثم۔ بمعنی گنہ گار (قاموس ومنجد)

قرآن میں اثم کا لفظ بیسیوں جگہ استعمال ہوا ہے، کہیں بھی زنا کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ مثلاً ان بعض الظن اثم ط یہ قرآن کی آیت ہے کیا آپ اس کی تفسیر یہ کریں گے کہ بعض ظن زنا ہیں؟ حضور علیہ السلام کا خط شاہِ ایران کے نام پڑھیے۔ اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

(اگر تم اسلام نہ لائے تو مجوس کا گناہ تیری گردن پر رہے گا۔)

کیا یہاں بھی گناہ سے مراد زنا ہے؟ اثیم کے معنی ہیں گنہگار و بس گناہ سینکڑوں ہو سکتے ہیں۔ ان تمام کو چھوڑ کر زنا مراد لینا کسی طرح بھی روا نہیں اسی طرح زنیم کا ترجمہ ولد الزنا بھی درست نہیں۔ المنجد میں درج ہے۔

الزّنیم :اللَّئِيمُ (بخیل . بد بخت) الدَّعِیُّ (مُتَبنّٰی)

اَللَّاحِقُ بِقَوْمٍ لَيْسَ مِنْهُمْ وَلَا هُم يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ ط

(قوم میں کسی ایسے آدمی کی شمولیت جو اس قدم میں سے نہ ہوا اور نہ قوم کو اس کی ضرورت ہو۔)

منتہی الارب میں مذکور ہے۔

زنیم۔ کامیر۔ مردے از قومے چسپیدہ کہ نہ از ایشاں بود دلسپر خواندہ (متبنّی) و ناکس وسخت فرمایہ بدخو کہ درنا کسی معروف باشد۔

پس یہ ہیں زنیم واثیم کے معانی لغات عرب میں۔ نہ جانے یہ زنا کار وولد الزنا کے مفاہیم آپ نے کہاں سے لیے۔

پنجم۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر پیروان رسول کو خیر الامم کہا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:۱۱۰)

((تم ایک بہترین قوم ہو۔ جو دنیا کی اصلاح کے لیے اٹھی)

اُخْرِجَتْ: نکالی گئی۔ پیدا کی گئی۔

لِلنَّاسِ۔ل۔ لیے۔ ناس۔ انسانوں۔

یعنی انسانوں کے لیے

مطلب یہ کہ تمہارا مقصد نوع انسان کی اصلاح وفلاح ہے بات سیدھی سی تھی۔ لیکن جناب مرزا صاحب نے اس کی وہ تفسیر پیش کی کہ یہ آیہ معما بن کر رہ گئی۔ فرماتے ہیں۔

''الناس کے لفظ سے دجال ہی مراد ہے۔'' (ازالہ ج اول صفحہ ۳۴)

یعنی اے مسلمانو! تم دجال کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ کیا مطلب؟ کہ مسلمانوں نے صرف دجال کی اصلاح کرنا ہے؟ یا یہ مطلب ہے کہ ہم سب دجال کے لیے پیدا ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہے ہمیں استعمال کرے۔ آخر للناس کا لام برائے انتفاع ہے پھر الناس جمع ہے اور دجال مفرد۔ جمع سے مفرد کیسے مراد ہوا۔

ششم۔ خطبہ الہامیہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ

صِراطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے مراد وہ ابدال واولیا ہیں جو مسیح موعود پر ایمان لائے اور مغضوب وضالین سے مراد میرے منکر ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ لوگ نماز پڑھنے کے باوجود مجھ پر ایمان نہیں لاتے اور مجھ سے بیعت نہیں کرتے۔ (ملخص خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۲۴۔۱۲۷)

یہ تفسیر محتاج تبصرہ نہیں۔

ہفتم۔ قرآن میں حضرت آدم کو مخاطب کر کے کہا گیا۔

یٰآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ ط (البقرہ: ۳۵)

(اے آدم تو اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں مقیم ہو جا۔)

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہی آیت دو پیرایوں میں مجھ پر دوبارہ نازل ہوئی۔ ایک کے الفاظ یہی تھے اور دوسرے میں آدم کی جگہ لفظ مریم تھا۔ بہر حال آدم ہو یا مریم معنوں کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا جناب مرزا صاحب اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں۔

اول۔ اے آدم تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت میں یعنی نجات حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ۔ (براہین حاشیہ در حاشیہ۔۳ صفحہ ۴۹۶)

دوم۔ ''اے آدم تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت میں داخل ہو۔''

(اربعین نمبر ا صفحہ ۱۶)

پہلی تفسیر میں صرف دوست جنت میں گیا تھا۔ اس میں بیوی بھی شامل ہوگئی۔ اور آیت وہی ہے۔

سوم۔ ''اے مریم (آدم کی جگہ مریم) تو مع اپنے دوستوں کے بہشت میں داخل ہو۔''

(کشتی نوح صفحہ ۴۵)

بیوی پھر رہ گئی۔

چہارم۔ ''اے مریم! تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت میں داخل ہو۔''

(اربعین نمبر ا صفحہ ۱۶)

بیوی پھر آگئی۔ لیکن یہ عجیب قسم کی مریم ہے۔ جس کی بیوی بھی ہے۔

پنجم۔ ''میں توام (جوڑا) پیدا ہوا تھا۔ میرے ساتھ ایک لڑکی تھی جس کا نام جنت تھا اور یہ

الہام کہ یاٰدم اسکن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جو آج سے بیس برس پہلے براہین کے صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے اس میں جو جنت کا لفظ ہے اس میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ وہ لڑکی جو میرے ساتھ پیدا ہوئی اس کا نام جنت تھا۔" (تریاق القلوب صفحہ ۱۵۶)

ششم۔ یاٰدم اسکن انت وزوجک الجنۃ۔یا مریم اسکن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یا احمد اسکن ۔۔۔۔۔

اس جگہ تین جگہ زوج کا لفظ آیا ہے اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے ہیں۔

"پہلا نام آدم۔ یہ وہ ابتدائی نام ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو روحانی وجود بخشا اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ کے وقت میں مریم نام رکھا۔ کیونکہ اس وقت مبارک اولاد دی گئی جس کو مسیح سے مشابہت ملی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۴)

لیکن تیسری زوجہ کا انتظار آخر تک انتظار ہی رہا تو ملاحظہ فرمالیا آپ نے کہ جناب مرزا صاحب کے ہاں قرآنی معارف کا ذخیرہ کس قسم کا تھا۔

نشانات

نشانات سے مراد جناب مرزا صاحب کی پیشگوئیاں۔ قبول شدہ دعائیں اور آپ کی بعثت کے متعلق دوسروں کے کشف وغیرہ ہیں آپ کو خدائی تائید کے متعلق اس قدر یقین تھا کہ بارہا مخالفین سے کہا۔

> اے میرے مخالف الرائے مولویو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ مل جل کر یا ایک آپ میں سے ان آسمانی نشانوں میں میرا مقابلہ کرے گا۔ جو اولیاء الرحمٰن کے لازم حال ہوا کرتے ہیں۔ تو خدا تمہیں شرمندہ کرے گا اور تمہارے پردوں کو پھاڑے گا اور اس وقت تم دیکھو گے کہ وہ میرے ساتھ ہے ۔۔۔۔۔۔۔ یاد رکھو کہ خدا صادقوں کا

مددگار ہے۔ (ازالہ ج۔اول۔طبع دوم صفحہ آغاز ازالہ)

''کیا یہ ہیبت اور رعب باطل میں ہوا کرتا ہے کہ تمام دنیا کو مقابلہ کے لیے کہا جائے اور کوئی سامنے نہ آسکے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔انہیں میرے مقابلہ پہ روحانی امور کے موازنہ کے لیے کھڑا کریں۔ پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ میری حمایت کرتا ہے یا نہیں۔'' (حاشیہ ازالہ جلد اول صفحہ ۴۹)

ان نشانات پہ بحث کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا مناسب ہے کہ ان کی تعداد کیا تھی۔

نشانوں کی تعداد

۱۔ ۱۸۹۱ء میں فرماتے ہیں۔

ایسا ہی صدہا نشان ہیں۔ جن کے گواہ موجود ہیں کیا ان دیانتدار مولویوں نے کبھی ان نشانوں کا بھی نام لیا۔ (آسمانی فیصلہ صفحہ ۳۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۱ء میں نشانوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچی تھی۔ ممکن ہے چار سو سات ہو یا نو سو ہو۔ بہرحال ہزار سے کم تھی۔

۲۔ ۱۸۹۳ء میں ارشاد ہوا۔

پھر ماسوا اس کے آج کی تاریخ تک جو ۱۱۔ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء روز جمعہ ہے۔ اس عاجز سے تین ہزار سے کچھ زیادہ ایسے نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔ (شہادت القرآن صفحہ ۷۴)

۳۔ ۱۸۹۹ء تک نشانات کی تعداد یہی رہی۔

''ہزارہا دعائیں قبول ہو چکی ہیں اور تین ہزار سے زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔'' (تریاق القلوب تصنیف ۱۸۹۹ء، نمبر ۱۱)

۴۔ ۱۹۰۰ء میں یہ تعداد گھٹ کر سو کے لگ بھگ رہ گئی اور وہ نشان جو خدا نے میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائے وہ سو بھی زیادہ ہیں۔

(اربعین نمبر ۴ حاشیہ صفحہ ۳۰)

۵۔ ۱۹۰۱ء میں بھی تعداد یہی رہی۔

آج تک میرے ہاتھ پر سو سے زیادہ خدا تعالیٰ کا نشان ظاہر ہوا۔

(تحفہ گولڑویہ تصنیف ۱۹۰۱ء صفحہ ۸۹)

ذرا وہ ۱۸۹۳ء کی تحریر دوبارہ پڑھ لیجئے۔

آج کی تاریخ تک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تین ہزار سے کچھ زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

یعنی آٹھ برس پہلے تین ہزار اور اب صرف سو۔

۶۔ اور صرف ایک سال بعد یعنی ۱۹۰۲ء میں۔

''وہ غیب کی باتیں جو خدا نے مجھے بتلائی ہیں اور پھر اپنے وقت پر پوری ہوئیں وہ دس ہزار سے کم نہیں۔'' (کشتی نوح تصنیف ۱۹۰۲ء صفحہ ۶)

سال میں دس ہزار مہینے میں آٹھ سو تینتیس ہفتے میں دو سو اسّی اور ایک دن میں چالیس معجزات سرزد ہوئے۔

۷۔ ۱۹۰۵ء میں بھی تعداد ہزار ہا تھی۔

''اب تک میرے ہاتھ پر ہزار نشان تصدیق رسول اللہ اور کتاب اللہ کے بارے میں ظاہر ہو چکے ہیں۔''

(چشمہ مسیحی تصنیف مارچ ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۳)

۸۔ صرف ایک سال بعد۔

''اگر خدا تعالیٰ کے نشانوں کو جو میری تائید میں ظہور میں آچکے ہیں۔ آج کے دن تک شمار کیا جائے تو وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے۔''

(حقیقۃ الوحی[1] صفحہ ۴۶)

---

[1] حقیقۃ الوحی کافی ضخیم کتاب ہے جسے جناب مرزا صاحب نے مارچ ۱۹۰۶ء میں لکھنا شروع کیا تھا اور ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو ختم فرمایا یہ اقتباس آغاز کتاب کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۰۶ء کے مارچ تک آپ سے تین لاکھ سے زیادہ نشانات ظاہر ہو چکے تھے۔ (برق)

حساب یوں ہوا۔ سال میں تین لاکھ۔ مہینے میں پچیس ہزار اور دن میں آٹھ سو تینتیس۔ اگر خواب کے لیے آٹھ گھنٹے عبادت کے لیے چار گھنٹے۔ خورد ونوش کے لیے تین گھنٹے ملاقاتوں کے لیے دو گھنٹے۔ تصنیف وتالیف وعظ وپند اور دیگر حوائج ضروریہ کے لیے چار گھنٹے نکال لیے جائیں تو باقی ہر روز صرف تین گھنٹے (شب و روز میں سے) بچتے ہیں۔ چلو چھ سہی۔ اگر آٹھ سو تینتیس نشانات کو چھ گھنٹوں میں پھیلایا جائے تو ایک گھنٹے میں ان کی تعداد ایک سو انتالیس اور ایک منٹ میں اندازاً اڑھائی بنتی ہے۔

ایک منٹ میں اڑھائی معجزے!! کیا یہ نشانات اسی رفتار سے سرزد ہوتے تھے؟ خود فرماتے ہیں۔

''اور کوئی مہینہ شاذ ونادر ایسا گزرتا ہوگا۔ جس میں کوئی نشان ظاہر نہ ہو۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۱)

۹۔ صرف چند روز بعد یہی تعداد گھٹ کر سینکڑوں تک رہ جاتی ہے۔ ''جو شخص مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے وہ مومن کیونکر ہوسکتا ہے۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳)

۱۰۔ اور دسمبر ۱۹۰۷ء میں پھر ایک لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

''خدا مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور ایک لاکھ سے بھی زیادہ اس نے میرے ہاتھ پر نشان دکھلائے ہیں۔'' مضمون محررہ ۳ دسمبر ۱۹۰۷ء

(مندرجہ چشمہ معرفت صفحہ ۳۶)

۱۱۔ جناب مرزا صاحب کی آخری تحریر ''پیغام صلح'' ہے جو آپ نے رحلت سے صرف دو روز پہلے مکمل فرمائی تھی۔ اس میں فرماتے ہیں۔ ''میرے ہاتھ پر اس نے صدہا نشان دکھائے ہیں جو ہزارہا گواہوں کے مشاہدہ میں آچکے ہیں۔'' (پیغام صلح تصنیف ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

ان اقتباسات کا ملخص یہ ہوا کہ آپ کے نشانات

۱۔	۱۸۹۱ء	میں	صدہا
۲۔	۱۸۹۳ء	"	تین ہزار سے کچھ زیادہ
۳۔	۱۸۹۹ء	"	ایضاً
۴۔	۱۹۰۰ء	"	ایک سو سے زیادہ
۵۔	۱۹۰۱ء	"	ایضاً
۶۔	۱۹۰۲ء	"	دس ہزار
۷۔	۱۹۰۵ء	"	ہزارہا
۸۔	۱۹۰۶ء	"	تین لاکھ
۹۔	اسی سال	"	صدہا
۱۰	۱۹۰۷ء	"	ایک لاکھ
۱۱۔	۱۹۰۸ء	"	صدہا تھے

نشانات ایک سو ہوں۔ دس ہزار ہوں یا تین لاکھ۔ ان تمام کو آج پچاس برس کے بعد پرکھنا مشکل ہے۔ اس لیے ہم سطور ذیل میں صرف دس نشانات پہ بحث کریں گے۔

۱۔ محمدی بیگم

احمد بیگ ہوشیار پوری جناب مرزا صاحب کے اقربا میں سے تھے وہ ایک مرتبہ مرزا صاحب کے ہاں گئے۔ کیوں؟

تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ (احمد بیگ) کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین کو بیاہی گئی تھی غلام حسین عرصہ پچیس سال سے

-------مفقود الخبر ہے اس کی زمین جس کا حق ہمیں پہنچتا ہے۔
نامبردہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کر دی گئی تھی اب
حال کے بندوبست میں ----نامبردہ ----------نے اپنی ہمشیرہ
کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین ---------اپنے بیٹے محمد بیگ
کے نام بطور ہبہ منتقل کرا دیں ------چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضا
مندی کے بیکار تھا۔ اس لیے مکتوب الیہ (احمد بیگ) نے بہ تمام تر عجز و
انکساری ہماری طرف رجوع کیا۔ کہ ہم اس ہبہ پر --------دستخط
کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے لیکن یہ خیال آیا کہ ایک مدت سے
--------ہماری عادت ہے جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیے
--------پھر استخارہ کیا ------اس خدائے قادر و حکیم
مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کے
لیے سلسلہ جنبانی کر۔ اور ان کو کہہ دے کہ ---------یہ نکاح
تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا-------
لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور
جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال
تک اور اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا۔ اور
اس کے گھر پر تفرقہ اور تنگی پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے
لیے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔
پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لیے بار بار توجہ کی گئی تو
معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو
جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی۔ ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد انجام
کار اسی عاجز کے نکاح میں لا دے گا---------

(اشتہار از طرف خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)

اس پیش گوئی کے اجزا یہ ہیں۔

اول۔ نکاح نہ ہوا تو لڑکی کا انجام برا ہوگا۔ اور درمیانی زمانے میں اس پر مصائب نازل ہوں گی۔

دوم۔ جس سے بیاہی جائے گی وہ شخص نکاح کے بعد اڑھائی سال تک فوت ہو جائے گا۔

سوم۔ احمد بیگ تین سال تک مر جائے گا۔

چہارم۔ ان کے گھر میں تنگی و تفرقہ پڑے گا۔

پنجم۔ اور انجام کار وہ لڑکی جناب مرزا صاحب کے نکاح میں آئے گی۔

یہ پیشگوئی الہامی تھی۔ یہ اللہ کا فرض تھا کہ وہ اس نکاح کا انتظام کرتا اور مسیح موعود خاموش بیٹھے رہتے۔ لیکن خدائی وعدہ کے باوجود جناب مرزا صاحب نے بھی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ مثلاً:۔

۱۔ احمد بیگ کو لکھا۔

> اے عزیز سنیے! آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ میری سنجیدہ بات کو لغو سمجھتے ہیں۔ میں یہ عہد استوار کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ اگر آپ نے -------- میری بات کو مان لیا تو میں اپنی زمین اور باغ میں آپ کو حصہ دوں گا -------- اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی لڑکی کو اپنی زبان اور مملوکات کا ایک تہائی دوں گا۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں سے جو کچھ مانگیں گے آپ کو دوں گا -------- آپ مجھے مصیبتوں میں اپنا دستگیر اور بار اٹھانے والا پائیں گے۔
>
> (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۳)

....

۲۔ دوبارہ لکھا۔

ہزاروں پادری شرارت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشگوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو.........عاجز.............آپ سے ملتمس ہے

کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے معاون بنیں۔تاکہ خداتعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔

(منقول از کلمۂ فضل ربانی مولفۂ قاضی فضل احمد)

۳۔ پھر دھمکی دی۔

(پہلی بیگم سے جناب مرزا صاحب کے دو بیٹے تھے۔فضل احمد اور سلطان احمد۔فضل احمد کی شادی مرزا علی شیر بیگ کے ہاں ہوئی تھی احمد بیگ مرزا علی شیر کا سالا تھا۔آپ نے ایک خط مرزا علی شیر کی زوجہ کو اور دوسرا خود علی شیر کو لکھا۔مضمون یہ)

مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم

میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی (محمدی) کا نکاح ہونے والا ہے۔اور آپ کے گھر کے لوگ (بیوی) اس مشورے میں ساتھ ہیں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس مشورہ کے شریک میرے سخت دشمن ہیں ......عیسائیوں کو ہنسانا ....

ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں ان لوگوں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ اس کو خوار و ذلیل کیا جاوے اور روسیاہ کیا جاوے.........میں نے ان کی (آپ کی بیگم) خدمت میں لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادے سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی (احمد بیگ) کو اس نکاح سے روک نہ دیں۔تو پھر.........ایک طرف جب محمدی کا کسی شخص سے نکاح ہوگا تو دوسری طرف سے فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو میں اس کو عاق اور لاوارث کردوں گا۔

(مکتوب مرزا صاحب محررہ ۲۵ مئی ۱۸۹۱ء)

سوچنے کا مقام ہے کہ نکاح کی بشارت اللہ نے دی۔ تشہیر مسیح موعود نے۔ اڑ بیٹھے لڑکی کے والدین اور پٹ گیا غریب فضل احمد جسے بیوی کو چھوڑنے اور محروم الارث ہونے کا نوٹس مل گیا کوئی پوچھے کہ ان کا کیا قصور؟ اگر قصور تھا تو صرف خدا تعالیٰ کا۔ جس نے اپنی بجلیوں وباؤں اور تازیانوں سے کام نہ لیا بات کہہ ڈالی اور اسے منوانے کا کوئی انتظام نہ کیا۔

دوسرے بیٹے سلطان احمد (نائب تحصیلدار لاہور) کے متعلق ایک اشتہار نکالا جس میں درج تھا۔

''میرا بیٹا سلطان احمد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اس کی تائی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس تجویز میں ہیں کہ عید کے دن یا اس کے بعد اس لڑکی کا کسی سے نکاح کیا جائے ۔۔۔۔ لہٰذا میں آج کی تاریخ سے کہ ۲ مئی ۱۸۹۱ء ہے عوام اور خواص پر بذریعہ اشتہار ہذا ظاہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے باز نہ آئے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تو اسی نکاح کے دن سے سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہوگا۔ اور اسی روز سے اس کی والدہ پر میری طرف سے طلاق ہے۔'' (اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۹)

کتنے گھر برباد ہوئے۔

۱۔ فضل احمد کا گھر

۲۔ دونوں بھائی محروم الارث اور عاق

۳۔ دونوں کی والدہ کو طلاق

اصل پیش گوئی کی عبارت پھر پڑھیے۔ ''ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی پڑے گی۔'' اور دیکھئے کہ تفرقہ کی مصیبت کہاں جا ٹوٹی۔

....

پھر کیا ہوا۔ یہی کہ عید کے معا بعد (مئی ۱۸۹۱ء) محمدی بیگم کا نکاح سلطان احمد سے ہو گیا۔ نکاح کے بعد بھی جناب مرزا صاحب کو اپنی وحی پہ ایمان کامل رہا۔

۱۸۹۳ء میں اس پیشگوئی کی عظمت پہ بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ ۔۔۔۔۔۔ پیشگوئی ۔۔۔۔۔۔ بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزا یہ ہیں۔

۱۔ کہ مرزا احمد بیگ تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔

۲۔ پھر داماد اس کا ۔۔۔۔۔۔۔ اڑھائی سال کے اندر فوت ہو۔

۳۔ پھر یہ کہ احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو۔

۴۔ اور پھر یہ کہ وہ دختر تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو۔

۵۔ اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو۔

۶۔ اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔ (شہادۃ القرآن صفحہ ۸۱)

۱۸۹۴ء میں ارشاد ہوا۔

اے خدائے قادر علیم اگر آتھم کا عذاب مہلک میں گرفتار ہونا اور احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں آنا ۔۔۔۔۔۔۔ یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔ (اشتہار مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۸۶)

۱۸۹۶ء میں کہا۔

اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آ جانا یہ تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے الہام الٰہی میں یہ کلمہ موجود ہے کہ لا تبدیل لکمات اللہ۔ (اللہ کی بات بدل نہیں سکتی) یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔

(اعلان ۶ ستمبر ۱۸۹۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۱۵)

۱۹۰۱ء میں فرمایا۔

اور ایک حصہ پیشگوئی کا یعنی احمد بیگ کا میعاد کے اندر فوت ہو جانا حسب منشائے پیشگوئی صفائی سے پورا ہو گیا اور دوسرے کی انتظار ہے۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶۴)

....

۱۹۰۲ء میں اعلان کیا۔

''یادرکھو کہ اس (محمدی بیگم والی) کی دوسری جز پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ (پیشگوئی) انسان کا افترا نہیں یہ کسی
سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتیں۔

اور ایک صفحہ پہلے اسی پیشگوئی کے متعلق لکھا۔

جس وقت یہ باتیں پوری ہو جائیں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسی دن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نہایت صفائی سے (مخالفین کی) ناک کٹ جائے گی اور ذات کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں اور سوّروں کی طرح کر دیں گے۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۳)

مئی ۱۸۹۱ء میں نکاح ہوا۔ حسب پیشگوئی سلطان احمد (شوہر محمدی بیگم) کو دسمبر ۱۸۹۳ء سے پہلے فوت ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ اس کے بعد بھی تقریباً چالیس برس تک زندہ رہا۔ اس کے متعلق ۱۹۰۲ء میں فرماتے ہیں شاتانِ تذبحان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ پہلی بکری سے مراد احمد بیگ ہے اور دوسری سے مراد اس کا داماد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر (اللہ نے) فرمایا کہ ۔۔۔۔۔۔ غم مت کر۔ کیونکہ ایسا ہی ظہور میں آئے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا دنیا میں کوئی اور شخص موجود ہے جس کی تحریروں میں یہ عظیم الشان سلسلہ پیشگوئیوں کا پایا جائے یقیناً کوئی سخت بے حیا ہوگا جو اس فوق العادت سلسلے سے انکار کرے۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۵۔۵۷)

....

یہ سلسلہ امید جاری رہا اور ۱۹۰۵ء میں ارشاد ہوا۔

''وحی الٰہی میں یہ نہیں تھا کہ دوسری جگہ بیاہی نہیں جائے گی یہ تھا کہ ضرور ہے کہ اول دوسری جگہ بیاہی جائے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خدا پھر اس کو تیری طرف لائے گا۔''

(الحکم ۔ ۳۰ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

....

جب ۱۸۸۸ء کی پیش گوئی تقریباً بیس برس تک پوری نہ ہوئی اور جناب مرزا صاحب پوری طرح مایوس ہو گئے تو آپ نے ۱۹۰۷ء میں لکھا:

''خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی اور وہ کہ ایتھا المراۃ توبی توبی فان البلا علی عقبك (اے عورت توبہ کر۔ توبہ کر۔ کہ مصائب تیرا پیچھا کر رہے ہیں) پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا۔ یا تاخیر میں پڑ گیا۔''

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲)

پیش گوئی کو دوبارہ غور سے پڑھیے۔ یہ نئی شرط وہاں نہیں ملے گی اچھا مان لیا کہ تھی اور ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تھا نتیجۂ نکاح فسخ یا مؤخر ہو گیا تھا تو پھر ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۵ء تک پورے چودہ برس مسلسل یہ کیوں کہتے رہے کہ خدا پھر اس کو تیری طرف لائے گا۔ کیا فسخ نکاح کی اطلاع اللہ نے آپ کو نہیں دی تھی۔ پھر یہ بات بھی میری ناقص سمجھ سے بالاتر ہے کہ عورت کے توبہ کرنے سے نکاح کا رشتہ کیسے ٹوٹ گیا۔

''یہ درست ہے کہ اس عورت کا آسمان پر میرے ساتھ نکاح پڑھا گیا۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۲)

اگر کوئی بیوی کسی گناہ سے توبہ کرے تو کیا اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ نکاح پڑھا اللہ نے زبردستی کی اس کے اقربا نے کہ سلطان احمد کے حوالے کر دی۔ فضل احمد اور سلطان احمد کی والدہ کو طلاق دی جناب مرزا صاحب نے اور توبہ کرے محمدی بیگم۔ کس بات پر؟ مان لیا کہ محمدی بیگم نے قصور کیا اور اس نے توبہ کر لی تو پھر وہ اللہ کا باندھا ہوا رشتہ نکاح کیسے ٹوٹ گیا کھولیے فقہ کی کوئی کتاب اور پڑھیے باب النکاح کیا وہاں کوئی ایسی دفعہ موجود ہے کہ اگر بیوی گناہوں سے تائب ہو جائے تو وہ شوہر پہ حرام ہو جاتی ہے۔

اس تاویل میں ایک معمہ بھی حل طلب ہے۔

خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی ---------- کہ اے عورت توبہ کر

----- جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح یا فسخ ہو گیا۔ یا تاخیر میں پڑ گیا۔

شرط کا تعلق صرف عورت سے تھا لیکن اسے پورا کیا ''ان لوگوں نے'' کن

لوگوں نے؟ عورت کے اقربا نے؟ کس طرح؟ کیا وہ تائب ہو کر معافی مانگنے آئے تھے۔ کیا انہوں نے سلطان احمد کو مجبور کیا تھا کہ وہ محمدی بیگم کو طلاق دے دے؟ کیا وہ حلقہ بیعت میں شامل ہو گئے تھے؟ اگر ان میں سے کوئی بات ہی واقع نہیں ہوئی تو پھر "ان لوگوں" نے اس شرط کو پورا کیسے کیا؟

یہ جملہ بھی خوب ہے۔

"نکاح یا تو فسخ ہو گیا۔ یا تاخیر میں پڑ گیا۔"

آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ نکاح آسمان پہ پڑھا جا چکا تھا۔ تو پھر تاخیر میں کیسے پڑ گیا اور اگر فسخ ہو گیا تھا تو اللہ کا فرض تھا کہ اپنے رسول کو مطلع کرتا پورے انیس برس تک آپ اس عورت کی واپسی کے منتظر رہے اور اللہ نے ایک مرتبہ بھی یہ نہ فرمایا کہ انتظار نہ کیجئے۔ ہم نکاح فسخ کر چکے ہیں یہ جملہ صاف بتاتا ہے کہ جناب مرزا صاحب کو اللہ کی طرف سے قطعاً کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ وہ متردّدانہ انداز میں یہ نہ کہتے۔ "فسخ ہو گیا ہے یا تاخیر میں پڑ گیا ہے۔" نکاح فسخ ہوا تھا یا موخر۔ اللہ کو تو معلوم تھا۔ اگر اللہ اپنے رسول کو بھی حقیقت حال سے مطلع کر دیتا تو وہ فسخ و تاخیر میں سے صرف ایک صورت کا ذکر کرتے۔

پھر پڑھیے:۔

اے احمقو! یہ پیشگوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کسی خبیث مفتری کا کاروبار نہیں ۔۔۔۔۔۔یہ خدا کا سچا وعدہ ہے وہی خدا جس کی باتیں ٹل نہیں سکتیں۔

(۱۹۰۲ء)

اور بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیشگوئیوں سے بڑھ کر کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔

(تبلیغ رسالت ج۔ اول صفحہ ۱۱۸)

۲۔ڈپٹی آتھم

جون ۱۸۹۳ء کا واقعہ ہے کہ امرتسر کے مقام پر ایک زبردست مباحثہ ہوا۔ عیسائیوں کی طرف سے عبداللہ آتھم تھے اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب۔ پندرہ دن تک یہ مباحثہ جاری رہا۔ مباحثہ کا موضوع تثلیث تھا آخری دن جناب مرزا صاحب نے ایک اہم اعلان فرمایا جس کے الفاظ یہ تھے۔

آج رات جو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تفرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کیے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔

(پیشگوئی ۵ جون ۱۸۹۳ء مندرجہ جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸)

پیشگوئی کا خلاصہ یہ نکلا۔

کہ جو فریق عاجز انسان (مسیحؑ) کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ (یعنی ۴۔۵ ستمبر ۱۸۹۴ء) تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔

اس پیشگوئی میں دو لفظ تشریح طلب ہیں۔ ہاویہ اور حق۔ ہاویہ کی تشریح خود

مرزا صاحب یوں فرماتے ہیں۔

بشرنی ربی بعد دعوتی بموته الی خمسة عشرا شهر من یوم خاتمة البحت." (کرامات الصادقین سرورق)

(میری دعا کے بعد اللہ نے مجھے بتایا کہ آتھم خاتمۂ بحث کے بعد پندرہ ماہ کے اندر مر جائے گا۔)

یاد رکھیے کہ ہاویہ کی تشریح خدائی ہے۔ بشرنی ربی جوالہ نے بتائی ہے۔

باقی رہا لفظِ حق۔ تو پیشگوئی کے یہ الفاظ پھر پڑھیے۔

''جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔''

یعنی جھوٹ سے مراد عاجز انسان کو خدا بنانا ہے اور سچ کیا ہے؟

''اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔''

ایک خدا کو ماننا اس پیشگوئی کی رُو سے رجوع الیٰ الحق کا مفہوم ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی تثلیث سے تائب ہو کر توحید قبول کرنا۔

اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر آپ کو کتنا یقین تھا الفاظ ذیل میں دیکھئے:۔

''اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی ۔۔۔۔۔۔۔۔ تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے روسیاہ کیا جاوے۔ میرے گلے میں رسا ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو پھانسی دیا جاوے۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا زمین و آسمان ٹل جائیں پر اس کی بات نہ ٹلے گی۔'' (جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸)

دن گزرتے گئے اور احمدی حلقوں میں اضطراب بڑھتا گیا خود مرزا صاحب بے حد پریشان تھے کہ میعاد میں صرف چودہ دن رہ گئے ہیں اور آتھم ہر طرح بخیر و عافیت ہے چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب السّلام علیکم ورحمۃ اللہ عنایت نامہ معہ کارڈ پہنچا۔ اب تو صرف چند روز (چودہ روز) پیش گوئی میں رہ گئے ہیں۔ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امتحان سے بچادے۔ شخص معلوم (آتھم) فیروز پور میں ہے اور تندرست وفربہ ہے خدا تعالیٰ اپنے ضعیف بندوں کو ابتلا سے بچادے۔ آمین ثم آمین۔ مولوی صاحب کو بھی لکھیں کہ اس دعا میں شریک رہیں۔ والسّلام۔

(خاکسار غلام احمد از قادیان ۲۲۔ اگست ۱۸۹۴ء)

....

یہاں تک کہ آخری دن آ گیا۔

بیان کیا مجھ سے میاں عبدالہ سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھ سے اور میاں حامد علی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (تعداد یاد نہیں رہی ---------) لے لو اور ان پر فلاں سُورت کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو۔ (وظیفے کی تعداد بھی یاد نہیں) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورت بھی یاد نہیں رہی۔ مگر اتنا یاد ہے کہ وہ چھوٹی سی سورت تھی ---------ہم نے یہ وظیفہ ساری رات صرف کر کے ختم کیا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے ---------اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا یہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہیے اور مُڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینک دیا اور جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہ دیکھا۔

(سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۵۹)

ان تمام حیلوں۔ دعاؤں اور وظیفوں کے باوجود آتھم صحیح وسالم باقی رہا۔ ۶ ستمبر کی صبح کو عیسائیوں اور دیگر فرقوں نے امرتسر۔ لدھیانہ اور بعض دیگر شہروں میں وہ جلوس نکالے۔ وہ وہ نعرے کسے۔ اس قدر گالیاں دیں ایسے ایسے پوسٹر چسپاں کیے کہ خدا کی پناہ۔ عیسائی تو رہے ایک طرف، خود مسلمانوں نے بڑا ہلڑ مچایا۔ جابجا منظوم ومنشور اشتہارات چسپاں کیے۔ چند اشتہارات کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

اول۔ ''--------مرزا قادیانی تمام مخلوق کی نظروں میں

--------رسوا ہوا۔ --------حکیم نور الدین کہاں ہیں

--------خواجہ صاحب لاہوری کہاں ہیں۔ سچ ہے ولوتقول علینا

--------'' (امرتسر کے مسلمانوں کا اشتہار مورخہ ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء)

دوم
ہوا بحث نصاریٰ میں بہ آخر
مسیحائی کا یہ انجام مرزا
زمین و آسماں قائم ہیں لیکن
ترے وہ ٹل گئے اعلام مرزا

....

سوم
غضب تھی تجھ پہ ستمگر چھٹی ستمبر کی
نہ دیکھی تو نے نکل کر چھٹی ستمبر کی
ذلیل و خوار ندامت سے منہ چھپاتے تھے
ترے مریدوں پہ محشر چھٹی ستمبر کی

عیسائیوں کی طرف سے بڑی تعداد میں دل آزار پوسٹر شائع ہوئے۔

مثلاً۔ اول۔
ایسی مرزا کی گت بنائیں گے
سارے الہام بھول جائیں گے
خاتمہ ہوے گا نبوت کا
پھر فرشتے کبھی نہ آئیں گے

....

دوم پنجۂ آتھم سے مشکل ہے رہائی آپ کو
توڑ ہی ڈالیں گے وہ نازک کلائی آپ کی
جھوٹ میں باطل ہیں دعوے قادیانی کے سبھی
بات سچی ایک بھی ہم نے نہ پائی آپ کی
خوب ہے جبریل اور الہام والا وہ خدا
آبرو سب خاک میں کیسی ملائی آپ کی

....

سوم اب دام مکر اور کسی جا بچھایئے
بس ہو چکی نماز مصلے اٹھایئے وغیرہ وغیرہ

ہم نے اس اشتہارات میں سے نسبتاً مہذب اقوال انتخاب کیے ہیں ورنہ ان میں مغلظات کا وہ ہجوم ہے کہ نقل کرتے بھی حجاب آتا ہے۔ان اشتہارات سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ آتھم اور اس کے فریق نے پیشگوئی کی شرط رجوع الی الحق کو پورا نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے طغیان و تمرد پہ ڈٹے ہوئے تھے اور انہوں نے ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء کو جناب مرزا صاحب اور خدا و جبریل کی انتہائی توہین کی نہ صرف ۶ ستمبر کو بلکہ عبداللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف مسلسل لکھتا رہا۔ اس کی ایک نہایت زہریلی کتاب ''خلاصہ مباحثہ'' جس میں تثلیث پہ پرزور دلائل ہیں۔توحید کا مضحکہ اڑایا گیا اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں کسی گئی ہیں۔اسی زمانے (پندرہ ماہ) کی تصنیف ہے۔ان واقعات کی روشنی میں کون کہہ سکتا ہے کہ آتھم نے رجوع الی الحق کر لیا تھا اور عاجز انسان کو خدا بنانے سے باز آ گیا تھا۔اگر نہیں کیا تھا اور یقیناً نہیں کیا تھا۔تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ''بسزائے موت ہاویہ'' میں کیوں نہیں گرا۔آخر یہ پیشگوئی اللہ کی طرف سے تھی یہ کسی انسان کا افترا نہیں تھا اور جناب مرزا صاحب نے اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر فرمایا تھا۔

''وہ ضرور ایسا کرے گا۔ضرور کرے گا۔ضرور کرے گا۔زمیں و آسمان ٹل جائیں۔پر اس کی بات نہ ٹلے گی۔''

مرزا صاحب نے اس سوال کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔

مثلاً:۔اول۔ کہ خدا اپنے وعدے کو توڑ سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں چونکہ سزا دینا یا سزا کا وعدہ کرنا خدا تعالیٰ کی ان صفات میں داخل نہیں۔ جو ام الصفات ہیں۔ کیونکہ دراصل اس نے انسان کے لیے نیکی کا ارادہ کیا ہے۔ اس لیے خدا کا وعید بھی جب تک انسان زندہ ہے اور اپنی تبدیلی کرنے پر قادر ہے۔ فیصلہ ناطقہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے برخلاف کرنا کذب یا عہد شکنی میں داخل نہیں ہے۔ (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۱۰)

دوم۔ کہ گو آتھم بظاہر زندہ تھا۔ لیکن دراصل مر چکا تھا۔ آتھم نے اپنی کمال سراسیمگی سے پیشگوئی کی میعاد میں دنیا پر ظاہر کر دیا۔ کہ وہ پیشگوئی کی عظمت سے سخت خوف میں پڑ گیا اور اس کے دل کا آرام جاتا رہا۔ اکثر وہ روتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ آتھم صاحب موت سے پہلے ہی مر گئے اور ہماری سچائی کے پوشیدہ ہاتھ نے ایسا انہیں دبایا۔ کہ گویا وہ زندہ ہی قبر میں داخل ہو گئے۔ (انجام آتھم صفحہ ۱۱)

سوم۔ کہ خدا تعالیٰ نے اک نئے الہام کی رُو سے آتھم کو مہلت دے دی تھی۔

انوار السلام صفحہ ۲ میں اس الہام

اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی ھمہٖ و غمہٖ

''کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے ہم و غم پر اطلاع پائی اور اس کو مہلت دی۔'' (حاشیہ انجام آتھم صفحہ ۲۲)

لیکن ''انوار السلام'' ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء کی تصنیف ہے اور پیش گوئی کی میعاد ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک تھی۔ ایک ماہ بائیس دن گزر جانے کے بعد مہلت دینے کا مطلب؟ مزہ تو تب تھا کہ میعاد سے پہلے الہام مہلت نازل ہوتا۔ تاکہ ۶ ستمبر والے طوفان بدتمیزی سے تو نجات ملتی۔

چہارم۔ سبب اس پیشگوئی کرنے کا یہی تھا کہ اس (آتھم) نے اپنی کتاب اندرونہ بائیبل میں آنحضرت ﷺ کا نام دجال رکھا تھا۔ سو اس کو پیش گوئی کرنے کے وقت قریباً ستر آدمیوں کے رُوبرو سنا دیا گیا تھا کہ تم نے ہمارے نبی کو دجال کہا تھا۔ سو تم اگر اس لفظ سے رجوع نہیں کرو گے تو پندرہ ماہ میں ہلاک کیے جاؤ گے۔ سو آتھم نے اسی مجلس میں رجوع کیا اور کہا کہ معاذ اللہ میں نے

آنجناب ﷺ کی شان میں ایسا لفظ کوئی نہیں کہا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور زبان منہ سے نکالی اور لرزتی ہوئی زبان سے انکار کیا۔ جس کے نہ صرف مسلمان گواہ بلکہ چالیس سے زیادہ عیسائی بھی گواہ ہوں گے۔ پس کیا یہ رجوع نہ تھا۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۲۔۳ تصنیف ۱۹۰۲ء)

یہ جواب بوجوہ محل نظر ہے۔

اول۔ اگر آتھم نے واقعی اس جلسے ہی میں (جہاں پیش گوئی سنائی گئی تھی) رجوع کر لیا تھا۔ تو پھر آپ پندرہ ماہ تک مضطرب کیوں رہے۔ منشی رستم علی کے خط میں اظہار پریشانی کیوں کیا؟ آخری دن وہ چنے قادیان کے اندھے کنوئیں میں کیوں پھینکے۔ آتھم کو ''دراصل مردہ'' کیوں قرار دیا۔ اور ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء کو یہ کیوں اعلان کیا۔

''ماسوا اس کے بعض اور عظیم الشان نشان اس عاجز کے معرض امتحان میں ہیں۔ جیسا کہ منشی عبداللہ آتھم امرتسری کی نسبت پیش گوئی۔ جس کی معیاد ۵ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینہ تک ہے۔'' (شہادۃ القرآن صفحہ ۸۰)

جب رجوع ہو گیا تو پیش گوئی وہیں ختم ہو گئی۔

دوم۔ اگر رجوع سے مراد صرف لفظ دجال سے رجوع تھا تو پیش گوئی میں بھی اس کی وضاحت فرمائی ہوتی۔

''حق'' کا لفظ اس قدر وسیع ہے کہ کائنات کی کروڑوں سچائیاں اس کے دامن میں سمائی ہوئی ہیں۔ اتنے وسیع لفظ سے صرف ایک سچائی مراد لینا ایک ایسا تکلف ہے جس کا جواز ایک زبردست قرینہ کے بغیر نکل ہی نہیں سکتا۔ پیشگوئی میں۔

''جو فریق عمداً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ ہاویہ میں گرایا جائے گا۔''

کے الفاظ صریحاً تثلیث و توحید کا مفہوم دے رہے ہیں دجال کا نہ تو یہاں ذکر ہے اور نہ کسی لفظ سے یہ اشارۃً بھی سمجھا جاتا ہے پھر ہم اس تاویل کو کیسے قبول کریں۔

پنجم۔ کہ پیش گوئی میں پندرہ ماہ کی میعاد تھی ہی نہیں۔ میں نے ڈپٹی آتھم کے مباحثہ میں

قریباً ساٹھ آدمیوں کے رُوبرُ و یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔

''سو آتھم بھی اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔''

(ضمیمہ تحفۂ گولڑویہ صفحہ ۱۰ تصنیف ۱۹۰۲ء)

پیش گوئی میں پہلے اور پیچھے کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں تو صرف اتنا ہی ہے کہ جھوٹا۔

(پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔)

ششم۔ کہ ہاویہ سے مراد موت نہیں بلکہ دماغی بے چینی تھی جس میں آتھم پورے پندرہ ماہ گرفتار رہا۔ اور اس طرح پیش گوئی پوری ہوگی۔

اور توجہ سے یاد رکھنا چاہیے کہ ہاویہ میں گرائے جانا جو اصل الفاظ الہام ہیں۔ وہ عبداللہ آتھم نے اپنے ہاتھ سے پورے کیے اور جن مصائب میں اس نے اپنے تئیں ڈال لیا اور جس طرز سے مسلسل گھبراہٹوں کا سلسلہ ان کے دامن گیر ہو گیا اور ہول اور خوف نے اس کے دل کو پکڑ لیا۔ یہی اصل ہاویہ تھا۔ (انوار الاسلام صفحہ ۵)

پیش گوئی کے الفاظ ذرا سامنے رکھیے۔

''ہاویہ میں گرایا جائے گا۔۔۔۔۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔''

تو گویا آتھم اصل ہاویہ میں گرا دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا تھا۔ لیکن آپ اعجاز احمدی (صفحہ ۲) میں فرماتے ہیں۔

''سو آتھم نے اسی مجلس میں رجوع کیا۔''

اگر وہ حق کی طرف رجوع کر چکا تھا۔ تو پھر اسے ''اصل ہاویہ'' میں کیوں گرا دیا گیا۔ اور اگر نہیں کیا تھا۔ تو زندہ کیوں رہا؟

جناب مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔

کیا اس کے سوا کسی اور چیز کا نام ذلت ہے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ پورا نہ ہوا۔ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۷)

۳۔ پسرِ موعود

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو جناب مرزا صاحب نے الہام ذیل شائع فرمایا۔
خدائے رحیم و کریم ۔۔۔۔۔۔۔۔ نے مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک ترکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کا نام عمنوایل اور بشیر بھی ہے اور اس کو مقدس روح دی گئی ہے وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔۔۔۔۔ اپنے مسیحی نفس سے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بہتوں کی بیماری کو صاف کرے گا۔۔۔۔۔۔علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ فرزندِ دلبندِ گرامی اورار جمند۔ مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلا۔ کان اللہ نزل من السماء ۔۔۔۔۔۔ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت حاصل کریں گی۔ (تبلیغ رسالت ج۔اول صفحہ ۵۸)

پسرِ موعود کب پیدا ہوگا؟ فرمایا۔
ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک (یعنی ۲۰ فروری ۱۸۹۵ء تک ضرور پیدا ہوگا۔)

(اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء تبلیغ رسالت ج۔اول صفحہ ۷۲)

....

تاریخ اور ضرور کا لفظ نوٹ فرمالیجئے۔

۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء کا ایک اور اشتہار کے ذریعے اعلان فرمایا۔ جناب الٰہی میں توجہ کی گئی۔ تو

آج ۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء میں اللہ جل شانہ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جواب ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔ اس کے بعد یہ الہام ہوا۔

''انہوں نے کہا۔ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں؟ چونکہ یہ عاجز ایک بندۂ ضعیف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہے اس لیے اسی قدر ظاہر کرتا ہے۔ جو منجانب اللہ ظاہر کیا گیا ہے۔''

(تبلیغ رسالت ج۔ اول صفحہ ۷۵)

اس اشتہار میں ایک مدتِ حمل (یعنی نو ماہ کے اندر) تک ایک لڑکا (خواہ وہ پسرِ موعود ہو یا کوئی اور) پیدا ہونے کی بشارت درج تھی لیکن مئی ۱۸۸۶ء میں ایک لڑکی پیدا ہوگئی۔

....

جب ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا۔ تو آپ نے اسے پسرِ موعود سمجھ کر اس کا نام بشیر احمد رکھا اور اعلان کیا۔

اے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لیے میں نے اشتہار ۱۸ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیش گوئی کی تھی اور خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں اس کے قریب ہے ضرور پیدا ہو جائے گا۔ آج ۱۶ ذیقعد ۱۳۰۴ ہجری مطابق ۷ اگست ۱۸۸۷ء میں بارہ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ مولود مسیح پیدا ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ اس لڑکے کا نام بشیر احمد رکھا گیا۔ (تبلیغ رسالت ج۔ اول صفحہ ۹۹)

اس اشتہار کی خط کشیدہ سطور کو دیکھئے اور پھر ۸ اپریل کے اشتہار کو پڑھیے۔ وہاں ''دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے'' کا اشارہ تک

نہیں ملے گا۔

بہر حال یہ لڑکا ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہو گیا اور جناب مرزا صاحب نے مولوی نور الدین صاحب کو لکھا۔

مخدومی ومکرمی مولوی نور الدین سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میرا لڑکا بشیر احمد تئیس روز بیمار رہ کر آج بقضائے رب عزوجل انتقال کر گیا۔ انا للہ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس واقعہ سے جس قدر مخالفین کی زبانیں دراز ہوں گی۔ اور موافقین کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ (مکتوبات احمدیہ ج پنجم نمبر ۲ مولفہ یعقوب علی عرفانی)

اس واقعہ پر ملک میں ایک سخت شور اٹھا اور کئی خوش اعتقادوں کو ایسا دھکا لگا کہ وہ پھر نہ سنبھل سکے۔ حضرت صاحب نے لوگوں کو سنبھالنے کے لیے اشتہاروں اور خطوط کی بھرمار کر دی اور لوگوں کو سمجھایا کہ میں نے کبھی یہ یقین ظاہر نہیں کیا کہ یہی وہ لڑکا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۸۷)

''جس قدر خدا نے مجھ سے مکالمہ ومخاطبہ کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ تیرہ سو برس میں کسی شخص کو بجز میرے آج تک یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

اور بار بار فرمایا کہ مجھ پر وحی بارش کی طرح برستی ہے۔ حیرت ہے کہ اس وحی نے پندرہ ماہ میں آپ کو یہ بھی نہ بتایا کہ بشیر احمد عنقریب فوت ہو جائے گا۔ اس لیے یہ پسرِ موعود نہیں۔ آخر وہ بارش کی طرح برسنے والی وحی کیا کرتی رہتی تھی۔

۴ دسمبر ۱۸۸۸ء کو پھر فرمایا۔

۲۰ فروری ۱۸۸۱ء کے اشتہار میں جو بہ ظاہر ایک لڑکے کی بابت پیش گوئی کی گئی تھی۔ درحقیقت دو لڑکوں کی بابت پیش گوئی تھی۔ ایک وہ جو فوت ہو چکا ہے ایک وہ جو آئندہ تولد ہوگا۔

(مرزا صاحب کا خط بنام حکیم نورالدین صاحب مندرجہ رسالہ تشحیذ الاذہان نمبر ۱۰ جلد ۲ صفحہ ۴۱)

۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو شنبہ کے روز آپ کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بشیر اور محمود رکھا گیا۔ لیکن یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ پسرِ موعود ہے یا کوئی اور فرماتے ہیں۔

''تعجب نہیں کہ یہی لڑکا موعود لڑکا ہو۔ ورنہ وہ بفضلہٖ تعالیٰ دوسرے وقت پر آئے گا'' (ریویو آف ریلیجنز جلد ۱۳ نمبر ۵ صفحہ ۱۷۶)

....

کیونکہ فیصلہ نہ کر سکے اس لیے کہ اصل پیش گوئی میں ایک فقرہ یہ بھی تھا۔

''وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا''

یعنی تین بھائیوں کے بعد آئے گا۔ میعاد الہام (۲۰ فروری ۱۸۹۵ء) گذر گئی۔ لیکن آپ بدستور منتظر رہے۔ ۱۸۹۷ء میں ارشاد ہوا۔

''ایک اور الہام جو ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا وہ یہ ہے کہ خدا تین کو چار کرے گا۔ اس وقت ان تین لڑکوں کا جواب موجود ہیں نام ونشان نہ تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ اب صرف ایک کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنے والا ہوگا'' (ضمیمہ انجام آتھم تصنیف ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۵)

پیش گوئی سے پورے سوا تیرہ برس بعد ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو آپ کے ہاں ایک اور فرزند کی ولادت ہوئی۔ جس پر بے حد مسرتیں منائی گئیں۔ اور آپ نے پورے وثوق سے اعلان فرمایا۔

میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے۔ اس کی نسبت پیش گوئی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سو خدا نے میری تصدیق اور تمام مخالفین کی تکذیب کے لیے اسی پسرِ چہارم کی پیش گوئی کو ۱۴ جون ۱۸۹۹ء میں جو مطابق ۴ صفر ۱۳۱۷ھ تھی۔ بروز چہار شنبہ (پیش گوئی میں درج تھا۔ دوشنبہ مبارک دوشنبہ) ۔۔۔۔۔۔۔۔ (برق) پورا کر دیا۔

(تریاق القلوب صفحہ ۴۳)

پیش گوئی میں ''دوشنبہ'' کا دن درج تھا اس کی تشریح یوں فرمائی۔

چوتھے لڑکے (مبارک احمد) کا عقیقہ پیر کے دن ہوا۔ تا وہ پیش گوئی پوری ہو ۔۔۔۔۔ کہ دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔

(تریاق القلوب صفحہ ۱۸)

مبارک احمد کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اور اس لڑکے نے پیدائش سے پہلے یکم جنوری ۱۸۹۷ء (ساڑھی انتیس مہینے پہلے) میں بطور الہام یہ کلام مجھ سے کیا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ''مجھ میں اور تم میں ایک دن کی میعاد ہے ۔۔۔۔۔۔۔'' یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد میں ہی باتیں کیں۔ لیکن اس لڑکے نے پیٹ میں ہی دو مرتبہ باتیں کیں۔ اور پھر بعد اس کے ۱۴ جون ۱۸۹۹ء کو وہ پیدا ہوا۔

(تریاق القلوب صفحہ ۴۱)

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب ولادت سے ساڑھے انتیس ماہ پہلے وہ لڑکا پیٹ میں تھا ہی نہیں۔ تو اس نے پیٹ سے باتیں کیسے کیں؟

آٹھ سال بعد

اگست ۱۹۰۷ء میں مبارک احمد تپ میں گرفتار ہو گئے ۔ بیماری بڑھ گئی۔تو نو دن کے بعد جناب مرزا صاحب پر وحی نازل ہوئی۔

''قبول ہوگئی۔نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔'' (اخبار بدر ۲۹ اگست ۱۹۰۷ء)

لیکن

''حکیم نور الدین صاحب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نے نبض پر ہاتھ رکھا تو چھوٹ چکی تھی۔ انہوں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔حضور کستوری لایئے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام چابی لے کر قفل کھول ہی رہے تھے کہ مبارک احمد فوت ہو گیا۔''

(خطبہ میاں محمود احمد صاحب الفضل ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء) ابھی قادیان ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔کہ جبریل پھر ایک بشارت لے کر آ گیا۔

جب مبارک احمد فوت ہوا۔ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے یہ الہام کیا۔انا نبشرك بغلام حلیم ینزل منزل المبارك ط یعنی ایک حلیم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا۔ اور اس کا قائم مقام اور اس کی شبیہ ہوگا۔پس خدا نے چاہا کہ دشمن خوش ہو۔اس لیے اس نے بمجرد وفات مبارک احمد کے ایک دوسرے لڑکے کی بشارت دی۔تا یہ سمجھا جائے کہ مبارک احمد فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے۔ (اشتہار مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۷ء تبلیغ رسالت ج۔دہم صفحہ ۱۳۲)

لیکن:

ساڑھے پانچ ماہ بعد جناب مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا اور ۱۹۰۴ء (ولادتِ دختر) کے بعد آپ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

آپ نے دیکھ لیا کہ اس پیش گوئی کے ساتھ تین ضمنی پیش گوئیاں بھی تھیں۔

۱۔ بڑی پیش گوئی پسرِ موعود کے متعلق

۲۔ ضمنی (۱) اپریل ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں لڑکے کی بشارت۔لیکن لڑکی کا پیدا ہونا۔

(۲) مبارک احمد کی بیماری میں وہ الہام کہ ’’قبول ہوگئی۔۔۔۔بخار ٹوٹ گیا۔

(۳) وفات مبارک کے بعد غلام حلیم کی بشارت۔

کہ یہ چاروں پیش گوئیاں پوری ہوگئیں؟ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں جو شخص تحدی کے طور پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔پیش گوئی اپنے دعوٰی کی تائید میں شائع کرتا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے۔ تو خدا کی غیرت کا ضرور یہ تقاضا ہونا چاہیے۔ کہ ابداً ایسی مرادوں سے اس کو محروم رکھے۔

(ضمیمہ تریاق القلوب نمبر۲ صفحہ ۹۰)

۴۔ طاعُون اور قادیان

جب اس صدی کے آغاز میں طاعون نے ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ تو جناب مرزا صاحب نے مختلف پیش گوئیاں شائع کیں۔ مثلاً

۱۔ جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ لیں۔ تب تک طاعون دُور نہ ہوگی۔ (دافع البلا صفحہ ۵)

۲۔ اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قادیان اسی لیے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ (دافع البلا صفحہ ۵)

’’طاعون دنیا میں اس لیے آئی ہے کہ خدا کے مسیح موعود سے نہ صرف انکار کیا گیا۔ بلکہ اس کو دُکھ دیا گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ طاعون اس حالت میں فرو ہوگی۔ جب لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کرلیں گے۔‘‘ (دافع البلا صفحہ ۸۔۹)

’’طاعون دنیا میں گو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ستر برس تک رہے قادیان اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کی تخت گاہ ہے۔ (دافع البلا صفحہ ۱۰)

۳۔ جو شخص مجھے نہیں مانتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ طوفان میں اپنے تئیں ڈال رہا ہے اور کوئی بچنے کا سامان اس کے پاس نہیں۔ سچا شفیع میں ہوں۔ (دافع البلا صفحہ ۱۳)

بجائے اس کے کہ اس نشان سے ہمارے منکر اور مکذب کوئی فائدہ اٹھاتے اور خدا کے کلام کی قدر اور عظمت اور جلال ان پر کھلتی۔ انہوں نے پھر سخت ٹھوکر کھائی۔ (البدر ۲۴ اپریل ۱۹۰۲ء)

البدر کا مدیر دنیا میں صرف ایسے احمق انسان دیکھنا چاہتا ہے کہ جب کوئی الہامی پیش گوئی غلط ثابت ہو تو ان کا ایمان ''خدائی کلام کی عظمت وجلال'' پر اور بڑھ جائے۔

اسی مدیر نے تین ہفتے بعد لکھا۔

''قادیان میں طاعون حضرت مسیح علیہ السلام کے الہام کے ماتحت اپنا کام برابر کر رہی ہے۔'' (البدر۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۳ء)

اپریل ۱۹۰۴ء میں قادیان کا سکول طاعون کی وجہ سے بند کر دیا گیا۔ اور سرکاری روزنامچے میں (ملاحظہ ہو۔ اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۰۴ء) صرف مارچ اور اپریل ۱۹۰۴ء میں ۳۱۴ اموات درج ہوئیں۔ جو قادیان میں طاعون سے واقع ہوئی تھیں۔ قادیان کی آبادی ان دنوں اٹھائیس سو نفوس پر مشتمل تھی۔ لوگ گھبرا کر گاؤں چھوڑ گئے تھے اور تمام قصبہ سنسان ہو گیا تھا خود جناب مرزا صاحب اس حقیقت کا یوں اعتراف فرماتے ہیں۔

''طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون کا زور تھا میرا لڑکا بیمار ہو گیا۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۴ نیز صفحہ ۲۵۳)

دوم۔ کیا آپ کے گھر کی چار دیواری محفوظ رہی؟

بڑی غوثاں (شاید ملازمہ) کو تپ ہو گیا تھا۔ اس کو گھر سے نکال دیا ہے۔ لیکن میری دانست میں اس کو طاعون نہیں ہے۔ احتیاطً نکال دیا ہے ماسٹر محمد دین کو تپ ہو گیا اور گلٹی نکل آئی۔ اس کو بھی باہر نکال دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ میں تو دن رات دعا کر رہا ہوں کہ اور اس قدر زور اور توجہ سے دعائیں کی گئیں کہ بعض اوقات میں ایسا بیمار ہو گیا کہ یہ وہم گذرا کہ شاید دو تین منٹ جان باقی ہے اور خطرناک آثار ظاہر ہو گئے۔

(مکتوب مرزا صاحب بنام نواب محمد علی خاں محررہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۴ء مندرجہ مکتوبات احمدیہ

ج پنجم صفحہ ۱۱۵)

تو گویا چار دیواری بھی محفوظ نہ رہی اور جناب مرزا صاحب بعالم پریشانی ''پورے زور اور توجہ سے'' دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ کس مقصد کے لیے؟ طاعون کے بڑھنے یا گھٹنے کے لیے؟ سیاق وسباق سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتمۂ طاعون کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔

لیکن

''میں نے طاعون پھیلنے کی دعا کی ہے۔ سو وہ دعا قبول ہو کر ملک میں طاعون پھیل گئی ہے۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۴)

مبارک وہ خدا ہے جس نے دنیا میں طاعون کو بھیجا تا کہ اس کے ذریعہ سے ہم بڑھیں اور پھولیں (یعنی لوگ طاعون سے بچنے کے لیے آپ کی بیعت میں داخل ہوں اور ہمارے دشمن نیست و نابود ہوں۔) (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۱)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون آپ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اور آپ دنیا کی تباہی و بربادی پہ بہت خوش تھے۔ اس لیے کہ طاعون آپ کے عظیم الشان نشانات میں سے ایک نشان تھا۔

دنیا میں ایک نذیر آیا۔ اور دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔ خدا اس کو قبول کرے گا اور زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ زور آور حملوں سے مراد طاعون ہے۔

(ملفوظات احمدیہ حصہ ہفتم صفحہ ۵۲۲)

یہ طاعون آپ کی دعا کا نتیجہ ''مبارک خدا'' کی طرف سے اشاعت اسلام کے لیے ایک وسیلہ اور صداقت رسول کو ظاہر کرنے کے لیے ایک زور آور حملہ تھا۔ اس لیے ہر خیر خواہ اسلام کا یہ فرض تھا کہ وہ اس عظیم الشان نشان کو قائم و دائم رکھنے کے لیے پوری قوت صرف کرتا اور اگر کوئی شخص رفع طاعون کے وسائل اختیار کرتا تو اس کے خلاف جہاد کرتا۔ لیکن نہ جانے یک بیک کیا ہوا۔ کہ جناب مرزا صاحب انگریزی حکومت (دجال) کی خدمت میں بدیہائے تشکر پیش کرنے لگے۔

شکر کا مقام ہے کہ گورنمنٹ عالیہ (انگریزی نے اپنی رعایا پہ رحم کر کے دوبارہ طاعون سے بچانے کے لیے ٹیکہ کی تجویز کی اور بندگان خدا کی

بہبودی کے لیے کئی لاکھ روپیہ کا بوجھ اپنے سر ڈال لیا۔ درحقیقت یہ وہ کام ہے۔ جس کا شکرگزاری سے استقبال کرنا دانشمند رعایا کا فرض ہے۔

(کشتی نوح صفحہ ۱)

جناب نے ''دانشمند رعایا'' کا فرض تو بتا دیا۔ کہ وہ ٹیکہ کی تجویز اور بندگانِ خدا کی بہبودی پر ''گورنمنٹ عالیہ کا شکریہ ادا کرے۔ لیکن یہ نہ فرمایا۔ کہ اس کا رویہ آپ کی ہستی گرامی کے متعلق کیا ہو کہ جن کی دُعا سے ملک میں طاعون پھیلا۔

''تا کہ میرے دشمن نیست و نابود ہوں۔''

سنا ہے کہ انبیاء تمام کائنات کے لیے رحمت بن کر آتے ہیں۔ اُن کا کوئی دشمن نہیں ہوا کرتا۔ وہ سب کا بھلا چاہتے ہیں۔ وہ سب سے محبت کرتے ہیں۔ وہ سب کو گلے لگاتے ہیں۔

میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔

(اربعین نمبر ا صفحہ ۲)

کیا مہربان والدہ اپنے بچوں کو طاعون میں پھنسانے کے لیے دُعائیں کیا کرتی ہے؟ اور ان کے ''نیست و نابود'' ہونے پہ خوش ہوتی ہے؟ اگر آپ حقیقاً دنیائے انسانی پہ والدہ سے زیادہ مہربان تھے تو پھر یہ کیوں کہا۔

''مبارک ہے وہ خدا جس نے دنیا میں طاعون بھیجا۔۔۔۔۔۔۔۔۔تا کہ ہم بڑھیں اور پھولیں اور ہمارے دشمن نیست و نابود ہوں۔۔۔۔۔۔''

سوم۔ کیا آپ کے پیرو محفوظ رہے؟

(نہیں)

۱۔ ماسٹر محمد دین (گھر میں جو رہتا تھا۔ تو پیرو ہی ہوگا۔) کو گلٹی نکلی۔

۲۔ آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ آپ کے پیرو بھی طاعون کا شکار ہوئے۔ ہماری جماعت

سے بعض لوگوں کا طاعون سے فوت ہو جانا بھی ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہ لڑائی میں شہید ہوئے تھے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۱)

اگر ایک آدمی ہماری جماعت میں مرتا ہے تو بجائے اس کے سو یا زیادہ آدمی ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۱)

کیوں داخل ہوتا ہے؟ اس کی وجہ حکومت ہند کی زبانی سنیئے۔

(قبول احمدیت کی بڑی وجہ بانی احمدیت کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کے پیرو طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن حفاظت کے لیے ایک عارضی وقفہ کے بعد احمدی بھی باقی آبادی کی طرح طاعون کا شکار ہونے لگے اور لوگوں کا اعتقاد رسولِ قادیان کے اعلان کے متعلق متزلزل ہو گیا۔)

(کتاب مردم شماری برائے سال ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۶۹)

چہارم۔ کیا آپ کو نہ ماننے والے طاعون کا شکار ہو گئے؟ دعویٰ تو یہی تھا۔

''سوائے عزیزو! اس (طاعون) کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں کہ اس مسیح کو سچے دل اور اخلاص سے قبول کر لیا جائے۔ (دافع البلا صفحہ ۱۱۲)

اس وقت تقریباً چالیس ہزار انگریز افسر ہندوستان میں موجود تھے۔ وہ سب کے سب مسیح موعود کے منکر تھے کیا وہ تمام طاعون سے ہلاک ہو گئے تھے؟ کیا ہندوستان میں احمدیوں کے بغیر کوئی اور متنفس باقی نہیں رہا تھا۔ اگر نہیں رہا تھا تو ۱۹۱۱ء کی کتاب مردم شماری میں چھ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ مسلمان اور ۲۸ کروڑ دیگر اقوام کیسے درج ہو گئی ہیں۔

پنجم۔ کیا واقعی طاعون اس وقت تک دُور نہیں ہوا تھا۔ جب تک لوگوں نے خدا کے فرستادہ کو مان نہ لیا؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے ہمیں کتاب مردم شماری کی پھر ورق گردانی کرنی پڑے گی۔

احمدیوں کی تعداد

جب ۱۹۰۱ء کی مردم شماری قریب آئی تو جناب مرزا صاحب نے اعلان کے ذریعے اپنی

جماعت کو ہدایت کی۔ کہ وہ کتاب مردم شماری میں اپنے آپ کو احمدی درج کرائے۔ اور ساتھ حکومت سے درخواست کی۔

''ہم ادب سے اپنی معزز گورنمنٹ میں درخواست کرتے ہیں کہ اسی نام (احمدی) سے اپنے کاغذات اور مخاطبات میں اس فرقہ کو موسوم کرے۔ یعنی مسلمان فرقہ احمدیہ۔''

(اشتہار مجریہ ۴ نومبر ۱۹۰۰ء مندرجہ تریاق القلوب صفحہ ۴۲۹)

کتاب مردم شماری کے اوراق الٹنے سے پہلے یہ دیکھ لینا نامناسب نہ ہوگا کہ خود مرزا صاحب کا اندازہ تعداد جماعت کے متعلق کیا تھا۔

۱۔ ۱۸۹۷ء میں فرمایا۔

''۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ جماعت بہ نسبت تمہاری جماعتوں کے تھوڑی سی اور فئہ قلیلہ ہے۔ اور شاید اس وقت چار پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔''

(انجام آتھم صفحہ ۶۴)

۲۔ یہی سال (۱۸۹۷ء) اور یہی کتاب

''(مولوی عبدالحق کے ساتھ) مباہلہ سے پہلے میرے ساتھ شاید تین چار سو آدمی ہوں گے۔ اور اب آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ وہ لوگ ہیں جو اس راہ میں جانفشاں ہیں۔''

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۶)

۳۔ وہی سال اور وہی کتاب

''۔۔۔۔۔۔۔۔ (اللہ نے) ہماری قبولیت زمین پھیلائی اور ہماری جماعت کو ہزار تک پہنچایا۔

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۸)

تو گویا ۱۸۹۷ء میں احمدیوں کی تعداد پہلے چار پانچ ہزار۔ پھر آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ اور اس کے بعد صرف ایک ہزار تھی۔

۴۔ ۱۸۹۹ء میں

''میری جماعت کے لوگ دس ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہوں گے۔''

(حاشیہ ضمیمہ نمبر ۲ تریاق القلوب صفحہ ۳۹۳)

۵۔ ۱۹۰۲ء میں

''آج کی تاریخ تک یہ جماعت (احمدیہ) برٹش انڈیا میں ایک لاکھ سے بھی کچھ زیادہ ہے''۔ (کشتی نوح صفحہ ۷۰)

۶۔ ۱۹۰۶ء میں

ان دنوں میں دس آدمی بھی میری بیعت میں نہ تھے۔ مگر آج خدا کے فضل سے تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۰)

۷۔ ۱۹۰۷ء میں

''اور سب بیعت کرنے والے چار لاکھ کے قریب ہوں گے۔''

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۶)

۸۔ مئی ۱۹۰۸ء میں رحلت سے دو روز پہلے

''یادر ہے کہ ہماری احمدی جماعت چار لاکھ سے کچھ کم نہیں ہے۔''

(پیغام صلح صفحہ ۱۳)

لیکن

کتاب مردم شماری برائے سال ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۶۹ بتاتی ہے کہ طاعون کے بعد ۱۹۱۱ء میں احمدیوں کی تعداد صرف اٹھارہ ہزار چھ سو پچانوے (۱۸۶۹۵) تھی۔ اور کل پنجاب کی آبادی ایک کروڑ پچانوے لاکھ اناسی ہزار چھیالیس (۱۹۵,۷۹۰۴۶) یعنی طاعون کے بعد بھی صرف پنجاب میں مسیح موعود کے منکر ایک کروڑ پچانوے لاکھ ساٹھ ہزار باقی تھے اور طاعون ختم ہو گیا۔ حالانکہ خدا نے صریحاً فرمایا تھا۔

''یہ طاعون اس حالت میں فرو ہوگی۔ جب کہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کرلیں گے۔'' (دافع البلا صفحہ ۹)

۵۔الہامِ عمر

جناب مرزا صاحب نے الہام عمر کو اپنی تصانیف میں سو مرتبہ سے زیادہ دہرایا ہے۔

ثمانين حولا او قريبا من ذالك او تزيد عليه ط

اور اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔

''تیری عمر اسی برس کی ہوگی یا دو چار کم یا چند سال زیادہ۔''

(ضمیمہ تحفۂ گولڑویہ صفحہ ۲۹)

اس کی مزید تشریح یوں فرمائی ہے۔

فبشرنا ربنا بثمانين سنة اوهم اكثر عدداً

(مواہب الرحمان صفحہ ۲۱)

(اللہ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تیری عمر اسی برس یا کچھ زیادہ ہوگی)

اول تو یہ الہام ہی عجیب ہے۔ اسی برس۔ دو چار کم۔ یا چند سال زیادہ کیا اللہ مستقبل کے واقعات سے بے خبر ہے؟ کیا الہام نازل کرتے وقت اسے معلوم نہیں تھا کہ آپ کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوگی۔ کیا اللہ کو آپ کی تاریخ ولادت بھول گئی تھی؟ اگر یاد تھی اور تاریخ وفات بھی معلوم تھی تو پھر الہام میں یہ اظہار تجاہل ''دو چار کم یا چند سال زیادہ'' کیوں؟ جس شخص کو اپنے مرحوم بیٹے کی تاریخ ولادت و وفات ہر دو معلوم ہوں۔ اور جمع و تفریق کا قاعدہ بھی جانتا ہو۔ وہ کبھی نہیں کہے گا کہ میرے بیٹے کی عمر بیس برس یا دو چار کم یا چند سال زیادہ تھی۔ یہ اشتباہ و تجاہل اسی شخص کے بیان میں ہو سکتا ہے۔ جو تاریخ ولادت و وفات ہر دو سے ناواقف ہو۔ اور یا اس قدر ان پڑھ ہو کہ سالِ وفات میں سے سنینِ حیات تفریق کر کے حاصل نہ بتا سکتا ہو۔ پھر عجیب تر یہ کہ تشریح الہام ''اسی برس یا کچھ زیادہ'' کا تو ذکر ہے کہ لیکن ''دو چار کم'' کا کوئی ذکر نہیں چلیئے۔ اس بیش و کم کو چھوڑیے اور ''اسی'' کو پیش نظر رکھئے کہ الہام کا مرکزی عدد یہی ہے۔

جناب مرزا صاحب نے اپنی تصانیف میں تاریخ ولادت کہیں ذکر نہیں فرمائی۔ صرف اتنا

بار بار فرماتے ہیں کہ میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوا تھا۔ اور نہ آپ کے سوانح نگاروں نے یہ تکلیف کی کہ سول سرجن گورداسپور کے دفتر سے آپ کی تاریخ ولادت معلوم کر لیتے۔ اتنے بڑے روحانی رہنما کے مریدوں کا یہ تساہل قابل افسوس ہے۔

''میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور ۱۸۵۷ء میں سولہ برس کا یا سترہویں برس میں تھا۔'' (کتاب البریہ صفحہ ۱۳۴)

کیا کوئی حساب دان یہ بتا سکتا ہے کہ آپ ۱۸۵۷ء میں کس حساب سے سولہ برس کے تھے؟ خیر اسے چھوڑیے۔ صرف سالِ ولادت یاد رکھئے۔ اور سال وفات یعنی ۱۹۰۸ء سے اسے منہا کر دیجئے۔

۱۹۰۸	۱۹۰۸
۱۸۴۰	۱۸۳۹
۶۸	۶۹

باقی بچے ۶۸ یا ۶۹ اب دیکھئے اس الہام کو تیری عمر اسّی سال ہوگی۔ یا دو چار کم یا چند سال زیادہ۔

لیکن یہاں تک تو پورے ۱۱ برس کم ہیں۔ ۱۲

....

''پھر اگر ثابت ہو۔ کہ میری سو پیش گوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی ہو تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں۔'' (حاشیہ اربعین نمبر ۴ صفحہ ۳۰)

۶۔ امراضِ خبیثہ سے حفاظت کا وعدہ

''اس (خدا) نے مجھے براہین میں بشارت دی۔ کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا۔'' (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۳۰)

''خبیث عارضہ'' سے مراد کوئی مزمن یا مہلک بیماری ہی سکتی ہے مثلاً دائمی دل دھڑکن۔ دق۔خون کا دباؤ۔ذیابیطس۔امراض طوائف خانہ جنون۔مرگی۔طاعون۔ہیضہ برص۔دائمی خارش وغیرہ۔

''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت موعود کو پہلی دفعہ دورانِ سر اور ہسٹریا کا دورہ بشیر اول کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد آپ کو باقاعدہ دورے پڑنے شروع ہو گئے۔'' (سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۱۳)

مراق کا مرض حضرت مرزا صاحب کو موروثی نہ تھا۔ بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا۔ (رسالہ ریویو قادیان بابت اگست ۱۹۲۶ء)

''حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے اپنی بیماری دق کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بیماری آپ کو حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم کی زندگی میں ہوگئی تھی ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس بیماری میں آپ کی حالت بہت نازک ہوگئی تھی۔'' (حیات احمدیہ جلد دوم نمبر اول صفحہ ۷۹ مؤلفہ یعقوب علی)

....

میں ایک دائم المرض آدمی ہوں ۔۔۔۔۔۔۔ ہمیشہ سر درد اور دورانِ سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے اور دوسری بیماری ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کے لیے جب زینہ چڑھ کر اوپر جاتا ہوں۔تو مجھے اپنی ظاہری حالت پر امید نہیں ہوتی کہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں زندہ رہوں گا۔ (ضمیمہ اربعین نمبر ۳۔۴ صفحہ ۴۔۵)

....

۷۔ الہامِ ثلج

ثلج عربی زبان میں برف کو کہتے ہیں۔ جب مرزا صاحب کے الہامات زلزلہ کی وجہ سے بعض لوگوں میں بے چینی سی پھیل گئی۔ تو اللہ نے یہ الہام نازل کیا۔

''پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن اور اس کی تشریح یوں فرمائی۔''

''دوسرے معنی اس کے عربی میں اطمینان قلب حاصل کرنا ہے ــــــــ گذشتہ دنوں میں زلزلوں کی نسبت کج طبع لوگوں نے شبہات بھی پیدا کئے تھے اور ثلج طبع یعنی کلی اطمینان سے محروم ہو گئے تھے۔ اس لیے بہار کے موسم میں ایک ایسا نشان ظاہر ہوگا۔ جس سے ثلج قلب ہو جائے گا۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۸)

کون سا موسم بہار؟

حقیقت الوحی کا تتمہ جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔ ۱۹۰۷ء کے اوائل میں لکھا جا رہا تھا۔ بظاہر موسم بہار سے ۱۹۰۷ء ہی کا موسم ہوسکتا ہے۔ لیکن نہیں۔ آپ اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''بہار جب دوبارہ (یعنی ۱۹۰۸ء میں) آئے گی تو ایک اور زلزلہ آئے گا۔''

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵)

اور چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

''پھر بہار جب بارسوم (یعنی ۱۹۰۹ء میں) آئے گی تو اس وقت اطمینان کے دن آجائیں گے۔ اور اس وقت تک خدا کئی نشان ظاہر کرے گا۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۰)

تو واضح ہوگیا۔ کہ الہام ثلج کا تعلق ۱۹۰۹ء کے موسم بہار سے تھا۔ لیکن آپ کا انتقال مئی ۱۹۰۸ء میں ہو گیا۔ تو کیا ۱۹۰۹ء کی بہار میں کوئی ایسا نشان نازل ہوا تھا۔ جو اطمینان قلب

کا موجب بنا ہو؟ اس سوال کا جواب کہیں سے نہیں مل سکتا۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ جناب مرزا صاحب اس پیش گوئی کو بھی فروری ۱۹۰۷ء میں پورا کر گئے تھے۔ وہ کس طرح؟ فرماتے ہیں۔

یہ پیش گوئی (ثلج والی) ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صفائی سے پوری ہوگئی یعنی
جب عین بہار کا موسم آیا۔ اور باغ پھولوں اور شگوفوں سے بھر گئے تب
۔۔۔۔۔۔ کشمیر اور یورپ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے ملکوں میں برف
باری (ثلج = برف) حد سے زیادہ ہوئی ۔۔۔۔۔۔۔۔ چنانچہ آج ہی
۲۵ فروری ۱۹۰۷ء کو خط ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کشمیر سے آیا ہے کہ ان دنوں
۔۔۔۔۔۔ برف ۔۔۔۔۔ تین گز تک زمین پر چڑھ گئی ہے۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹)

یہ خط کشمیر سے چار پانچ روز پہلے یعنی ۲۰ فروری کو چلا ہوگا۔ کیا ۲۰ فروری کو عین بہار کا موسم ہوتا ہے اور باغ پھولوں اور شگوفوں سے بھر جاتے ہیں۔ قارئین کرام! آپ بیسیوں موسم بہار دیکھ چکے ہیں۔ کیا آپ نے آج تک ۲۰ فروری کو بھی کوئی بہار دیکھی ہے؟ حافظے پر زور ڈالیے۔ اگر یاد نہیں رہا تو اگلی بیس فروری کا انتظار فرمایئے اور اچھی طرح گھوم دیکھئے کہ کیا بیس فروری کو پنجاب میں کہیں بہار ہوتی ہے؟

اور وہ معمہ تو بدستور حل طلب رہا۔ کہ جس الہام کا تعلق تیسری بہار (۱۹۰۹ء) سے تھا۔ وہ پہلی بار میں کیسے پورا ہو گیا؟

۸۔ میاں منظور محمد کے گھر لڑکا

نوٹ:۔ از مسیح موعود

"بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد کے گھر میں محمدی بیگم (زوجہ منظور محمد) کا ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کے نام یہ ہوں گے بشیر الدولہ۔ عالم کباب۔ شادی خان۔ کلمۃ اللہ

خان۔'' (البشریٰ از بابو منظور الٰہی ج دوم صفحہ ۱۱۶)

لیکن ہوا یہ کہ لڑکے کی جگہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء کو ایک لڑکی پیدا ہوگئی۔ اس پر جناب مرزا صاحب نے لکھا۔

وحی الٰہی ہوئی تھی کہ وہ زلزلہ جو نمونۂ قیامت ہوگا۔ جلد آنے والا ہے۔ اس کے لیے یہ نشان دیا گیا تھا کہ پیر منظور محمد لدھیانوی کی بیوی محمدی بیگم کو لڑکا پیدا ہوگا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مگر بعد اس کے میں نے دعا کی کہ اس زلزلہ نمونۂ قیامت میں کچھ تاخیر ڈال دی جائے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خدا نے دعا قبول کر کے زلزلہ کسی اور وقت پہ ڈال دیا ہے اس لیے ضرور تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوتی۔ چنانچہ پیر منظور محمد کے گھر میں ۱۷ جولائی ۱۹۰۶ء کو بروز شنبہ لڑکی پیدا ہوئی۔ (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۱۰۵)

یاد رکھیے کہ لڑکا پیدا ہونے میں تاخیر ہوئی تھی۔ پیدائش منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

لیکن

کچھ عرصہ بعد محمدی بیگم کا انتقال ہوگیا۔ اور اس ''عالم کباب'' کے عالم وجود میں آنے کے تمام امکانات ہی ختم ہوگئے۔ اس ''حادثہ'' پر البشریٰ کا مصنف لکھتا ہے۔

''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ پیش گوئی کب اور کس رنگ میں پوری ہوگی۔ گو حضرت اقدس نے اس کا وقوعہ محمدی بیگم کے ذریعہ سے فرمایا تھا مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہے اس لیے اب تخصیص نام نہ رہی۔ بہرصورت یہ پیش گوئی متشابہات سے ہے۔''

(البشریٰ از بانو منظور الٰہی ج۔ دوم صفحہ ۱۱۶)

....

جناب مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔

بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہوسکتا۔ (اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت ج اول صفحہ ۱۱۸)

کنواری اور بیوہ

جناب مرزا صاحب پر ایک الہام نازل ہوا تھا۔

بکرٌ و ثیب

(کنواری بیوہ)

الہام کے معنی ملہم ہی سمجھ سکتا ہے۔

''ملہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنی سمجھ سکتا اور نہ کسی کا حق ہے جو اس کے مخالف کہے۔''

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷)

۱۸۹۹ء کے اواخر میں آپ نے اس الہام کی تشریح یوں فرمائی۔

خدا کا ارادہ ہے کہ وہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا ایک بکر (کنواری) ہوگی اور دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا۔ پورا ہو گیا۔ اور اس وقت بفضلہ چار پسر اس بیوی سے ہیں اور بیوہ کے الہام کا انتظار ہے۔ (تریاق القلوب تصنیف دسمبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۴)

یہ انتظار تا دم واپسیں جاری رہا اور کوئی بیوہ آپ کے نکاح میں نہ آئی۔ اس پر بابو منظور الٰہی نے لکھا۔

یہ الہام اپنے دونوں پہلوؤں سے حضرت ام المومنین (نصرت جہاں بیگم صاحبہ) کی ذات میں پورا ہوا۔ جو بکر آئیں اور ثیب (بیوہ) رہ گئیں۔ (مجموعہ الہامات صفحہ ۳۸)

....

بابو صاحب کی خدمت میں صرف اتنی ہی گزارش ہے کہ۔

''ملہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور نہ کسی کا حق ہے۔ جو اس کے مخالف کہے۔''

۱۰۔ بعض بابرکت عورتیں

جناب مرزا صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار نکالا تھا۔ اس کے متعلق بعد میں فرماتے ہیں۔

اس عاجز نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے ایک اشتہار میں یہ پیش گوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہوگی۔ (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۸۹)

اس اشتہار کے وقت آپ کے ہاں دو بیویاں موجود تھیں۔ فضل و سلطان کی والدہ۔ جسے بعد میں طلاق ہوگئی۔ اور نصرت جہاں بیگم صاحبہ جو موجودہ امام جماعت جناب میاں محمود احمد صاحب کی والدہ تھیں۔ نصرت بیگم صاحبہ کے بعد کسی اور عورت سے آپ کا نکاح نہیں ہوا۔

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

میری تائید میں خدا کے کامل اور پاک نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں اور اگر ان پیش گوئیوں کے پورا ہونے کے تمام گواہ اکٹھے کیے جائیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ساٹھ لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے۔ (اعجاز رضوی صفحہ ۱)

آپ کی بعض پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔ جن میں سے ہم لیکھرام اور احمد بیگ کی وفات میعاد معینہ میں ہے۔ بعض مناظرین نے انہیں بھی جھٹلانے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے دلائل اطمینان بخش نہیں اور ہمیں ان سے اتفاق نہیں گو اس حقیقت سے یقیناً اتفاق ہے کہ صرف پیش گوئی دلیل نبوت نہیں بن سکتی۔ جناب مرزا صاحب نے نعمت اللہ کی پیش گوئی کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔ نیز عبدالحکیم کی پیش گوئی آپ کی وفات کے متعلق پوری ہوئی اور یورپ کے مشہور منجم شیرو کی تو تمام پیش گوئیاں پوری نکلیں۔

ملاحظہ ہو اس کی مشہور کتاب

''بشارات عالم''

لیکن ان میں سے کوئی بھی نبی نہیں تھا۔

نواں باب

الہامات

میں جب آپ کے الہامات پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو مختلف قسم کی حیرانیاں مجھے گھیر لیتی ہیں۔

اول۔ اللہ کی ازل سے یہ سُنّت رہی ہے کہ وہ انبیاء پر ان کی اقوام کی زبان میں وحی نازل کرتا رہا۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ (ابراہیم: ۴)

(ہم نے ہر رسول پر صرف اس کی قوم کی زبان میں وحی نازل کی تھی)

یہاں حصر ہے "صرف قوم کی زبان میں" اور رسالت کی طویل تاریخ میں ایک بھی استثنا موجود نہیں۔ اگر کوئی ہے تو بتایئے۔ لیکن چودھویں صدی میں اللہ نے اپنی یہ عادت فوراً بدل ڈالی۔ اور جناب مرزا صاحب پر جو پنجابی نژاد تھے عموماً عربی الہامات اتارنا شروع کر دیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ قوم کی زبان پنجابی تھی۔ عربی سمجھنے والے لاکھ میں دو بھی نہیں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ دھڑا دھڑ عربی میں الہامات نازل کر رہا تھا۔

اس کی وجہ جناب مرزا صاحب یوں بیان فرماتے ہیں۔

یہی (عربی) ایک پاک زبان ہے۔ جو پاک اور کامل اور علومِ عالیہ کا ذخیرہ اپنے مفردات میں رکھتی ہے۔ اور دوسری زبانیں ایک کثافت اور تاریکی کے گڑھے میں پڑی ہوئی ہیں۔ ان لیے وہ اس قابل ہرگز نہیں ہو سکتیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل اور محیط کلام ان میں نازل ہو۔

(آریہ دھرم حاشیہ صفحہ ۸)

"تسلیم کر لیا کہ عربی ایک پاک اور کامل زبان تھی اور دوسری زبانیں کثیف و تاریک ہونے کی وجہ سے ہرگز اس قابل نہیں تھیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل و محیط کلام ان میں نازل ہوتا۔"

لیکن

پھر یہ کیا بات ہے کہ اسی خدا نے دیگر کثیف و تاریک زبانوں میں بھی سینکڑوں الہامات آپ پر نازل کیئے جن سے آپ کی تصانیف لبریز ہیں سمجھ میں نہ آیا کہ اللہ کو کون سی مجبوری پیش آئی تھی کہ اس نے ایک کامل اور پاک زبان کو چھوڑ کر تاریک و کثیف زبانوں میں بھی بولنا شروع کر دیا۔ اگر حقیقتاً باقی تمام زبانیں کثیف و تاریک تھیں۔ تو پھر آپ نے پوری بہتر کتابیں کثیف اردو میں کیوں لکھیں ہزارہا اشعار کثیف فارسی میں کیوں تصنیف فرمائے اور زندگی بھر پنجابی جیسی تاریک زبان کیوں بولتے رہے۔

دوم۔ مزید حیرت اس امر پر ہے کہ آپ کے الہامات میں عموماً قرآنی آیات ہیں جن میں کہیں کہیں کوئی نیا پیوند لگا ہوا ہے۔ یہ قرآنی آیات دوبارہ کیوں اتاریں۔ کیا یہ قرآن سے غائب ہو چکی تھیں یا اللہ کے پاس عربی الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا؟

سوم۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ یہ پیوند فصاحت کے لحاظ سے قرآنی آیات کے ہم سطح نہیں۔ مثلاً

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ وَ تَهْذِیْبِ الْاَخْلَاقِ ط

''یہ تہذیب الاخلاق'' کا جوڑ کس قدر غیر قرآنی واجنبی ہے۔

انت مِنّی بمنزلةِ وَلَدِی ط

(تو میرے بیٹے کی جا بجا ہے)

یہ منزلت کا استعمال خالص پنجابی قسم کا ہے۔ اس الہام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولاد بھی ہے۔ اسے اپنی اولاد سے گہری محبت ہے اور وہ مسیح موعود سے کہہ رہا ہے کہ مجھ کو تجھ سے اتنی محبت ہے جتنی اپنے بیٹے سے۔ اللہ کی کوئی اولاد نہیں۔ جب مشبہ بہ ہی مفقود ہے تو پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہوئی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ زید عمر سے کہے۔

''میں تجھے اتنا ہی پسند کرتا ہوں۔ جتنا اپنی تیسری آنکھ کو''

تیسری آنکھ ہوتی ہی نہیں۔ اس لیے یہ تشبیہ غلط ہے۔

عربی زبان میں مؤنث و مذکر کے لیے جدا جدا افعال ہیں۔ اگر مخاطب مرد ہو تو کہیں گے

قل (کہہ) مونث ہوتو قولی۔ افعل (تو مرد یہ کام کر) افعلی (تو عورت یہ کام کر)

لیکن ایک الہام میں یہ تمیز قائم نہیں رکھی گئی۔ قرآن کی ایک آیت تھی۔

یا آدم اسکن

آدم مرد تھا۔ اس کے لیے اسکن ہی صحیح تھا۔ لیکن جناب مرزا صاحب کے ایک الہام میں مخاطب عورت ہے۔ اور فعل مذکر۔

یا مریم اسکن

مریم مونث ہے۔ اس لیے اسکنی چاہیے تھا اگر یہ دو فقرے

۱۔ ماسی خدا بخش روٹی کھا رہی ہے۔

۲۔ بہن زینت بیگم چلا گیا ہے۔

غلط ہیں۔ تو پھر ''یا مریم اسکن'' کیونکر صحیح ہوا۔

میرے سامنے اس وقت اس طرح کی بے قاعدگیوں اور بوالعجبیوں کی ستر سے زیادہ مثالیں پڑی ہیں۔ جنہیں میں خوفِ طوالت سے نظر انداز کرتا ہوں۔

چہارم۔ جب کفار نے حضور علیہ السلام سے معجزات طلب کیے تو آپ نے فرمایا۔

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ط (بنی اسرآئیل:۹۳)

کہ میں تو صرف انسان ہوں اور رسول بھی۔ مطلب یہ کہ میرا کام ابلاغ وحی ہے۔ کرامات و معجزات دکھانا نہیں سارے قرآن کو الحمد سے والناس تک پڑھ جایئے۔ حضور علیہ السلام نے کہیں بھی اپنی رسالت کے ثبوت میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اور نہ کوئی تحدی کی۔ اگر کہا تو صرف اتنا ہی۔ کہ

''میں ولادت سے تمہارے درمیان رہ رہا ہوں۔ میری زندگی پہ نظر ڈالو۔''

یا یہ کہ

''اگر اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک ہے تو ایک سورہ ہی بنا لاؤ۔''

لیکن دوسری طرف جناب مرزا صاحب کی بہتر تصانیف۔

۱۔ اثباتِ نبوت ۲۔ نشانات

۳۔ بشارات شکستہ کی تاویلات ۴۔ انعامی اشتہارات

۵۔ اور تازہ پیش گوئیوں

سے لبریز ہیں۔ رسول کا کام ابلاغ رسالت ہے نہ کہ بشارات و تاویلات میں الجھ کر رہ جانا۔

پنجم۔ بائیبل میں گذشتہ انبیاء کے چھیاسٹھ صحائف شامل ہیں۔ پھر بدھ۔ زرتشت۔ کرشن اور سقراط کی تعلیمات بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ان سب کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ کو ان میں از ابتدا تا انتہا بلند اخلاقی ہدایات۔ سیاسی ضوابط اور معاشی فلاح کے لیے بے بہا گر ملیں گے۔ یہی حال قرآن حکیم کا ہے۔ آپ اس میں عبادات۔ اقتصادیات۔ سیاسیات اور مطالعۂ کائنات پر مکمل۔ روشن اور لافانی ہدایات پائیں گے۔ یہاں پیش گوئیوں کا جھگڑا نہیں۔ تاویلات یا انعامی اشتہارات کا چرچا نہیں۔ قیصر و کسریٰ کی خوشامد نہیں۔ کچھ بھی نہیں صرف انسانی اصلاح سے کام ہے و بس اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب کے الہامات میں ''جو بیس اجزا پہ مشتمل ہیں''۔ حیاتِ انسانی کا کوئی لائحہ عمل نہیں ملتا۔ ان میں نہ صوم و صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ نہ حج و زکوٰۃ کا۔ نہ مسائل نکاح و طلاق کا۔ نہ وراثت ارضی و تمکن فی الارض کا۔ نہ جہاد و صدقات کا۔ نہ حلال و حرام کا (الا ما شآء الله) ان میں ہے کیا؟ ستر فی صدی مسیح موعود کی تعریف۔

تو میرا بیٹا ہے۔ میری نسل تجھ سے شروع ہوگی۔ تیری عمر اسی کے قریب ہوگی۔ میں اپنی نعمتیں تم پہ مکمل کر دوں گا۔ فتح قریب ہے تم کامیاب رہو گے اور اعدا ذلیل ہوں گے۔ تم ہمارے ہاں بہت بلند ہو۔ تم مسیح ابن مریم ہو۔ تم جیسا موتی ضائع نہیں ہو سکتا خدا تجھے بچائے گا۔ ہم نے تجھے کوثر دیا۔ تم پر ہماری برکات نازل ہوں گی۔ تم الخلیفۃ السلطان ہو۔ تمہیں ملک

عظیم دوں گا۔

اور باقی بشارات وغیرہ۔ تاریخ انسانی کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ نے ایک
رسول بھیج کر الہام کی ساری مشینری اس کے اوصاف تراشنے پہ لگا دی۔
اور مخلوق کو وہ بالکل بھول گیا۔

یہ تو جناب مرزا صاحب کی نوازش خاص سمجھئے کہ آپ نے اپنے کچھ اوقات اصلاح اخلاق کے لیے بھی وقف فرمائے اور چند صفحات تطہیر اخلاق پر بھی لکھ ڈالے ورنہ خدا نے تو ۱۸۶۵ء سے لے کر ۱۹۰۸ء تک شاید ہی کوئی الہام اصلاح خلق کے لیے نازل کیا ہو۔

ششم۔ جناب مرزا صاحب کا اردو اسلوب تحریر مولویانہ تھا ان معنوں میں کہ روانی وسلاست کا خیال قطعاً نہیں رکھتے تھے علمائے مکاتیب کی طرح بھاری بھاری الفاظ، توالیٔ اضافات کے ساتھ استعمال فرماتے تھے۔ حشو وزوائد سے اجتناب نہیں کرتے تھے (تفصیل آگے) حروفِ عطف کی بھرمار سے جملے کا حلیہ بگاڑ دیتے تھے اجزائے جملہ کو شاذ ونادر ہی صحیح مقامات پہ رہنے دیتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ بعض اوقات ناکافی الفاظ کی وجہ سے بات مہمل سی ہو جاتی تھی۔

حیرت ہے کہ یہی تمام اوصاف ان الہامات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اردو۔ فارسی یا انگریزی میں آپ پہ نازل ہوئے۔ ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

''آسمان سے بہت دُود اترا ہے محفوظ رکھ۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۲)

دُود = دھواں

۱۔ یہاں یہ دُود کس قدر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اردو کے سادہ سے جملے میں فارسی کا یہ بھاری بھرکم لفظ گویا صحن چمن میں بھینسا باندھ دیا گیا۔ اور زیادہ عجیب یہ کہ دھواں ہمیشہ آسمان کی طرف جاتا ہے اور یہاں آنے کی خبر دی گئی ہے۔ ''اسے محفوظ رکھ'' کیا مطلب؟

۲۔ ''بہت سے سلام میرے تیرے پر ہوں۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۲)

یہ مضمون بہتر صورت میں بھی ادا ہو سکتا تھا۔ مثلاً

''تجھ پہ لاکھوں سلام

''تجھ پہ میرا سلام وغیرہ

فقرے کی موجودہ بناوٹ کافی مضحکہ خیز ہے۔

''بہت سے'' یہاں ''سے'' کا کونسا موقعہ ہے؟

''میرے سلام'' کی جگہ ''سلامی میرے'' کیوں؟ تقدیم مضاف الیہ کی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔

''تجھ پہ'' کی جگہ ''تیرے پر'' مہمل ہے ''تیرا'' ضمیر اضافت ہے اس کے ساتھ مضاف الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً تیرا کمرہ۔ تیری کتاب۔ تیرے بھائی وغیرہ۔ اہل زبان نے ''تیرے نفس'' اور ''میرے نفس'' کے لیے ''تجھ'' اور ''مجھ'' کے الفاظ رائج کر رکھے ہیں۔ اس لیے

یہ غلط ہیں	اور یہ صحیح ہیں
ا۔ وہ میرے کو کہتا تھا۔	ا۔ وہ مجھ کو کہتا تھا۔
۲۔ وہ تیرے کو بلاتا ہے۔	۲۔ وہ تجھ کو بلاتا ہے۔
۳۔ میں نے قلم تیرے کو دے دیا تھا۔	۳۔ میں نے قلم تجھ کو دے دیا تھا۔
۴۔ تیرے پر سلام۔	۴۔ تجھ پہ سلام۔

مان لیا کہ مرزا صاحب اچھی اردو نہیں جانتے تھے۔ لیکن اللہ کو کیا ہو گیا تھا کہ اس نے بھی غلط زبان کا استعمال شروع کر دیا تھا۔

نہ صرف غلط بلکہ بعض اوقات مہمل بھی

الہامات غلط زبان میں

(۱) (براہین صفحہ ۴۸۰)

آخری فقرے کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

''خدا کے کام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بدل نہیں سکتے۔''

(مکتوبات احمدیہ ج اول صفحہ ۶۸)

(۳) (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۰۳)

(۴) (براہین حاشیہ نمبر ۳ صفحہ ۵۵۶)

(۵) (براہین ح۔درج نمبر ۳ صفحہ ۴۷۹) (جھگڑالو)

(۶) (براہین ح۔درج نمبر ۳ صفحہ ۴۸۴)

ہے کوئی فقرہ درست ان الہامات میں؟ یہ خدا کا کلام ہے اور کس قدر مقام حیرت ہے۔ کہ خدا انگریزی نہیں جانتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچویں جماعت کے کسی بچے کی انگریزی ہے۔

''سیرت المہدی میں'' درج ہے۔

جناب مرزا صاحب نے سیالکوٹ کی محرری کے زمانے میں ایک نائٹ سکول میں انگریزی کی صرف ایک دو ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ (ملخص (حصہ اول صفحہ ۱۳۷)

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''یہ بالکل لغو اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی اور ہو۔ اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔'' (چشمہ معرفت صفحہ ۲۰۹)

عجیب الہامات

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

''میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا۔'' (البشریٰ ج ۲ صفحہ ۷۹)

۲۔ ''تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ بزدلی سے ہیں۔''

(انجام آتھم صفحہ ۵۵)

۳۔ ''بابو الٰہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔''

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۳)

۴۔ حضرت مسیح موعود نے ایک موقعہ پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔

(ٹریکٹ نمبر ۳۴ ۱اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمد)

۵۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۴۸۰)

۶۔ ''ڈگری ہوگئی ہے۔ مسلمان ہے۔'' (براہین ج درج صفحہ ۵۲۳)

۷۔ ''اے ازلی ابدی خدا بیڑیوں کو پکڑ کے آ۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳)

۸۔ ''زندگی کے فیشن سے دُور جا پڑے ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۴)

۹۔ ''خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ایک آدمی میرے پاؤں چوم رہا تھا اور میں کہہ رہا تھا کہ میں حجر اسود ہوں۔''

(اربعین نمبر ۴ حاشیہ صفحہ ۱۶)

۱۰۔ ''۵ مارچ ۱۹۰۵ء کو خواب میں ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنا نام ٹیچی ٹیچی بتایا۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۲)

''اتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے۔ایک کا نام خیراتی تھا۔''

(حیات النبی ج۔اول صفحہ ۹۵)

''۲۴ فروری ۱۹۰۵ء کو حالتِ کشفی میں جب کہ حضور کی طبیعت ناساز تھی۔ایک شیشی دکھائی گئی۔جس پر لکھا تھا۔''خاکسار پیپرمنٹ۔''

(مجموعہ الہامات ومکاشفات صفحہ ۳۸ وحی مقدس)

۱۱۔ ''دس دن کے بعد میں موج دکھاتا ہوں۔''

(براہین ج۔دو۔ح نمبر ۳ صفحہ ۴۶۹)

مہمل الہامات

۱۔ ''خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶)

۲۔ ''بڑے تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن خدا کی طرف سے سب پر اداسی چھا جائے گی۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ پھر تیرا واقعہ ہوگا۔ تمام عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔''

(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۷۔۱۰۸)

۳۔ فی شائل مقیاس۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۸)

۴۔ ایلی ایلی لما سبقتنی .ایلی اوس (براہین صفحہ ۵۱۳)

۵۔ ربنا حاج۔ ہمارا رب حاجی ہے۔'' (براہین ج۔ دو۔ ح نمبر ۳ صفحہ ۵۲۳)

۶۔ اشکر نعمتی رایت خدیجتی.

(میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو دیکھ لیا۔)

(براہین صفحہ ۵۵۷)

۷۔ ھو شعنانعسا (براہین ج۔ دو ح نمبر ۳ صفحہ ۵۵۶)

۸۔ پریشن۔ عمر۔ پیراطوس یعنی پڑاطوس یعنی پلاطوس۔

(مکتوبات احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۶۸)

جناب مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔

''خدا تعالیٰ کا کلام لغو باتوں سے منزّہ ہونا چاہیے۔''

(ازالہ اوہام ج۔ اوّل صفحہ ۱۵۵)

دسواں باب

وُسعتِ علم

جناب مرزا صاحب بار بار فرماتے ہیں کہ میری معلومات خدائی ہیں اور میں نے علم براہ راست اللہ سے حاصل کیا ہے۔

سَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّلُ وَ عَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ط

(اے احمد! میں نے تیرا نام متوکل رکھا۔ اور تجھے اپنی طرف سے علم سکھایا۔) (ازالہ صفحہ ۶۹۷)

وَ عَلَّمَنِی من لدنه واکرم ط (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۶۳)

(اللہ نے مجھے اپنی طرف سے علم سکھایا اور عزت دی)

وَھَب لِی علومًا مقدسّة نقیةً و معارف صَافیةً جَلیةً وَ علمّنی مَا لَم یَعلَم غیری مِنَ المعاصِرین ط (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۷)

(اللہ نے مجھے پاک مقدس علوم نیز صاف وروشن معارف عطا کیے۔ اور وہ کچھ سکھایا۔ جو میرے سوا کسی اور انسان کو اس زمانے میں معلوم نہ تھا۔)

آیئے۔ ذرا ''ان صاف وروشن معارف'' کا جائزہ لیں۔

۱۔ سیرت مقدسہ کا ہر طالب علم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے والد محترم آپ کی ولادت سے چند ماہ پہلے ایک تجارتی سفر میں فوت ہو گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا انتقال پورے چھ برس بعد ہوا تھا۔ لیکن جناب مرزا صاحب اپنی آخری تحریر میں فرماتے ہیں۔

''تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس کا باپ پیدائش سے چند دن بعد ہی فوت ہو گیا۔ اور ماں صرف چند ماہ کا بچہ چھوڑ کر مر گئی تھی۔'' (پیغام صلح ص ۱۹۔۲۰)

....

مت بھولیے کہ یہ مرزا صاحب کی آخری تحریر تھی۔ جو انہتر برس کے علمی مطالعہ کا نچوڑ تھی۔

پھر تحریر بھی اس ہستی کے متعلق جن کا ذکر ہر زبان پر اور چرچا ہر گھر میں ہے۔ اور واقعہ بھی ایسا جسے ہمارے کروڑوں واعظین تیرہ سو برس سے گلی گلی سنا رہے ہیں۔ اور جس سے ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آگاہ ہیں۔ حیرت ہے کہ جناب مرزا صاحب تاریخ نبوی کے اس مشہور ترین واقعہ سے بھی بے خبر نکلے۔

۲۔ خوارزم شاہی خاندان جس کا پایۂ تخت خیوہ یا خوارزم (روسی ترکستان) تھا۔ ۴۷۰ھ (۱۰۷۷ء) میں برسرِ اقتدار آیا۔ اور ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) تک زندہ رہا۔ یہ کل آٹھ بادشاہ تھے۔ پہلا انوشت گین اور آخری جلال الدین منکبرنی۔

(طبقات سلاطین اسلام از لین پول مترجمہ عباس اقبال ایرانی صفحہ ۱۶۱)

....

اسلام کا مشہور حکیم بوعلی بن سینا ۳۷۰ھ (۹۸۰ء) میں پیدا ہوا اور ۴۲۸ھ (۱۰۳۷ء) میں خوارزم شاہیوں کے ظہور سے بیالیس برس (قمری) پہلے فوت ہو گیا تھا۔

(تاریخ الحکما القفطی باب الکنیٰ)

لیکن:۔

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''اور پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بو علی سینا کے وقت میں تھا۔۔۔۔۔''

(مجموعہ الہامات ومکاشفات از منظور الٰہی صفحہ ۴۲۹)

جناب میاں محمود احمد صاحب فرماتے ہیں۔

''حضرت مرزا صاحب کی کتب بھی جبریلی تائید سے لکھی گئیں۔''

(الفضل ۱۰ جنوری ۱۹۲۱ء)

یعنی جبرائیل علیہ السلام بھی تاریخ کے معمولی معمولی واقعات سے بے خبر تھے۔

۳۔ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی خبر دی گئی ہے۔ خاص اگر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی۔ کہ ھذا خلیفۃ اللہ المہدی۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے۔ جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔

(شہادت القرآن صفحہ ۴۱)

اٹھائیے بخاری۔ اور راز اول تا آخر ہر سطر پڑھ جائیے۔ یہ حدیث نہیں ملے گی۔

''میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے۔ جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے۔''
(ازالہ صفحہ ۵۶۳)

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا تھا۔ اگر قوم میں کوئی جھوٹا نبی پیدا ہو جائے تو اسے قتل کر دو۔

لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے۔ جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔

(استثنا باب ۱۸ آیات ۲۰)

لیکن جناب مرزا صاحب دلیل افترا کے سلسلے میں اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

لیکن وہ نبی جو ایسی شرارت کرے کہ کوئی کلام میرے نام سے کہے جو کہ میں نے اس کا حکم نہیں دیا۔ کہ لوگوں کو سناتا اور وہ جو کلام کرے دوسرے معبودوں کے نام پر وہ نبی مر جائے گا۔

(ضمیمہ اربعین ۳۔۴ صفحہ ۸۔۹)

کجا یہ حکم کہ ''قتل کیا جائے''۔ اور کجا یہ خبر کہ ''مر جائے گا''۔ بائیبل کے تمام تراجم جو آج تک دنیا میں ہو چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ یہ ترجمہ کہیں نہیں ملے گا۔ جناب مرزا صاحب عبرانی زبان سے نا آشنا تھے اور بائیبل کے تراجم افراد نے نہیں بلکہ عبرانی علما کی پوری جماعتوں نے برسوں میں کیے تھے اور ان لوگوں نے ہر ہر لفظ کی پوری چھان بین کی تھی۔ ان کے ترجمہ کو مسترد کرنے کے لیے زبردست لغوی دلائل کی ضرورت ہے۔ جو مرزا صاحب نے پیش نہیں فرمائے اور بغیر از سند نیا ترجمہ پیش کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا ترجمہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ط"

(مسیح موعود کوئی بات اپنے پاس سے نہیں کہتا۔ بلکہ اس کا کلام خدائی وحی ہے۔) (اربعین نمبر۳ صفحہ ۳۹)

۶۔ "جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اس کی بیرونی حالت گویا حسن میں رشک یوسف تھی اور اس کی بیرونی حالت اپنی شوکت سے اسکندریہ رومی کو شرمندہ کرتی تھی۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۱۳)

یونان کے مشہور فاتح کا نام اسکندر تھا۔ اسکندریہ نہیں تھا۔ اسکندریہ مصر کا مشہور شہر ہے۔ بحیرۂ روم کے ساحل پر جس کی بنیاد اسکندر اعظم نے ڈالی تھی۔ (پیغام صلح صفحہ ۳۲)

۷۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

"سارے قرآن میں ایک دفعہ بھی ان کی خارق عادت زندگی اور ان کے دوبارہ آنے کا ذکر نہیں۔" (آسمانی فیصلہ صفحہ ۵)

"قرآن مجید میں آنے والے مجدّد کا بلفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں۔"

(شہادت القرآن صفحہ ۶۵)

اور پھر فرماتے ہیں:۔

"لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں پوری ہوتیں۔ جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا۔ تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا۔ وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لیے فتوے دیئے جائیں گے۔" (اربعین نمبر۳ صفحہ ۲۱)

قرآن میں ایسی پیش گوئی کہاں ہے۔ دو سو سے زیادہ مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔ ایک لفظ تک مسیح و علما کے تصادم کے متعلق میری نظر سے نہیں گذرا۔ کیا کوئی احمدی عالم کوئی ایسی پیش گوئی دکھا کر میری جہالت کو رفع فرمائیں گے؟

۸۔ علمائے تولید اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ حمل سے پہلے رحم کے سامنے ایک انڈا (انگریزی میں اووم کہلاتا ہے) منتظر رہتا ہے جونہی مخالطت کے وقت ماء الحیات کا کوئی ذرہ (جسے

انگریزی میں سپرم کہتے ہیں) اس انڈے سے مل جاتا ہے تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط پکڑ لیتے ہیں پھر سرک کر رحم میں چلے جاتے ہیں۔ رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ولادت تک کوئی سپرم قطعاً رحم میں داخل نہیں ہو سکتا یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔

لیکن

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واولات الاحمال ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یعنی حمل والی عورتوں کی طلاق کی مدت یہ ہے کہ وہ وضع (حمل) کے بعد طلاق کے دوسرا نکاح کرنے سے دست کش رہیں۔ اس میں یہی حکمت ہے اگر حمل میں نکاح ہو جائے تو ممکن ہے کہ دوسرے کا بھی نطفہ ٹھہر جائے اس صورت میں نسب ضائع ہوگی۔ اور یہ پتہ نہیں لگے گا کہ وہ دونوں لڑکے کس باپ کے ہیں۔

(آریہ دھرم صفحہ ۲۱)

....

اگر بالفرض حمل کی حالت میں بھی ''نطفہ ٹھہر جائے'' اور پہلے حمل پر چار ماہ گزر چکے ہوں دوبارہ کے بعد تیسرا حمل ٹھہر جائے پھر ایک ماہ کے بعد چوتھا اور ہر بچہ نو ماہ کے بعد پیدا ہو تو غریب بیوی سارا سال بچے جنتی رہے۔

۹۔ ایک اور دلچسپ بات سنیئے۔

''اور موتی کا کیڑا بھی ایک عجیب قسم کا ہوتا ہے اور بہت نرم ہوتا ہے اور لوگ اس کو کھاتے بھی ہیں۔'' (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۷)

ہے کوئی گوہر شناس جو اس نکتہ کی تائید کرے۔

۱۰۔ ہم نے تو سن رکھا ہے کہ تیتر۔ بٹیر۔ بھٹ تیتر کا گوشت بڑا لذیذ اور صحت افزا ہوتا ہے لیکن آپ فرماتے ہیں۔

''بٹیر کے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔''

(سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۳۲)

کیا کوئی ماہر طب اس پہ روشنی ڈالیں گے؟

۱۱۔ آپ کا چوتھا فرزند مبارک احمد ۴ صفر ۱۳۱۷ھ کو بروز چہار شنبہ پیدا ہوا تھا۔ اس کی پیدائش پہ فرماتے ہیں۔

''اور جیسا کہ وہ چوتھا لڑکا تھا۔ اس حساب سے اس نے اسلامی مہینوں میں سے چوتھا یعنی صفر اور ہفتہ کے دنوں میں چوتھا دن یعنی چار شنبہ اور دن کے گھنٹوں میں سے بعد از دوپہر چوتھا گھنٹہ لیا۔'' (تریاق القلوب صفحہ ۴۱)

اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے جس کا دوسرا مہینہ ہے صفر لیکن آپ اسے چوتھا قرار دیتے ہیں۔ پھر اسلامی ہفتہ شنبہ سے شروع ہو کر جمعہ پہ ختم ہوتا ہے۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
شنبہ	یک شنبہ	دوشنبہ	سہ شنبہ	چہار شنبہ	پنجشنبہ	جمعہ

اور چہار شنبہ پانچواں دن ہے لیکن آپ اسے چوتھا کہتے ہیں۔ ''میں زمین کی باتیں نہیں کہتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا نے میرے منہ میں ڈالا ہے۔''

(پیغام صلح صفحہ ۳۲)

۱۲۔ اب ایک طبی نکتہ سنیئے۔

''روزہ رکھو۔ کہ وہ خصی کر دیتا ہے۔'' (آریہ دھرم صفحہ ۲۳)

اور یہ بھی کہ۔

''میں بغیر خدا کے بلائے بول نہیں سکتا اور بغیر اس کے دکھانے دیکھ نہیں سکتا۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷۸)

گیارھواں باب

نبی فصیح البیان ہوتا ہے

تجربہ شاہد ہے کہ وہی فلسفی۔ حکیم ادیب یا شاعر قبولیت عامہ حاصل کرتا ہے جس کا انداز بیان بہت شستہ۔ برجستہ۔ سلیس اور بلند ہو۔ مولانا آزاد کی ''آب حیات'' سعدی کی گلستان اور حریری کی مقامات اسی لیے مقبول ہوئیں کہ یہ کتابیں فصاحت و بلاغت کا شاہکار تھیں۔

خود اپنے زمانے میں دیکھئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ علامہ نیاز فتح پوری۔ ڈاکٹر احتشام حسین۔ احمد ندیم قاسمی۔ قتیل شفائی۔ علامہ مشرقی۔ جگر مرادآبادی۔ جوش ملیح آبادی۔ مولانا ظفر علی خاں۔ امتیاز علی تاج وغیرہم کو دنیائے علم و ادب میں اسی لیے مقام بلند حاصل ہے کہ ان کی انشا ادب۔ ترنم اور برجستگی کا دلنواز امتزاج ہے انسان فطرتاً حسن پسند واقع ہوا ہے۔ حُسن کے مظاہر بے شمار ہیں یہ فضائیں یہ گھٹائیں یہ دریا یہ چشمے۔ یہ نغمے۔ یہ زمزمے یہ رنگین پھول یہ ملیح چہرے یہ گنگناتے ہوئے شعر یہ لہراتے ہوئے جملے سب حسن کے نشیمن ہیں۔ تاریخ کو دیکھئے کہ وہ خطیب کامیاب ہوا جس کی تقریر میں ہم آہنگی تھی۔ جون آف آرک کی آتش بیانی نے سارے فرانس میں آگ لگا دی تھی۔ ہٹلر کی بلند تقریروں نے جرمنی کو فولادی چٹان بنا دیا تھا۔ چرچل کے حیات انگیز خطبوں نے جنگ عظیم (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) کا پانسہ پلٹ دیا تھا۔ علامہ اقبال کی اعجاز سرائی نے دس کروڑ مسلمانوں میں آزادی کی آگ بھڑکا دی تھی اور قائداعظم کی آتش نوائی نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کو جنم دیا تھا۔ بات میں روانی و برجستگی نہ ہو تو قطعاً کوئی نہیں سنتا۔ خواہ آپ قرآن کا ترجمہ ہی کیوں نہ سنا رہے ہوں۔

فصاحت ایک نہایت کمیاب جوہر ہے جو کروڑوں میں ایک کو ملتا ہے۔ ہندو پاک کے پچاس کروڑ نفوس پہ نظر ڈالیے اور فرمائیے کہ ان میں فصیح البیان ادیب و خطیب کتنے ہیں۔ شاید آپ پچاس نام بھی نہ بتا سکیں یہی حال دیگر ممالک کا ہے۔

فصاحت ایک ایسی طاقت ہے جس نے دنیا میں ہزار ہا انقلاب بپا کیے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے اسلامی انقلاب پہ نگاہ ڈالیے یہ کس کا اعجاز تھا کہ شتر بان جہاں بان بن گئے تھے اوران منتشر قطروں میں سمندروں کا جلال پیدا ہو گیا تھا۔ صرف فصیح و بلیغ قرآن کا۔ جس کا ہر لفظ بجتا ہوا ساز تھا اور ہر دل گداز بات حضور علیہ السلام کے منہ سے نکل کر سیدھی دلوں میں جا بیٹھتی اور روح میں ایک آگ بھڑکا دیتی تھی۔ اگر قرآن جوہر فصاحت سے عاری ہوتا۔ تو شاید کوئی کان اس کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ یہ قرآن کی دل افروز موسیقی کا اثر تھا کہ چند آیات سن کر نجاشی کے رخسار آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے۔ فاروق کی تیغ خوں آشام دفاع اسلام کے لیے بے نیام ہو گئی تھی۔ اور قیصر روم نے مایوس ہو کر کہا تھا۔

''اگر عربوں کی حالت وہی ہے جو اے قاصد تم نے بیان کی ہے تو سن لو کہ وہ بہت جلد اس زمین کے مالک بن جائیں گے۔ جو آج میرے قدموں کے نیچے ہے۔''

داناؤں سے سنا ہے کہ قلم تلوار سے بڑی طاقت ہے لیکن کونسا قلم'' وہ قلم جو پھول برسانے پہ آ جائے تو صحراؤں کو رشک ارم بنا دے اور شعلے برسانے لگے تو فضاؤں میں چنگاریاں دہکنے لگیں نہ وہ قلم جو بلند سے بلند تخیل کے پیٹ میں چھرا بن کر پیوست ہو جائے۔

فصاحت کیا ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے مختصراً یہ کہ الفاظ میں ترنم ہو۔ بندشوں میں چستی ہو۔ تحریر میں روانی ہو۔ کلام حشو و زوائد سے پاک ہو۔ خلاف محاورہ نہ ہو۔ الفاظ موضوع کے مطابق ہوں۔ اگر خطیب کسی مجمع کو جانبازی کا سبق دے رہا ہے تو اس کے کلام میں زور۔ تسلسل۔ ہیبت اور جلال ہو۔ اگر کربلا کا منظر کھینچ رہا ہے تو رقت۔ سوز اور گداز ہو۔ ڈھیلی بندشیں اور سست ترکیبیں بات کو نیم جان بنا دیتی ہیں اور مخاطب کو مضمحل۔ ذوقؔ و غالبؔ نے بارہا ایک ہی مضمون پر قلم اٹھایا۔ چونکہ ذوقؔ بے حد بدذوق تھا۔ اس لیے اس کا ہر تخیل منہ کے بل گرا۔ اور غالبؔ اپنے حُسنِ مذاق۔ حُسنِ تخیل اور حُسنِ بیان کی بدولت ادب پرستوں کا معبود بن گیا۔ فلسفۂ زندگی پہ دونوں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ذوقؔ کہتا ہے۔

ذوقؔ اس بحر فنا میں کشتی عمر رواں
جس جگہ جا کر لگی وہی کنارہ ہو گیا

بحرِ زندگی ''بحرِ فنا'' کہنا۔ ''جس جگہ جا کر'' میں ''تین جیم جمع کر دینا۔ دہی کو'' دوہی'' باندھنا ''بن گیا'' کی جگہ ہو گیا اور صرف ایک شعر میں ''اس''، ''رواں'' اور ''جا کر'' جیسے تین زوائد (فالتو الفاظ) بھر دینا بد مذاقی کی انتہا ہے۔

دوسری طرف غالبؔ زندگی کو ایک ایسے ''رخشِ سرکش'' سے تشبیہ دیتا ہے جو سرپٹ بھاگا جا رہا ہے۔ دہشت زدہ سوار کے ہاتھ باگ پر نہیں اور نہ پاؤں رکاب میں ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس سوار کی منزل کہاں ہوگی۔ اور انجام کیا۔

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے

نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

کسی فلسفی سے پوچھئے کہ زندگی کی کتنی صحیح تصویر کھینچی ہے اور کسی ادیب سے پوچھئے۔ کہ زورِ بیان اور رفعتِ تخیل کے لحاظ سے یہ کتنا فصیح شعر ہے۔

تو ہم کہہ یہ رہے تھے کہ دنیا میں وہی ادیب و خطیب کامیاب رہتا ہے جو وصفِ فصاحت کا حامل ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اعجازِ فصاحت عطا کیا تھا۔ جناب مرزا صاحب بھی فصاحت و بلاغت کی انقلابی طاقت سے آگاہ تھے اور اسی لیے بار بار فرماتے ہیں۔

''قصار عونی فی فصاحته البیان'' (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ)

(اللہ نے اپنے فضل سے مجھے فصیح البیان بنایا۔)

انما اوتیت بالایات و القوة القدسیة و حسن البیان

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۳)

(اللہ نے مجھے نشانات دیے۔ نیز قوتِ قدسیہ اور حسنِ بیان کی نعمت عطا کی۔)

کلامٌ افصحت من لدن رب حکیم. (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳)

(میرے کلام کو ربِ حکیم نے فصیح بنایا۔)

جنابِ مرزا صاحب کے ارشادات پانچ زبانوں میں ملتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔

انگریزی اور پنجابی ۔ پنجابی میں صرف ایک آدھ الہام ہے انگریزی اقوال صفحاتِ گذشتہ میں درج ہو چکے ہیں ۔عربی زبان آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ خطبہ الہامیہ۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر ۔ اعجاز المسیح اور چند دیگر قصائد و مقالات ۔ آپ عربی زبان میں مہارت رکھتے ہیں۔ قلم برداشتہ لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں چونکہ کسی غیر زبان پر پوری قدرت حاصل کرنا دشوار ہے اس لیے یہاں بھی لغزشیں پائی جاتی ہیں کہیں فعل و فاعل میں تطابق نہیں۔ کہیں ضمیر و مرجع میں ہم آہنگی نہیں اور کہیں پنجابی محاورات کو عربی میں منتقل کر دیا ہے یہ اغلاط کم سہی لیکن موجود ضرور ہیں۔ تفصیل کا انتظار فرمایئے۔

آپ کا فارسی کلام عموماً اشعار پر مشتمل ہے۔ رنگ استادانہ ہے۔ مشکل زمینوں میں کامیابی سے اشعار کہتے ہیں۔ مضمون تصوف یا عشق رسول ہے۔ اور کہیں کہیں ایسے اشعار بھی آ جاتے ہیں کہ بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ بعض اشعار میں اقبال کا رنگ اور فلسفہ جھلکتا ہے۔ مثلاً

از یقین ہا می نماید عالمے

کاں نہ بیند کس بصد عالم ہے (براہین)

(یقین سے وہ عالم پیدا ہو جاتا ہے جس کی مثال سو دنیاؤں میں نہیں مل سکتی)

(یا)

چو شام پر غُبار و تیرہ حال عالمے بینم

خدا بروے فردو آر و دعا ہائے سحر گاہم (براہین)

(غبار آلود شام کی طرح دنیا تاریک ہو رہی ہے خدا ان ظلمتوں پر میری دُعاہائے سحر نازل کرے۔)

زبان و تخیل کے لحاظ سے خوب شعر ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ غیر زبان میں لکھتے وقت اغلاط سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ آپ کا فارسی کلام بھی لغزشوں سے خالی نہیں۔ باقی رہا آپ کا اردو کلام ۔ تو اس پر ہم قدرے بسط کے ساتھ نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ا۔ محلِّ الفاظ

دائرہ ذیل میں چند الفاظ بے ترتیبی سے بھرے ہوئے ہیں۔

ا۔ محمود

۲۔ خالد لاہور

۳۔ گیا سے

۴۔ ملنے

ان الفاظ کو کسی طرح ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

ا۔ خالد لاہور سے گیا ملنے محمود

۲۔ لاہور خالد سے ملنے گیا محمود

۳۔ گیا لاہور ملنے محمود خالد سے

قس علیٰ ہذا۔ اور یہ سب صورتیں غیر فصیح کہلائیں گی۔ اس لیے کہ اجزائے جملہ اپنے محل پر نہیں اردو میں فعل آخر میں ہوتا ہے فاعل پہلے اور دیگر متعلقات بعد میں۔ ''چونکہ ملنا'' لاہور میں پہنچنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے اس لیے لاہور کا ذکر پہلے آنا چاہیے۔ تو ان الفاظ کی صحیح ترتیب یہ ہوگی۔

محمود خالد سے لاہور ملنے گیا

'لاہور' کے بعد 'میں' اور 'ملنے' کے بعد' کے لیے' ایجاز (اختصار) کی خاطر حذف کر دیئے گئے۔ کہ ایجاز جانِ فصاحت ہے۔

دوسری مثال:۔ ''مارا محمود کو میں نے''

اس جملے میں ''مارا'' فعل ہے اجس کا صحیح مقام آخر میں ہے۔ ''میں'' فاعل ہے اور 'محمود' مفعول۔ فاعل مفعول سے پہلے ہونا چاہیے۔ اس لیے جملے کی صحیح صورت یہ ہے۔

''میں نے محمود کو مارا۔''

صحت فصاحت کی بنیاد ہے اگر کسی فقرے میں قواعد کی اغلاط موجود ہوں تو وہ فصیح ہو ہی

نہیں سکتا۔ ان الفاظ پر غور فرمائیے۔ فلاسفہ۔ فلاطونی۔ گروہ۔ خیر محض علم۔ صرف۔ سب کے سب فصیح الفاظ ہیں۔ ان کی ترتیب اس طرح بھی ہوسکتی ہے۔ ''فلاسفہ کا فلاطونی گروہ صرف علم کو خیر محض سمجھتا ہے۔

اور اس طرح بھی:۔

''فلاسفہ کے فلاطونی گروہ صرف علم کو خیر محض سمجھتے ہیں۔''

پہلا جملہ فصیح ہے اور دوسرا غیر فصیح۔ اس لیے کہ دوسرے میں جمع و مفرد اور مؤنث و مذکر کی تمیز قائم نہیں رکھی گئی۔

تو گویا فصاحت کے لیے ضروری ہے کہ کلام اغلاط سے مبرا ہو اور ہر لفظ اپنے صحیح مقام پر ہو۔ جب ہم جناب مرزا صاحب کی تحریرات کو اس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں تو اندازاً پچاس فیصد ایسے جملے ملتے ہیں۔ جن کی ترتیب فطری نہیں۔ چند امثلہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اور ایک جماعت محققین کی بھی یہی معنی آیت موصوفہ بالا کے لیتی ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۲۶)

اردو میں مضاف الیہ ہمیشہ پہلے آتا ہے لیکن یہاں مضاف ایک جماعت پہلے ہے۔ اسی طرح ''یہی معنے'' (مضاف) ''آیت موصوفہ'' (مضاف الیہ) سے پہلے مذکور ہوا۔ ''موصوفہ'' میں ''بالا'' کا مفہوم موجود ہے اس لیے ''بالا'' زائد ہے۔ جملہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

''اور محققین کی ایک جماعت بھی آیت موصوفہ کے یہی معنے لیتی ہے۔''

''خدا تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل وفاداری کا تعلق ہوتا ہے۔''

(ازالہ صفحہ ۴۴۶)

''کو'' علامت مفعول ہے نہ کہ نشانِ اضافت اس لیے یہاں ''کا'' چاہیے۔ کے ''ساتھ'' کی جگہ ''سے'' کافی ہے۔

....

۲۔ اصل بات یہ ہے کہ شیعہ کی روایات کے بعض سادات کرام کے کشفِ لطیف پہ بنیاد

معلوم ہوتی ہے۔ (ازالہ صفحہ ۴۵۷)

"اصل بات" کے ساتھ "معلوم ہوتی ہے" بے معنی ہے کیونکہ وہ مظہر یقین ہے اور یہ مخبر اشتباہ۔ باقی فقرہ مہمل ہے "بنیاد" مضاف ہے اور روایات مضاف الیہ۔ دونوں میں سات الفاظ حامل ہیں۔ یہ انفصال علمائے فصاحت کے ہاں ناروا ہے۔ جملے میں "کے لیے" کی تکرار ذوق خراش ہے فقرہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ شیعی روایات کی بنیاد بعض سادات کرام کے کشفِ لطیف پہ رکھی گئی ہے۔

....

۳۔ کہ میری اس تجویز کے موافق جو میں نے رائے دینے چندہ کے لیے رسالہ مذکورہ میں لکھی ہے۔ (ازالہ صفحہ ۴۷۴)

ملاحظہ کی یہ ترکیب "دینے چندہ کے لیے"

گو جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں اس طرح کی ہزار ہا مثالیں موجود ہیں۔ لیکن ہم صرف انہیں امثلہ پہ اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ ثقیل الفاظ

جس طرح ایک ساز سے دو قسم کے سُر نکلتے ہیں۔ لطیف و ثقیل اسی طرح الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ہلکے اور بھاری۔ یا یوں سمجھئے کہ بعض الفاظ مترنم ہوتے ہیں۔ جیسے تبسم۔ روان۔ عیاں دواں۔ قائم دائم وغیرہ۔ اور بعض غیر مترنم مثلاً کھوا۔ بدھو۔ اگاڑی۔ پچھاڑی۔ پنگو۔ بھوت۔ بھبوکا۔ لگڑ بگڑ وغیرہ دیدہ سے نینن۔ محبت سے پریم۔ کشتی سے نہا سمندر سے ساگر۔ پہاڑ سے کوہ قطرے سے بوندی۔ عشق سے پیت اور معشوق سے پیتم۔ ہلکے اور سُریلے الفاظ ہیں۔ ادیب کا فرض ہے کہ وہ تحریر میں ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کرے اور ثقیل و کثیف الفاظ سے بچے "علماو حکما اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔"

اس مضمون کو ایک مولانا صاحب یوں ادا فرماتے ہیں۔

علمائے محققین وحکمائے مدققین وحاملین علم المعرفت والیقین ودانایانِ اسرارِ شرع متین پر یہ حقیقت عامضہ کالشمس واضح ومبرہن ہے۔

یہ تو خیر گذری کہ مولانا نے الفاظ کو اپنے صحیح مقامات پہ رہنے دیا ورنہ وہ ملغوبہ تیار ہوتا کہ عمر بھر سمجھ میں نہ آتا۔

لطیف ومترنم الفاظ کا انتخاب ذوق سلیم کا کام ہے۔ادبی مذاق جتنا بلند ہوگا۔انتخاب اتنا ہی اچھا ہوا۔اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ایسے ہلکے پھلکے شیریں اور متبسم الفاظ چنتے کہ صفحۂ قرطاس دامانِ گل فروش بن جاتا یہی حال ندیم واختر شیرانی کا ہے میں ان کی نظمیں پڑھتا ہوں تو یوں محسوس کرتا ہوں۔ گویا غم کی دیوی ستار بجا رہی ہے اور فضائیں ترانے انڈیل رہی ہیں۔ کیا یہی کیف وسُرور جناب مرزا صاحب کے ہاں بھی موجود ہے؟ نہیں وہاں ادبی رنگینیاں نام کو نہیں۔وہی علمائے مکاتب کا کھر دراسٹائل لمبے لمبے غیر مربوط جملے اور ثقیل الفاظ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

> جب ہم اپنے نفس سے بکلی فنا ہو کر دردمند دل کے ساتھ لایدرک وجود میں ایک گہرا غوطہ مارتے ہیں۔ تو ہماری بشریت الوہیت کے دریا میں پڑھنے سے عندالعود کچھ آثار وانوار اس عالم کے ساتھ لے آتی ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۳۱)

ان کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی جاتی ہے جو تکبر اور نخوست اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بخل اور تنگ دلی سب دور کی جاتی ہے اور انشراح صدر اور بشاشت عطا کی جاتی ہے۔ (ازالہ صفحہ ۴۴۵)

....

''اور نیز بباعث ہمیشہ کے سوچ اور بچار اور مشق اور مغززنی اور استعمال قواعد مقررہ صناعتِ منطق کے بہت سے حقائق علمیہ اور دلائل علمیہ اس کی متحضر ہو گئے ہیں۔''

(ر۔ ۱۴۱۔ صفحہ ۱۴۴)

آپ کا اسلوب بیان از سر تا پا سست بندشوں۔ غیر مربوط جملوں اور ثقیل ترکیبوں کا ایک غیر مختتم سلسلہ ہے۔

۳۔ تکرارِ الفاظ

علمائے فصاحت کا یہ فیصلہ ہے کہ ایک ہی لفظ کا بار بار۔ اعادہ کلام کو پایہ فصاحت سے گرا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ لطیف المذاق شعر ایک غزل میں کسی قافیہ کو دوبارہ نہیں باندھتے اور جہاں تک ممکن ہو کسی جملے میں ایک ہی لفظ کے اعادہ سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ ہاں بعض مقامات پر ترنم یا زور پیدا کرنے کے لیے ایک لفظ کو دُہرایا جاتا ہے۔ مثلاً:۔

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں (غالبؔ)

....

برسات کا ایک منظر ملاحظہ ہو۔

مستی سیمیں پر سُو لرزاں پتی پتی کیف بداماں
ہلکی ہلکی بوندیں برسیں گلشن گلشن نغمے رقصاں
سبزہ اُبھرا دھانی دھانی
دنیا ہے رنگین کہانی

....

مہکی مہکی آئی ہوائیں بہکی بہکی چھائی گھٹائیں
دہکا دہکا رنگِ گلستاں بھیگی بھیگی مست فضائیں
ذرّہ ذرّہ محو تبسم
فطرت میں نغموں کا تلاطم

(مصنف کے دورِ شاعری کی یادگار)

....

رخت بہ کاشمر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ببیں لالہ چمن چمن نگر (اقبالؔ)

....

یوں کہہ لیجئے کہ تکرار کی دو صورتیں ہیں۔ ملیح وقبیح۔ اقتباساتِ ذیل میں تکرار کی کونسی قسم ہے۔ فیصلہ آپ پہ چھوڑتا ہوں۔

بوڑھے ہوکر پیرانہ سالی کے وقت میں۔۔۔۔۔۔(دیباچہ براہین ص ب)

....

بڑھاپا اور پیرانہ سالی مترادف ہیں۔ اردو میں ''وقت'' کے ساتھ ''میں مقدر ہوتا ہے۔'' ''دوپہر کے وقت''۔ ''شام کے وقت'' صحیح ہے۔ اور ''دوپہر کے وقت میں'' غلط ہے۔

''ائمہ اربعہ کی شہادت گواہی دے رہی ہے۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ۹)

....

شہادت کے معنی بھی گواہی ہیں۔

چنیں زمانہ چنیں و دریں چنیں برکات
تو بے نصیب روی وہ چہ ایں شقا باشد (تریاق صفحہ۷)

....

چنیں کی گردان ملاحظہ ہو۔

''درحقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں۔ جو ایک لایدرک بھید کے طور پر جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی۔۔۔۔۔۔۔'' (ازالہ صفحہ ۴۴۰)

....

''لا یـــــدرك بھید کے معنی ہی ہیں۔ وہ راز جس کی تہ تک انسانی عقل نہ پہنچ سکے۔ تو پھر ''جس کی تہ تک انسان کی عقل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' کی ضرورت؟

....

اگر کئی مرکبات عطفی ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ تو صرف آخری معطوف سے پہلے واؤ لاتے

ہیں۔ مثلاً:۔

''میں نے بازار سے کتاب۔ قلم۔ پنسل۔ چاقو اور دوات خریدی۔''

لیکن جناب مرزا صاحب ''اس سنتِ حسنہ'' کو خاطر میں نہیں لاتے براہین کا وہ جملہ پھر پڑھیئے اور گنیے کہ ایک فقرے میں اور کا کتنی مرتبہ اعادہ ہوا۔

''اور نیز بباعث ہمیشہ کے سوچ بچار اور مشق اور مغز رانی اور استعمال قواعد مقررۂ ضاعت منطق کے بہت سے حقائق علمیہ اور دلائل نقیہ اس کو متحضر ہو گئے ہیں۔

۴۔ توالی اضافت وتوصیف

یہ ایک فنی اصلاح ہے توالی کے معنی ہیں تسلسل اور تواتر۔ ادب اردو میں یہ سنت قائم ہو چکتی ہے کہ نثر میں ایک سے زیادہ اضافت یا توصیف روا نہیں۔ ''اوراقِ تاریخ، فضائے گردوں اور لالہ صحرا'' تو درست ہیں۔ لیکن اوراقِ تاریخ۔ عصرِ کہن۔ فضائے نیلفامِ گردوں اور لالہ تنہائے صحرا درست نہیں۔ وجہ یہ کہ دوہری اضافت ثقیل ہو جاتی ہے اور مذاقِ سلیم پر گراں گذرتی ہے جناب مرزا صاحب اس پابندی سے بھی آزاد ہیں۔ ان کے کلام میں توالی اضافات کا عیب از اول تا آخر پایا جاتا ہے۔ صرف چند مثالیں حاضر ہیں۔

۱۔ وہ لوگ کیسے بدفہم ہیں۔ جو ایسے ذریعۂ کاملہ وصول حق سے اپنے تئیں مستغنی سمجھتے ہیں۔ (ازالہ صفحہ ۴۳۰)

۲۔ ''مگر اب بوجۂ احاطۂ جمیع ضروریات تحقیق وتدقیق اور اتمام حجت کے۔۔۔۔۔''

براہین ابتداعنوان (مسلمانوں کی حالت اور اسلام کی غربت ۱)

۳۔ ''تا امت موسویہ اور امت محمدیہ میں ازروئے موردِ احسانات حضرتِ عزت ہونے کے پوری پوری مماثلت ثابت ہوئے۔ (ازالہ صفحہ ۴۴۶)

....

۵۔ حشو وزوائد

ہر شخص جانتا ہے کہ کھانا منہ کا فعل ہے۔ چلنا پاؤں کا۔ سننا کان کا اور دیکھنا آنکھ کا۔ اس لیے یہ کہنا کہ:۔

۱۔ زید منہ سے کھا رہا ہے۔ ۲۔ کانوں سے سن رہا ہے۔

۳۔ اور پاؤں سے چل رہا ہے۔

درست نہیں۔ ان جملوں میں ''منہ سے کانوں سے اور پاؤں سے'' فالتو الفاظ ہیں۔ اسی طرح اس جملے میں۔

''اس کے پاؤں میں تو بس خدا جانتا ہے کہ ایک چکر سا ہے۔'' ''تو بس خدا جانتا ہے کہ ایک چکر سا ہے''۔ سب بیکار اور زائد الفاظ ہیں۔

ذوقؔ کے اس شعر میں:۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنسکر گزار یا اسے رو کر گزار دے

''طبیعی'' اور ''گزار'' فالتو ہیں۔

جناب مرزا صاحب کے کلام میں حشو وزوائد کی وہ بھرمار ہے کہ اگر ایسے تمام جملے جمع کر دیئے جائیں۔ تو دس ضخیم مجلدات تیار ہو جائیں۔ یہاں صرف چند مثالیں حاضر ہیں:۔

۱۔ سو بعد اس کے قرآن قیامت کے آنے پر اپنے اعجازی بیانات اور تاثرات احیائے موتے سے دلیل محکم قائم کر رہا ہے۔ (ازالہ صفحہ ۴۲۷)

اس میں فالتو الفاظ ہیں۔

۱۔ سو بعد اس کے کہ — ایک لفظ ''جب'' کافی تھا۔

۲۔ اپنے اعجازی بیانات اور تاثیرات — ''اپنے'' بیکار ہے۔ ''اعجازی بیانات اور تاثیرات احیائے موتے'' احیائے موتے مہمل و بے ربط ہونے کے علاوہ توالی اضافات سے بھی واغدار ہیں۔

....

۲۔ اجماع ان امور پر ہوتا ہے جن کی حقیقت بخوبی سمجھی گئی اور دیکھی گئی اور دریافت کی گئی۔ اور شارع علیہ السلام نے ان کے تمام جزئیات سمجھا دیئے۔ دکھا دیئے۔ سکھلا دیئے۔

(ازالہ ص ۴۲۷)

خط کشیدہ جملے بیکار ہیں۔ ''ان کے تمام جزئیات ''جزئیات'' مونث ہے۔ اس لیے کی چاہیے۔ یہ جزئیات دکھانا اور سکھلانا مہمل ہے۔

....

۳۔ پھر جب ہم اس آیت پر نظر ڈالیں کہ جو اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۳۷)

کیا کوئی آیت ایسی بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو تو پھر'' کہ جو اللہ جل شانہ قرآن میں فرماتا ہے'' کی ضرورت؟

یہ ابتدا میں ''پھر'' کی کیا حاجت تھی اور یہ ''کہ جو'' کا ''گلجوڑ'' کا خوب ہے اسم موصول (جو آدمی جس کتاب وغیرہ) سے پہلے کہ کا استعمال معیوب ہوتا ہے۔ ''ڈالیں'' کہ جگہ ''ڈالتے ہیں'' چاہیے۔ یہ مضمون ان الفاظ میں ادا ہو سکتا تھا۔

ہم جب اس آیت پر نظر ڈالتے ہیں تو..........''

....

''اگر کشتی دین کی ان کی نظر کے سامنے ساری کی ساری ڈوب جائے۔''

(براہین دیباچہ ب)

اغلاط کی تفصیل:۔

۱۔ کشتی دین کی   دین کی کشتی چاہیے۔

۲۔ کی نظر   زائد

۳۔ ساری کی ساری   بیکار ''ڈوبنے'' کا مفہوم ہی یہی ہے کہ کوئی چیز پانی میں چھپ جائے۔

۶۔محاورہ

محاورہ اہل زبان کی بول چال اور اسلوب بیان کا نام ہے جس کی پابندی لازمی ہے۔اہل زبان ''غم کھانا'' کہتے ہیں۔ ''غم پینا'' نہیں کہتے۔

اسی طرح:۔

۱۔	نقل اتارنا	صحیح ہے اور	نقل کھینچنا	غلط ہے
۲۔	بات کاٹنا	״ ״	بات چیرنا	״ ״
۳۔	ٹھوکر کھانا	״ ״ ״	ٹھوکر پینا	״ ״ ״
۴۔	تین پانچ کرنا	״ ״ ״	تین سات کرنا	״ ״ ״
۵۔	لنگوٹی میں پھاگ کھیلنا	״ ״ ״	پتلون میں پھاگ کھیلنا	״ ״
۶۔	دل لگی	״ ״ ״	آنکھ لگی	״ ״ ״
۷۔	دل میں چور بیٹھنا	״ ״ ״	دل میں ڈاکو بیٹھنا	״ ״ ״
۸۔	دھونس دینا	״ ״ ״	دھونس مارنا	״ ״ ״
۹۔	کانوں کان خبر نہ ہونا	״ ״ ״	کانوں کانوں خبر نہ ہونا	״ ״ ״
۱۰۔	کس باغ کی مولی	״ ״ ״	اور کس باغ کا کدو	״ ״ ״

....

جناب مرزا صاحب محاورہ کے بھی پابند نہیں ہیں۔مثلاً:۔

۔ ایسے لوگوں کی اندرونی حالت ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنی مفلسی ظاہر کرتی ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۳۲)

محاورہ ہے ''کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا'' یعنی سوال کرنا۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر مفلسی ظاہر کرنا'' بے معنی ہے۔

۲۔ فارسی میں ایک محاورہ ہے ''دروغ بافتن'' اور اردو کا محاورہ ہے ''جھوٹ گھڑنا'' جھوٹ بنانا ''جھوٹ کے پُل باندھنا''۔

لیکن جناب مرزا صاحب ایک نیا محاورہ پیش فرماتے ہیں۔

''یہ دروغ بے فروغ اسی حد تک بنایا گیا تھا۔'' (ازالہ صفحہ ۵۲۶)

دروغ بُننا کوئی محاورہ نہیں۔

....

۳۔ اردو میں ذرا اور ذرہ دو علیحدہ لفظ ہیں۔

ذرا تھوڑا، کم، ایک لحہ

ذرا ٹھہرو تو سہی، ذرا ہوش میں آؤ، ذرا عقل کے ناخن لو۔

ذرّہ جمع ذرّات، اجزائے غبار

ذرّہ بے مایہ، ذرّہ خاک

ذرّہ بھر

اس فرق کو سمجھنے کے بعد اب یہ فقرہ دیکھئے:۔

قرآن کریم نے حضرت مسیح کے وفات کے منکروں کو ایسی ترک دی ہے۔ کہ اب وہ ذرّہ نہیں ٹھہر سکتے۔

''وفات'' مذکر ہے یا مونث اسے جانے دیجئے۔ صرف یہ دیکھئے کہ آخری جملے میں ''ذرّہ'' کا مفہوم کیا ہے اور اس کا یہ استعمال کہاں تک صحیح ہے؟

۴۔ ''لگ جانا'' ایک عام فعل ہے جس کے مفہوم سے ہر کوئی واقف ہے مثلاً نظر لگ جانا۔ بیماری لگ جانا۔ کپڑے کو مٹی لگ جانا۔ کیڑا لگ جانا۔ یہ محاورات اردو اور پنجابی دونوں میں استعمال ہوتے ہیں اور انہیں سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ لیکن

جناب مرزا صاحب کی ایک وحی میں اس لفظ کا استعمال کچھ اس طرح ہوا ہے کہ کچھ بھی پلے نہیں پڑتا اللہ فرماتا ہے:۔

''میری رحمت تجھ کو لگ جائے گی۔ اللہ رحم کرے گا۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۰)

کیا رحمت کوئی بیماری ہے۔ جس سے محفوظ رہنے کی بشارت دی جارہی ہے یا دھمکایا جارہا ہے۔ کہ اے میرے نبی! تو اس وقت میری رحمت سے بچ نہیں سکتا۔ البتہ! آخر میں تم پر رحم کیا جائے گا۔

اس طرح کے کئی اور الہام بھی ہیں۔ جن کی زبان غلط ہے۔ مثلاً:۔

''پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن۔''

لفظ ''ثلج'' اردو میں قطعاً استعمال نہیں ہوتا۔ پھر ثلج یعنی برف آتی نہیں۔ بلکہ برستی ہے مزید یہ کہ برف باری سردیوں میں ہوتی ہے نہ کہ بہار میں ایام بہار میں برف پگھلنے لگ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وجہ سے فضائیں سرد ہو جائیں اور بہار میں بھی ایک آدھ دن برف برسنے لگے۔ لیکن بہار کے دن برف باری کے نہیں۔ بلکہ برف گدازی کے دن ہوتے ہیں۔ اس لیے اس الہام کی زبان خلاف محاورہ اور مضمون خلاف حقیقت ہے۔

یا یہ الہام:۔

تو در منزل ماچو بار بار آئی

خدا ابر رحمت ببا ریدیانے

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷۷)

پہلا مصرعہ بے وزن ہے۔ وزن قائم رکھنے کے لیے ''بار بار کو برباد'' پڑھنا ہوگا۔ جو صریحاً غلط ہے۔

....

جس طرح خود مرزا صاحب کی زبان ڈھیلی ڈھیلی۔ خلاف محاورہ عموماً غلط اور کہیں کہیں مہمل بھی ہے۔ یہی حال آپ کے الہامات کا ہے اس سے ایک غیر جانبدار نقاد صرف ایک ہی نتیجہ نکال

سکتا ہے کہ یہ الہامات ومقالات سب ایک ہی دماغ کی پیداوار ہیں۔

۷۔ فارسی توصیف واضافت وحروفِ فارسی

فارسی مرکب توصیفی میں موصوف پہلے ہوتا ہے۔ مثلاً:۔

بادِ خنک۔ گُلِ سرخ۔ زلفِ دراز۔ آبِ شیریں اور مرکبِ اضافی میں مضاف پہلے۔ مثلاً:۔

گُلِ لالہ۔ سروِ چمن۔ شاخِ گُل۔ نوائے عنادل۔

قاعدہ:۔

فارسی توصیف واضافت صرف فارسی یا عربی الفاظ میں ہوسکتی ہے۔ اگر ایک لفظ ہندی ہو۔ یا دونوں۔ تو اس صورت میں ہندی توصیف واضافت سے کام لینا پڑے گا۔ اردو میں صفت پہلے ہوتی ہے مثلاً:۔ ٹھنڈا پانی۔ اونچا پیڑ۔ رسیلی آنکھیں اور مرکب اضافی میں مضاف الیہ پہلے۔ مثلاً:۔ رام کا بن۔ تاج کا ہیرا۔ مور کی کلغی۔

اگر مرکب کا ایک جزو یا دونوں اجزا ہندی ہوں۔ تو ان میں فارسی توصیف واضافت جائز نہیں۔ اس لیے

۱۔	پائے خر	صحیح ہے اور	لت گدھا	غلط ہے
۲۔	گُلِ آب	" " "	پھول گلاب	" " "
۳۔	ورقِ گُل	" " "	ورق سونا	" " "
۴۔	آبِ خنک	" " "	پانی ٹھنڈا	" " "
۵۔	آدمِ دراز	" " "	آدم لمبا	"
۶۔	یومِ مبارک	" " "	دن مبارک	

یہی حال فارسی حروف کا ہے۔ کہ وہ بھی فارسی الفاظ پہ داخل ہوتے ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔	روز بروز	صحیح ہے اور	دن بدن	غلط ہے
۲۔	شب وروز	، ، ،	رات ودن	، ، ،
۳۔	ازروز تاشب	، ، ،	ازدن تارات	، ، ،
۴۔	علی الاعلان	، ، ،	علی الڈھونڈی	، ، ،
۵۔	بضد	، ، ،	بہ ہٹ	، ، ،
۶۔	ازراہِ کرم	، ، ،	ازراہ کرپا	، ، ،
۷۔	برائے فروخت	، ، ،	برائے بیچنا	، ، ،

ان مقدمات کے بعد جناب مرزا صاحب کے اقوالِ ذیل ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ ''۔۔۔۔۔۔ ہر ایک دانا کی نظر میں قابل ہنسی ہے۔'' (ازالہ صفحہ ۸۷۰)

قابل عربی ہے اور ہنسی ہندی

۲۔ ایک نشان آسمان کا لے لیں۔ یعنی مہینہ رمضان کا خسوف وکسوف۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۶۴)

مہینہ ہندی ہے اور رمضان عربی

۳۔ خدا نے بے باپ پیدا ہونے میں حضرت آدم سے حضرت مسیح کو مشابہت دی۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۱۵ حاشیہ)

۴۔ گورنمنٹ محسنۂ انگریزی کو بروقت یہ خلاف واقعہ خبر کر دی۔ (تریاق صفحہ ۳۴۸)

گورنمنٹ، انگریزی، محسنہ۔ عربی

۵۔ اگر کسی فارسی یا عربی لفظ کی جمع ہندی طریقے پہ بنائی جائے۔ مثلاً:۔ مسجد سے مسجدوں اور کتاب سے کتابوں۔ تو ایسی جمع اردو کا لفظ تصور ہوگی اور فارسی توصیف واضافت

یہاں بھی ناجائز ہو گی۔اس لیے محراب مساجد درست ہے اور محراب مسجدوں غلط لیکن جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''قلتِ بارشوں سے تو صرف غیر نہری فصلوں کا نقصان مقصود ہے۔۔۔۔۔۔۔''

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۴)

''یہ حصہ تو کثرتِ بارشوں کے متعلق ہے۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۴)

۸۔تذکیر و تانیث

ہر زبان میں بعض اشیاء مذکر ہوتی ہیں اور بعض مونث اور تحریر و تقریر میں اس امتیاز کو قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے چند سال ہوئے مجھے ایک پٹھان لیڈر کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔اس کی زبان کچھ اس قسم کی تھی۔

''خو چہ قائد اعظم کہتی ہے کہ وہ کشمیر کی خاطر لڑے گی۔ ہمارا یہ بادشاہی خہ اپنا ہے۔ہم اس پر خود بیٹھ کر سوچے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔

فہمیدہ لوگ اس تقریر پہ ہنس رہے تھے کیوں؟ صرف اس لیے کہ فاضل مقرر نر و مادہ میں تمیز کرنا نہیں جانتا تھا۔ جناب مرزا صاحب کی تصانیف میں بھی یہ امتیاز بہت کم قائم رکھا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ صرف دو سبیل ہیں۔تیسرا کوئی سبیل نہیں۔ (ازالہ صفحہ ۵۴۱)

سبیل مؤنث ہے۔

۲۔ بعض نے تیرے کلام کے بیّنات۔۔۔۔۔۔۔۔۔تیرے کلام کے دلالات۔۔۔۔

(ازالہ صفحہ ۵۶۰)

بیّنات مؤنث ہے اور خدا جانے یہ دلالات کیا چیز ہے؟

۳۔ صحیح حدیث سے مسیح کی ظہور کا کوئی زمانہ۔۔۔'' (ازالہ صفحہ ۵۶۸)

ظہور مذکر ہے۔

۴۔ اور جیسی موسوی شریعت کا ابتدا موسیٰ سے ہوا۔ (ازالہ صفحہ ۶۴۸)

جیسے چاہیے۔ ابتدا مؤنث ہے۔

۵۔ آیات صغریٰ تو آنحضرت ﷺ کے وقت مبارک سے ہی ظاہر ہونے شروع ہوگئی تھیں۔ (ازالہ صفحہ ۶۸۳)

آیات مونث ہے۔ لیکن فعل آدھا مذکر ہے اور آدھا مؤنث۔

۶۔ اگر قیمت پیشگی کتابوں کا بھیجنا منظور نہیں۔ (دیباچہ براہین صفحہ ح)

قیمت مؤنث ہے۔

۷۔ اس کی مرض انتہا کو پہنچ گئی۔ (براہین ج۔ دوح صفحہ ۲۲۷)

مرض مذکر ہے۔

۸۔ زبان خدا کے ہاتھ میں ایک آلہ ہوتا ہے، جس طرح اور جس طرف چاہتا ہے۔ اس آلہ کو یعنی زبان کو پھیر دیتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ الفاظ اور کے ساتھ اور ایک جلدی نکلتے ہیں۔ (براہین ج۔ دو۔ ح صفحہ ۴۷۹)

زبان مؤنث ہے۔ خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

۹۔ پھر ایسے معتقد ہوگئے جس کا حد انتہا نہیں۔ (ازالہ صفحہ ۱۰۷)

حد مؤنث ہے۔

۱۰۔ اور دوسرے کی انتظار ہے۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸)

انتظار مذکر ہے۔

۱۱۔ میں خدا کا چراگاہ ہوں۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۵)

چراگاہ مؤنث ہے۔

۱۲۔ درد گردہ رہی تھی (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۴۵)

درد مذکر ہے۔

۱۳۔ یہ ایک ایسا قرارداد ہے۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۹)

قرارداد مؤنث ہے۔

۱۴۔ جس قدر انسانی روح اپنے کمالات ظاہر کر سکتا ہے۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۱۰)

روح مؤنث ہے۔

۱۵۔ اگر ان میں ایک ذرّہ تقویٰ ہوتی۔ (آسمانی فیصلہ صفحہ ۴)

تقویٰ مذکر ہے۔

۱۶۔ بہشت ایسا ہے۔ (شہادت القرآن صفحہ ۵۳)

بہشت مؤنث ہے۔

۹۔ جمع و مفرد

اگر فاعل جمع ہو تو فا کا جمع ہونا ضروری ہے۔ لیکن جناب مرزا صاحب اس پابندی کے بھی قائل نہیں تھے۔ امثلۂ ذیل میں خط کشیدہ الفاظ کو دیکھئے۔

۱۔ اب جس قدر میں نے پیش گوئیاں بیان کی ہیں ۔۔۔۔۔ صدق یا کذب کے آزمانے کے لیے یہی کافی ہے۔ (ازالہ صفحہ ۶۳۵)

۲۔ ایک مکھی کے خواص اور عجائبات کی قیامت تک تفتیش ۔۔۔۔۔ کرتے جائیں تو وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ (ازالہ صفحہ ۶۷۷)

۳۔ خدا کے مامورین کے آنے کے بھی ایک موسم ہوتے ہیں۔

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۷)

۱۰۔ الفاظ کا غلط استعمال

جناب مرزا صاحب نے بعض مقامات پر الفاظ کا غلط استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ صرف کوے کی طرح یا بھیڈی کی مانند ایک نجاست کو ہم حلوا سمجھتے رہیں گے
۔۔۔۔۔صرف لونبڑی کی طرح داؤ پیچ بہت یاد ہوں گے۔ (ازالہ صفحہ۴۳۱)

اردو میں بھیڈی اور لونبڑی کی جگہ بھیڑ اور لومڑی استعمال ہوتے ہیں۔ بھیڈی تو کوئی لفظ ہی نہیں ہاں لونبڑا ایک لفظ ہے جس کے معنی فیروز اللغات میں لمبڑ یعنی دراز قد دیئے ہوئے ہیں۔

۲۔ ان کو ان اعمال صالحہ کے بجا لانے کی قوت دی جاتی ہے جو دوسرے ان میں کمزور ہوتے ہیں۔ (ازالہ صفحہ۴۴۵)

یہاں 'جو' بے محل ہے۔

۳۔ ان میں ایک ہیبت بھی ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ ایک خاص طور پر ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ازالہ صفحہ۴۴۷)

ایک خاص طور پر۔ مطلب؟

۴۔ جو شخص مامور ہو کر آسمان سے آتا ہے۔۔۔۔۔۔ درحقیقت وہ ایک روحانی آفتاب نکلتا ہے۔ جس کی کم وبیش دُور دُور تک روشنی پہنچتی ہے۔ (ازالہ صفحہ۴۴۹)

خط کشیدہ حصص بے معنی ہیں۔

۵۔ اردو کے مرکب توصیفی میں موصوف مفرد یا جمع۔ صفت مفرد ہی رہے گی۔ مثلاً چھوٹی کتاب۔ چھوٹی کتابیں۔ سبز ٹہنی۔ سبز ٹہنیاں۔ جنگلی لڑکی۔ جنگلی لڑکیاں۔ لیکن جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''۔۔۔۔۔۔۔۔ (یہ پادری) کا فرستان کے وحشی لوگوں اور افریقہ کے جنگلیوں آدمیوں کے پاس جاتے ہیں۔'' (ازالہ صفحہ۴۹۷)

۶۔ تو پھر روح اس جسم میں آ گئی۔ جو بطور بیکار چھوڑا گیا تھا۔ (ازالہ صفحہ۵۴۱)

۷۔ میں اپنے چند موہومی بزرگوں کی لکیر کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔

(ازالہ صفحہ۵۴۳)

خدا جانے یہ موہومی کیا چیز ہے اور یہ موہومی بزرگ کون ہوتے ہیں؟

۸۔ ''اور درندگی کے جوشوں کی وجہ سے لغتوں پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔''

(ازالہ صفحہ ۵۹۵)

جوشوں کی جگہ جوش چاہیے۔

۹۔ اب جو یہودیت کی صفتوں کا عام وبا پھیل گیا ہے اور۔۔۔۔۔۔نصاریٰ کو اپنے مشرکانہ خیالات میں بہت سے کامیابی ہوئی ہے۔ (ازالہ صفحہ ۶۵۰)

اردو میں لفظ صفت عموماً مدح۔ خیر اور خوبی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں نتائج چاہیے۔ نیز وبا و کامیابی مؤنث ہیں۔

۱۰۔ لا طائل (بے سود) ایک عربی مرکب ہے جو فارسی و اردو دونوں میں استعمال ہوتا ہے ایسے مرکبات کی ہیئت میں کسی قسم کی تبدیلی ناروا ہے۔ مثلاً:۔ ہم لا طائل کو بغیر طائل یا سوائے طائل میں نہیں بدل سکتے اسی طرح قالو ابلیٰ کی جگہ قالو انعم الست بربکم کی جگہ الست بخالقکم نہیں کہہ سکتے۔ یہ مرکبات اپنی عربی ہیئت کے ساتھ اردو میں استعمال ہو رہے ہیں۔ لیکن جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

''۔۔۔۔۔۔۔۔کا مفصل حال معلوم کرنا طول بلا طائل ہے۔''

(ازالہ صفحہ ۶۷۲)

۱۱۔ ''۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ریاضی اور طبعی اور فلسفہ کی تحقیقاتوں میں۔۔۔۔۔۔''

(ازالہ صفحہ ۶۷۹)

تحقیق کی جمع تحقیقات ہے۔ جمع الجمع بنانے کی ضرورت؟

۱۲۔ مسیح نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی۔ کہ تم نے آخر کا منتظر رہنا۔ (ازالہ صفحہ ۶۸۴)

کیا سمجھے؟

۱۳۔ جب دجال کے زمانہ میں دن لمبے ہو جائیں گے۔۔۔۔۔۔۔تو تم نے نمازوں کا اندازہ کر لیا کرنا۔ (ازالہ صفحہ ۶۸۷)

۱۴۔ اگرچہ یہ بات قابلِ تسلیم ہے جو ہر سال میں ہماری قوم کے ہاتھ سے بے شمار روپیہ

بنام نہاد خیرات وصدقات کے نکل جاتا ہے۔ (دیباچہ براہین صفحہ ب)

جواور میں کا استعمال غلط ہے اور بنام نہاد مہمل ہے۔

۱۵۔ دوسرے تو ایسا دل ودماغ ہی نہیں رکھتے جو اس کی فلاسفری تقریر کو سمجھ سکے۔

(براہین صفحہ ۱۹۵)

۱۶ اب سال سترہ بھی صدی سے گزر گئے

تم میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۱)

سترہ (۱۷) تشدید کے بغیر ہے۔

۱۷۔ چھوڑتے ہو دیں کو اور دنیا کو کرتے ہو پیار (زلزلہ کی پیش گوئی حقیقۃ الوحی)

دین میں اعلان نون ضروری ہے۔ پیار کی یا غیر محفوظ ہوتی ہے۔ اور تقطیع کے وقت پیار صرف پا رہ جاتا ہے۔ لیکن یہاں محفوظ ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ

مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے

تقطیع:۔ اُن کُ آ تا۔ ہ پار پر غص صہ

فاع لاتن مفاعلن فعلن

مجھ کُ غُص صے پ پآرا تاہے

فا۔ ع لاتن مفاعِلُن فِعلُن

دیکھا آپ نے کہ یا ہر دو مصرعوں میں غیر محفوظ ہے۔ لیکن جناب مرزا صاحب کے مصرعہ میں محفوظ ہے۔

۱۸۔ ''اور چونکہ نور افشاں کے صاحب راقم نے ۔۔۔۔'' (براہین ح۔ درح صفحہ ۳۶۹)

یہ صاحب راقم کیا چیز ہے؟

۱۱۔ مُہمل

جناب مرزا صاحب کے ہاں مہمل جملوں کی بھی کمی نہیں۔ اقتباسات ذیل میں خط کشیدہ سطور ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ مگر یہ دنیوی پیشگوئیاں تو ابھی مخفی امور ہیں۔ جن کی شارح علیہ السلام نے اگر کچھ شرح بھی بیان کی تو ایسی کہ جو استعارہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۲۷)

۲۔ اوران (کامل لوگوں) کی روح کو خداتعالیٰ کی روح کے ساتھ وفاداری کا ایک راز ہوتا ہے۔

(ازالہ صفحہ ۴۴۶)

۳۔ تیری ذرّیت کو بڑھائے گا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتدا قرار دیا جائے گا۔

(ازالہ صفحہ ۶۳۴)

۴۔ اکثر لوگ عقل کی بد استعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں۔

(ازالہ صفحہ ۷۶۶)

۵۔ اس قدر عرض کرنا اپنے بھائیوں کے دین اور دنیا کی بہبودی کا موجب سمجھتا ہوں۔ کہ اگرچہ گورنمنٹ کی رحیمانہ نظر مسلمانوں کی شکستہ حالت بہر حال قابل رحم ٹھہرے گی۔

(براہین۔ اسلامی انجمنوں کی خدمت میں ضروری التماس الف)

۶۔ اسی سال میں بہت سے اور لوگوں نے بھی امتحان دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھ کو خواب آئی۔ کہ ان سب میں سے صرف اس شخص مقدم الذکر کا پاس ہوگا۔ اور دوسرے سب امیدوار فیل ہو جائیں گے۔ (براہین ح۔ در ح صفحہ ۲۵۶)

۷۔ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اسرار و عجائبات پر ہیں۔ دجال معہود کی طبائع کی بناوٹ اس کے برابر نہیں۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۳)

۸۔ جناب مرزا صاحب کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پوچھو غافلو ہو

گئے ہیں اس کا موجب میرے جھٹلانے کے دن جب سے

میرے ہوش غم سے دیں کے ہیں جاتے رہے

طور دنیا کے بھی بدلے ایسے دیوانے کے دن

(نظم آغاز حقیقۃ الوحی)

یہ تھیں چند مثالیں اس کلام کی جس کے متعلق مرزا صاحب نے فرمایا تھا۔

کلامٌ اُفْصِحَتْ مِن لُدن ربٍّ حکیم ط

(میرے کلام میں اللہ نے فصاحت بھر دی ہے)

یہ دعوٰی کہاں تک درست ہے۔ اس کا فیصلہ میں قارئین کرام کے ادبی ذوق پہ چھوڑتا ہوں۔

عربی اغلاط

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جناب مرزا صاحب کو عربی لکھنے میں بڑی قدرت حاصل تھی۔ تاہم ان کا عربی کلام لغزشوں سے پاک نہیں تھا۔ آپ کی عربی تحریرات دو قسم کی ہیں۔ الہامی و غیر الہامی۔ الہامی تحریرات میں سے اہم یہ ہیں۔

۱۔ عربی الہامات ۲۔ تفسیر سورۂ فاتحہ

۳۔ قصیدۂ اعجازیہ ۴۔ خطبۂ الہامیہ

الہامات براہ راست اللہ کی طرف سے نازل ہوتے تھے اور باقی تین کے متعلق آپ کا یہ دعوٰی ہے کہ یہ خدائی نشان ہیں جو روح القدس کی مدد سے ظہور پذیر ہوئے۔

چونکہ ہمارے قارئین کو عربی صرف ونحو سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم اختصار سے کام لیں گے اور صرف چند اغلاط پہ مجملاً بحث کریں گے۔

ا۔ الہامات

ا۔ عربی میں مونث و مذکر کے لیے ضمائر جدا جدا ہیں۔ مثلاً:۔
غائب کی ضمیریں یہ ہیں۔

مذکر:۔	هُوَ	هُمَا	هُمْ
	(وہ ایک مرد)	(وہ دو مرد)	(وہ سب مرد)
مؤنث:۔	هِيَ	هُمَا	هُنَّ
	(وہ ایک عورت)	(وہ دو عورتیں)	(وہ سب عورتیں)

جس طرح اردو میں بعض بے جان اشیاء مذکر ہیں اور بعض مؤنث۔ مثلاً:۔ پہاڑ مذکر ہے اور ندی مؤنث۔ یہی حال عربی زبان کا ہے۔ عربی میں ارض و سما مؤنث ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے لیے ضمیر مؤنث استعمال ہوگی۔ لیکن جناب مرزا صاحب کے ایک الہام میں ان دونوں کے لیے ضمیر مذکر استعمال ہوئی ہے۔ جو صریحاً غلط ہے۔

السماءُ وَالارضُ مَعَكَ كما هُوَ معَى ط

(اے احمد! آسمان و زمین تیرے ساتھ ہیں۔ جس طرح کہ وہ میرے ساتھ ہیں)

دوسرا کمال یہ کیا۔ کہ دو اشیاء کی طرف ضمیر مفرد راجع کر دی۔ حسب قواعد هُما چاہیے۔

۲۔ اِنَّا اٰتَیْنَاكَ الدُّنیَا

(ہم نے تم کو دنیا دے دی)

چونکہ یہاں ایک خدائی نعمت و عطا کا ذکر ہے اس لیے اعطیناک زیادہ مناسب تھا۔ گو قواعد کے لحاظ سے آتیناک بھی صحیح ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ الہام کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ساری دنیا جناب مرزا صاحب کے حوالے کر دی تھی؟ آپ کو علم ہے کہ جناب مرزا صاحب چند ایکڑ زمین

کے مالک تھے وبس جہاں تک روحانی تسخیر کا تعلق ہے گذشتہ اٹھاسی برس میں صرف چند ہزار افراد آپ پر ایمان لائے۔ اگر یہ مطلب ہو کہ آگے چل کر تمام دنیا احمدیت قبول کر لے گی اور میرا اندازہ یہ ہے کہ اضافہ کے امکانات بہت کم ہیں۔ وجہ یہ کہ عصر حاضر میں اقدار حیات بدل گئی ہیں آج وہی پیغام اور وہی فلسفہ کامیاب ہو سکتا ہے جو آدم جدید کو تازہ الجھنوں مثلاً سرمایہ و مزدور آمریت۔ جمہوریت۔ اشتراکیت۔ ملوکیت۔ روابط بین الممللی۔ جمعیت اقوام یا جمعیت آدم۔ قیام امن۔ ورلڈ فیڈریشن وغیرہ سے نکال کر ہر مشکل کا ایک قابل قبول حل پیش کر سکے۔ لیکن جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں نہ کوئی فلسفہ ہے اور نہ انسان جدید کے لیے کوئی پیغام۔ آپ کی بہتر تصانیف میں۔

۱۔ وفات مسیح پہ بحث ہے۔

۲۔ اپنی نبوت پہ دلائل ہیں۔

۳۔ الہامات کا ذکر ہے۔

۴۔ آتھم اور محمدی بیگم کا جھگڑا ہے۔

۵۔ نشانات کا تذکرہ ہے۔

اور انہی مضامین کا بار بار اعادہ ہے۔ آپ پر ''بیس اجزا'' الہامات بھی نازل ہوئے تھے۔ لیکن ان میں کوئی پیغام موجود نہیں۔ صرف مسیح موعود کے مناقب ہیں وبس۔ اس کائنات میں بقائے اصلح کا آئین نہایت باقاعدگی سے کارفرما ہے۔ یہاں وہی فلسفہ زندہ رہ سکتا ہے جو دوسرے فلسفوں سے زیادہ طاقتور۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ابن آدم کے لیے زیادہ مفید ہو۔ ایک وقت تھا کہ ابن العربی غزالی ادوا ابن الرشد کا فلسفہ دل و دماغ پر قابض تھا۔ وہ زمانہ گزر چکا۔ اگر آج ابن الرشد پھر پیدا ہو جائے اور چلا چلا کر اپنا فلسفہ پیش کرے تو امید نہیں کہ ایک کان بھی اس کی طرف متوجہ ہو۔ بحر زندگی میں افکار نو کی لہریں ہر دم اٹھتی رہتی ہیں۔ جس طرح مظاہر کونی میں زندگی۔ طفولیت و شباب کی منازل طے کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اسی طرح افکار بھی کچھ مدت تک بہار شباب دکھانے کے بعد مر جاتے ہیں۔ اور نئے افکار ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ آج تصوف کا دور نہیں۔

مناظروں کا زمانہ نہیں۔ مذہبی فرقہ بازی کا عہد گزر چکا۔ اور کلام واعتزال کے چرچے ختم ہو گئے۔ آج اگر کوئی شخص ان لاشوں میں پھر جان ڈالنا چاہے تو کامیاب نہیں ہوگا۔ جناب مرزا صاحب کا تمام زور قلم یا تو اثباتِ نبوت پہ صرف ہوا یا دیگر مذاہب کی تردید پر اور یا ایک ایسے اسلام کی ترویج میں۔ جس پر تصوف و خانقاہیت کا رنگ غالب تھا۔ ظاہر ہے کہ اس متاع کے خریدار آج تقریباً نایاب ہو چکے ہیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ احمدیت میں نہ وہ جاذبیت موجود ہے۔ جو دل و دماغ پہ قابض ہو سکے۔ نہ وہ توانائی جو غیر اسلامی افکار کو شکست دے سکے۔ نہ وہ حرارت، جو عروقِ مُردہ میں خونِ حیات دوڑا سکے۔ نہ وہ قوت جو حمام و کبوتر کو شاہین بنا سکے اور نہ وہ ہمت جو دارا و قیصر کو دعوتِ مبارزہ سے سکے۔

جرمنی کے نازیوں کا امتیازی وصف ایک عظیم ترین قوم بننا تھا۔ لینن کے پیرو خونی انقلاب بپا کرنے پہ ادھار کھائے ہوئے تھے اور خاکساروں کا مقصد نظام کہن کو الٹنا تھا۔ یہ تمام گروہ جذبہ جانفروشی سے سرشار ہونے کے علاوہ بڑے منظّم۔ بلند ہمت اور جفاکش تھے۔ ان گروہوں کے امتیازی اوصاف تنظیم و جانبازی تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ احمدیوں کے امتیازی اوصاف کیا ہیں؟ کیا ان میں علم زیادہ ہے؟ کیا ان کی اخلاقی سطح زیادہ بلند ہے؟ کیا بوہروں کی طرح ان کے پاس دولت زیادہ ہے؟ کیا اس جماعت میں محققین و موجدین کی تعداد زیادہ ہے؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں اور دیگر مسلمانوں سے وہ کسی طرح بھی ممتاز نہیں۔ تو پھر لوگ کیوں اس جماعت میں داخل ہوں اور جناب مرزا صاحب کو کس مقصد کے لیے نبی تسلیم کریں؟

آخرت سنوارنے کے لیے؟ خود مرزا صاحب سو سے زیادہ مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ نزولِ مسیح کی پیش گوئی کا کفر و اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور میرا منکر خطا کار ہے کافر نہیں۔ خلافت ارضی حاصل کرنے کے لیے؟ آپ جہاد ہی کے قائل نہیں خلافت کیسے ملے گی۔ وحدتِ فکر و نظر کے لیے؟ خود آپ کی تحریروں میں یہ چیز موجود نہیں۔ آپ ۱۹۰۲ء تک اپنی نبوت کا انکار کرتے رہے اور پھر ختم نبوت کا انکار۔ آپ (انگریز کو) بیک وقت دجال بھی کہتے رہے اور ساتھ ہی اپنی جماعت کو اطاعت دجال کی تعلیم بھی دیتے رہے اسی تصادم سے تنگ آ کر جناب میاں محمود احمد صاحب نے

فرمایا تھا کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تمام تحریرات منسوخ ہیں اور انہی متصادم اقوال کا نتیجہ وہ تصادم تھا۔ جو احمدی جماعت میں پیدا ہوا۔ اور لاہوری احمدی قادیانی بھائیوں سے الگ ہو گئے تو پھر یہ فکری توحید آپ کے پیروؤں میں کیسے پیدا ہو سکتی ہے ترک ماسوا اللہ کے لیے؟ میری ناقص رائے میں یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ آپ کے ۳۵ سالہ الہامات اور تیس سالہ تحریرات کا مرکزی خیال اللہ نہیں بلکہ آپ کی ذات ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ آپ نے چند صفحات اخلاقیات کے لیے بھی وقف کیے تھے۔ لیکن ان کا تناسب سمندر میں قطرے سے زیادہ نہیں۔ آپ کی تمام تصانیف صرف اثبات نبوت ذکر نشانات۔ تاویلات۔ بشارات اور قدح اعدا سے مملو ہیں۔ خدا کا ذکر بھی ہے لیکن اس خدا کا جس نے قادیان میں رسول بھیجا۔ جس نے اپنے رسول کو تین لاکھ نشانات سے نوازا۔ جس نے احمد بیگ۔ لیکھرام اور چراغدین کو موت کے گھاٹ اتارا۔ جس نے صداقت رسول کے لیے زلزلے اور وبائیں بھیجیں۔ جس نے جہانگیر و عالمگیر کے شکوہ وجلال کا وارث۔ گورنمنٹ محسنہ انگریزی کو بنایا۔ اور جس نے وفات مسیح و مثیل مسیح کے اسرار اپنے رسول پہ منکشف کیے اس خدا کا کہیں ذکر نہیں۔ جس نے اہل ایمان کو **یستخلفنهم** اور **انتم الاعلون** ط کی بشارات سنائی تھیں۔ جس نے جنات ارضی و سماوی کے وعدے کیے تھے جس نے قوت و ہیبت کے سامان فراہم کرنے کا حکم دیا تھا۔ جس نے جنت شمشیر کے سائے میں رکھ دی تھی۔ اور جس کے قرآن میں محکوم مسلمان کا تصور تک موجود نہیں۔

ماحصل یہ کہ یہ الہام آتیناک الدنیا (ہم نے تمہیں دنیا دے دی) مادی لحاظ سے غلط ہے اور روحانی لحاظ سے ابھی پورا نہیں ہوا اور نہ آئندہ اس کی تکمیل کا کوئی امکان نظر آتا ہے۔

۳۔ طاعون کے زمانے میں قادیان کے متعلق یہ الہام نازل ہوا تھا۔

لولا الاکرام لهلك المقام

(اگر تیری عزت منظور نہ ہوئی تو یہ مقام قادیان تباہ ہو جاتا۔)

اکرام کے معنی ہیں ''عزت کرنا'' تیری عزت قطعاً نہیں ''تیری'' کے لیے عربی میں ''ک'' ہے اگر ہم یہاں کہ محذوف تصور کر لیں تو پھر عبارت یوں ہوگی۔ لولا الاکرام امک جو صریحاً غلط

ہے۔اس لیے کہ اکرام مضاف ہے اور مضاف پر ال داخل نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ال کو بھی حذف کر دیں تو فقرہ بنے گا۔ لولا اکرامک۔ جس کے معنی ہوں گے ''اگر تیرا عزت کرنا نہ ہوتا۔'' ظاہر ہے کہ اس فقرے میں بھی کوئی مفہوم موجود نہیں۔

علاوہ ازیں مقام کے لفظی معنی ہیں۔ وہ جگہ جو دو پاؤں کے نیچے ہو یا وہ جگہ جہاں آپ دورانِ سفر میں قیام کریں۔ مستقل جائے قیام کو بیت یا دار کہتے ہیں۔ لغت کے لحاظ سے ہر جگہ مقام کہلاتی ہے۔ لیکن اصطلاحاً عرب کسی بستی کو مقام نہیں کہتے۔ اس کے لیے قریہ کا لفظ ہے۔ پھر اہل عرب کی لغت میں ہلاکت کا لفظ جاندار اشیاء کے لیے مخصوص ہے۔ انسان۔ جانور اور پرندے ہلاک ہوتے ہیں نہ کہ پتھر۔ دریا۔ صحرا اور درخت۔ جب عرب یہ کہتے ہیں کہ فلاں بستی ہلاک ہوگئی تو ان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس گاؤں کی اینٹیں اور مکان فوت ہو گئے ہیں۔ بلکہ یہ کہ بسنے والے تباہ ہو گئے ہیں۔ عربی ادب میں ھلک القریٰ (بستیاں ہلاک ہوگئیں) تو ملے گا لیکن ھلک المقام کہیں نظر نہیں آئے گا۔ مقام کا یہ استعمال خالص ہندی ہے۔

تو گویا اس الہام میں مندرجہ ذیل خامیاں پائی جاتی ہیں۔

۱۔ الاکرام کا استعمال غلط ہے اور بے معنی ہے۔

۲۔ مقام کا استعمال ہندی ہے۔

۳۔ ہلاکت کی نسبت مقام کی طرف عربی محاورہ کے خلاف ہے۔

۴۔ **ھذا ھو الترب الذی لا یعلمون ط**

خط کشیدہ لفظ یا تو ترب ہے اور یا ترب۔ ترب کے معنی ہیں توام۔ ہمزاد اور تُرب کے معنی ہیں خاک۔ مٹی۔

اب الہام کا ترجمہ سنیئے۔

یہ وہ ہمزاد یا مٹی ہے۔ جسے لوگ نہیں جانتے۔

مطلب؟

خود جناب مرزا صاحب اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

یہ وہ عمل الترب (یعنی مسمریزم) ہے جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو خبر نہیں۔ (ازالہ صفحہ ۱۵۵)

ترجمہ میں تُرب کو عمل الترب بنا دینا لغوی دراز دستی کی انتہا ہے۔

۵۔ انت من ماءِ ناو ھُم من فشل ط

(فشل کے معنی ہیں بزدلی۔ ترجمہ یہ ہے۔

(اے احمد) تم ہمارے پانی سے ہو۔ اور باقی لوگ بزدلی سے ہیں۔

کیا سمجھے؟

۶۔ وَھٰذا تذکرۃ ط (انجام آتھم صفحہ ۶۴)

تذکرۃ مؤنث ہے اس لیے ھذا کی جگہ ھذہ چاہیے۔

۷۔ اُخطی وَاُصیب ط (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳)

اللہ فرماتا ہے۔

''میں خطا بھی کروں گا اور صواب بھی۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳)

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اللہ خطا کیسے کرتا ہے۔ اس کی تشریح ملاحظہ ہو۔

''کبھی میرا ارادہ پورا ہوگا۔ اور کبھی نہیں۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳)

عجیب بے بس خدا ہے جس کے ارادے کبھی پورے نہیں بھی ہوتے۔

قرآن فرماتا ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِید۔ (اس کے ارادے نہایت جاہ و جلال سے پورے ہوتے ہیں۔)

اور یہاں یہ ضعف و بے چارگی!!

ایک مرتبہ آپ کو الہام ہوا۔

تریٰ فخذاً الیماً (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۳)

اور کچھ دیر کے بعد ایک ایسا بیمار آپ کے ہاں لایا گیا۔ جس کی ران میں درد تھا۔

عربی میں الیم اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسرے کو دکھ دے۔ مثلاً عذاب الیم۔ ایسا عذاب جو دوسروں کے لیے تکلیف دہ ہو۔ المنجد میں درج ہے۔

الالیم =الموجع

موجع اسم فاعل ہے اوجع یوجع سے متعدی ہے۔ فعل متعدی کا اثر ہمیشہ فاعل سے مفعول تک جاتا ہے۔

زید نے عمر کو مارا۔

مار عمر پر واقع ہوئی ہے۔

خالد نے مسافر کو پانی پلایا۔

پینے سے فائدہ مسافر نے اٹھایا۔

تو الیم کے معنی ہوں گے ''درد رساں'' دوسرے کو دکھ دینے والی اس تحقیق کے رُو سے اس الہام کے معنی یوں ہوں گے۔

''تو ایک درد رساں ران دیکھے گا۔''

یعنی ایسی ران دیکھے گا جو کسی اور کو تکلیف دے رہی ہوگی۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی۔ کہ یورک ایسڈ یا باد کی وجہ سے خود راب میں تکلیف ہو رہی تھی۔ نہ یہ کہ ران نے یورک ایسڈ کو کسی دکھ میں مبتلا کر رکھا تھا۔

بہر حال الیم کا یہ استعمال صحیح نہیں۔

۹۔ ایک مرتبہ جناب مرزا صاحب درد قولنج سے شفایاب ہوئے۔ تو فوراً یہ الہام نازل ہوا۔

ان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتُو بشفآء مثله ط

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۵)

(اگر تمہیں اس وحی کے متعلق کچھ شک ہے جو ہم اپنے بندے پہ نازل کر رہے ہیں۔ تو ذرا ایسی شفا تو دکھاؤ۔)

لفظ شفا کے بغیر باقی ساری آیت قرآن سے لی گئی ہے اللہ نے عرب کے فصحا و بلغا کو چیلنج

دیا تھا کہ اگر تمہیں قرآن کے الہامی ہونے میں کوئی شک ہے تو ذرا چند ایسی آیات تو بنالاؤ۔ تیرہ سو برس کے بعد اللہ نے وہی چیلنج ان الفاظ میں دہرایا۔

اگر جناب مرزا صاحب کی وحی میں شک ہے تو ایسی شفالے آؤ۔

کا تعلق؟ اچھا تعلق سہی۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج تک کسی غیر رسول کو قولنج سے ... نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہے اور بیسیوں ایسے مریض آپ نے بھی دیکھے ہوں گے تو پھر اس چیلنج کا مطلب؟ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے حضور علیہ السلام نے تمام دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن جیسی ایک آیت ہی بنالاؤ تیرہ سو برس گزر گئے اور کوئی ماں کا لال مقابلے میں نہ اترا۔ لیکن دوسری طرف دنیا میں ہر روز قولنج کے سیکڑوں مریض شفایاب ہوتے ہیں۔ یہ عجیب چیلنج ہے۔ جس کی دھجیاں دن میں بیس مرتبہ اڑائی جاتی ہیں۔ فاتوا (لاؤ)۔

اس فعل اتی ایتانا کا تعلق محسوسات ومشہودات سے ہوتا ہے اور شفا کا تعلق محسوسات سے نہیں۔ شفا اعتدال مزاج کا نام ہے اور اعتدال کو محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ جس کا گرم و سرد ہونا اعلامات مرض وشفا ہیں۔ خود مرض وشفا نہیں۔ اس لیے اس فعل کا استعمال اس الہام میں صحیح نہیں۔

....

۹۔ (پہلے ان جملوں کو پڑھیئے۔)

۱۔ میں نے مغلوں کے زمانے کا ارادہ کیا۔

۲۔ میں نے زمانہ ہجری کا ارادہ کیا۔

۳۔ میں نے شام کے وقت کا ارادہ کیا۔

۴۔ میں نے افغانی حملوں کے زمانوں کا ارادہ کیا۔

۵۔ میں نے زلزلوں کے زمانے کا ارادہ کیا۔

کوئی مطلب سمجھ میں آیا، اگر آیا تو سمجھایئے۔ اگر نہیں آیا۔ اور یقیناً نہیں آیا ہوگا۔ تو مت بھولیے کہ آخری فقرہ ایک الہام کا لفظی ترجمہ ہے جو جناب مرزا صاحب پہ نازل ہوا تھا۔

اردتُ زمانَ الزلزلة (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۸)

(میں نے زلزلوں کے زمانے کا ارادہ کیا) کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ''زلزلوں کے زمانے'' میں جانا چاہتے ہیں۔ یا اس زمانے کو کچھ لمبا کرنا چاہتے ہیں یا اس کو سزا دینا چاہتے ہیں۔ آخر جو کچھ کرنا تھا۔ اس کا ذکر تو اس الہام میں آنا چاہیے تھا۔ تا کہ ابہام نہ پیدا ہوتا۔

اسی طرح کے بیسیوں الہامات اور ہیں۔ جن میں سے بعض کی زبان غلط ہے اور بعض مفہوم کے لحاظ سے مہمل ہیں۔ ہم بخوفِ طوالت انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔

....

تاریخ رسالت میں پہلی مرتبہ

الہام کی طویل تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا۔

اول۔ کہ اللہ نے پنجاب کے ایک رسول پر عربی زبان میں الہامات نازل کیے اور اپنی قدیم سُنّت (قومِ رسول کی زبان میں وحی نازل کرنا) کو ترک کر دیا۔

دوم۔ کہ اللہ نے تمام کے تمام الہامات اپنے رسول کی مدح و ثنا تک محدود رکھے اور کوئی اخلاقی۔ سیاسی یا عمرانی ضابطہ نازل نہ فرمایا۔

سوم۔ کہ اللہ نے انسانوں کو ایک ''دجال سیرت'' قوم کی غلامی کا درس دیا۔

چہارم۔ کہ جہاد جیسے اہم اور بنیادی اصول حیات کو ختم کر دیا۔

پنجم۔ کہ اللہ کا ذخیرۂ الفاظ ختم ہو گیا۔ کہیں قرآن کی آیات دوبارہ نازل کر کے کام چلایا۔ کہیں مقامات حریری سے مدد لی (دیکھو سورۂ فاتحہ کی الہامی تفسیر جس میں مقامات حریری و بدیعی کے بیسیوں جملے بالفاظہا موجود ہیں) کہیں شعرائے جاہلیت کے مصرعے اڑا لیے (عفت الدیار محلها و مقامها) آپ کا ایک الہام ہے اور یہ سبع معلّقات کے ایک قصیدہ کا پہلا مصرعہ ہے اور کہیں ادھر ادھر سے انسانی اقوال لے لیے۔ مثلاً شکر اللہ سعیہ (آپ کا الہام) منتہی الارب میں شکر کے تحت درج ہے۔

ششم۔ اور سب سے بڑا حادثہ یہ ہوا۔ کہ اللہ غلط سلط اور مہمل زبان بولنے لگا۔ ذرا ورق الٹ

کر باب الہامات میں وہ انگریزی الہامات پھر پڑھیے۔ نیز ان اردو الہامات کی زبان بھی ملاحظہ کیجئے۔

''میری رحمت تجھ کو لگ جائے گی۔''

''خاکسار پیپرمنٹ۔''

''عالم کباب کلمۃ اللہ خان۔''

''میں موج دکھاتا ہوں۔''

''خدا کی فیلنگ ۔۔۔۔۔۔۔۔ نے بڑا کام کیا۔''

''ڈگری ہوگئی۔۔۔۔۔۔۔۔''

''شعنا لغسا''

''پریشن ۔عمر۔ پراطوس یعنی پڑاطوس یعنی پلاطوس۔''

....

کیا یہ خدائی زبان ہے؟ ایک زمانہ تھا کہ اللہ کا کلام سن کر دلوں میں زلزلے اٹھتے تھے آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں پھوٹ نکلتی تھیں۔ فصحائے عالم اللہ کی اعجاز بیانی پہ دنگ رہ جاتے تھے اور بڑے بڑے سرکش اور اکھڑ کافر بے ساختہ پکار اٹھتے تھے۔

مَا ھٰذا قول البشر[1] اور ایک زمانہ ہے کہ اللہ کی زبان سن کر ہنسی آنے لگتی ہے اور ایک مڈل فیل بچہ بھی پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہے کہ میں اس خدا سے اردو اور انگریزی دونوں بہتر جانتا ہوں۔

---

[1] مشہور تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کعبہ کے قریب ایک گاؤں عکاظ میں ہر سال حج کے دنوں میں ایک میلہ لگتا تھا جس میں شعرائے عرب نظمیں بھی سناتے تھے۔ جو نظم فصاحت و بلاغت اور تخیل کے لحاظ سے بہترین سمجھی جاتی تھی۔ اسے مصری جھلی پہ سونے کے حروف سے لکھوا کر کعبہ میں لٹکا دیا جاتا تھا۔ حضور علیہ السلام کی بعثت تک ایسی سات نظمیں آویزاں کی جا چکی تھیں۔ ایک دن حضورؐ حضرت علیؓ کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ حضرت علیؓ نے ان نظموں کے متعلق سارا ماجرا سنایا تو آپ نے ان نظموں کے نیچے سورۂ کوثر لکھوا دی جب وہ میلہ پھر منعقد ہوا اور مشاعرہ کے جج کعبہ میں داخل ہوئے اور ان کی نظر ان آیات پر پڑی تو دنگ رہ گئے۔ وہ قصائد اتار لیے اور آیات کے نیچے لکھ دیا کہ یہ انسانی کلام نہیں۔''

اگر یقین نہ آئے تو کسی طالب العلم کی انگریزی وار ۸ دو تحریر اور یہ اردو وانگریزی الہامات نام بتائے بغیر ماہرین کے پاس بھیج دیجئے اور دیکھئے کہ نمبر کسے زیادہ ملتے ہیں۔

میرا مطلب تنقیص نہیں بلکہ اظہار حیرت ہے کہ اس دنیا کو جس کی حیرت انگیز منائی پہ ارض وسما شہادت دے رہے ہیں۔ جس کے موقلم سے طرفۃ العین میں لاکھوں بہاریں اور جس کے ساز سے بے شمار نغمے برس پڑتے ہیں۔ یہ کیا ہوگیا کہ اس کے منہ سے فصیح تو رہا ایک طرف کوئی صحیح لفظ بھی مشکل ہی سے نکلتا ہے۔

خطبۂ الہامیہ

۱۔ اَلَّذِیْنَ اَکَلُوْا اَعمَارَھُمْ فِی ابْتِغَاءِ الدُّنْیَا ● (صفحہ ۳۷)

(جو تلاش دنیا میں اپنی عمر کو کھا گئے۔)

''عمر کھانا'' پنجابی محاورہ ہے۔ عربی میں استعمال نہیں ہوتا۔

....

۲۔ نزول مسیح کے مشہور عقیدہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ ۔

وَھَلْ ھُوَ اِلَّا خُرُوْجٌ مِّنَ الْقُرآنِ ...... (صفحہ ۵۸)

(کہ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف بغاوت ہے۔)

''خروج'' جب بغاوت کے معنوں میں استعمال ہو تو اس کے بعد ہمیشہ علیٰ آتا ہے۔ اس لیے من القرآن صحیح نہیں۔

....

۳۔ عربی میں سازش اور مکر کے لیے ایک لفظ کید بھی ہے۔ جس کی جمع ہے مکائد۔ ظاہر ہے کہ مکر وسازش انسان کا کام ہے۔ یا شیطان کا۔ زمین۔ پہاڑ یا تارے کوئی شرارت نہیں کر سکتے۔

لیکن آپ زمین کو بھی مکار سمجھتے ہیں۔

ففریقٌ عُلِمُوا مکائر الارض و فریق اُعطوا ما اعطی الرسل مِنَ الھُدیٰ............ (صفحہ۷۵)

(ایک فریق کو زمین کی مکر ملے اور دوسرے کو ہدایت نصیب ہوئی۔)

....

۴۔ **وتنزل السکینۃ فی قلوبھم** (صفحہ۸۳)

تنزل کے بعد علیٰ چاہیے۔

....

۵۔ **فخرج النّصاریٰ مِنْ دَیرھم** (صفحہ۱۰۰)

(نصاریٰ اپنے گرجاؤں سے نکلے)

گرجاؤں کا ترجمہ دَیر نہیں۔ بلکہ ادیار۔ ادیرہ یا دُیورہ ہے۔

....

۶۔ **وَارتدُّوا مِنَ الاِسْلام** (صفحہ۱۰۸)

عن چاہیے۔ من غلط ہے۔

....

۷۔ **وَیریدُون ان ید سوا الحق فی ترابٍ وَیمزقوا اذیالہ ککلابٍ** (صفحہ۱۰۹)

التراب اور الکلاب چاہیے۔

....

۸۔ **ولا یکرّونَ فی لَیلھِم وَلا نھارھِم اِنّھُم یُسئلُون** (صفحہ۱۰۹)

(اور وہ لوگ قیامت کی باز پرس سے نہیں ڈرتے۔)

یہاں فکر کا یہ استعمال خالص پنجابی ہے۔ ڈر کے لیے خوف وخشیۃ کی مصادر موجود ہیں۔

اس لیے لایخشون کہیے۔قرآن میں ہر جگہ فکر وغور وخوض اور تدبر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
لقوم یتفکرون. یتفکرون فی خلق السموة ط وغیرہ

....

۹۔ ولا یبعد منی طرفة عینٍ رَحمتہُ (صفحہ ۱۱۰)
(اللہ کی رَحمت چشم زدن کے لیے بھی مجھ سے جدا نہیں ہوتی۔)

طرفۃ العین۔کسی کام کی رفتار وسرعت ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔مثلاً راکٹ آنکھ جھپکنے کی دیر میں سومیل نکل گیا۔قرآن میں درج ہے کہ ایک جن ملکہ سبا کا تخت چشم زدن میں حضرت سلیمان کے پاس لے آیا اس لیے یہاں اس کا استعمال غلط ہے۔

۱۰۔ ان انکاری حسرات علی الذین کفرو ابی وان اقراری برکاتٌ لِلّذینَ ....یومنون (صفحہ ۱۱۲)
(میرا انکار کفار کے لیے حسرتیں ہیں۔اور میرا اقرار مومنوں کے لیے برکتیں ہیں۔)

میرا انکار اور میرا اقرار پنجابی عرب ہے"میرے اقرار وانکار" کا مفہوم یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب کسی چیز کا اقرار اور کسی کا انکار کر بیٹھے ہیں اور اب فرمار ہے کہ میرا اقرار وانکار۔۔۔۔۔۔۔" علاوہ ازیں انکار مفرد ہے اور حسرات جمع۔اسی طرح اقرار مفرد ہے اور برکات جمع۔اسم وخبر میں تطابق ضروری ہے۔اس لیے حسرةٌ و برکةٌ صحیح ہے۔اور حسرات وبرکات غلط۔

۱۱۔ زُکی مِن آیدی الله ط (صفحہ ۱۱۶)
(من کا استعمال کا خالص پنجابی ہے۔بایدی اللہ چاہیے۔)

....

۱۲۔ ان کنتم فی شكٍ مِن امری فامتحنونی (صفحہ ۱۲۸)
(اگر میرے متعلق شک ہو۔تو میرا امتحان لو۔)

یہ امتحان کا استعمال خالص پنجابی وغیر اسلامی ہے۔قرآن اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ابتلا سے کام لیتا ہے۔

....

۱۳۔ ہم اردو پنجابی میں کہتے ہیں۔

''آپ قرآن پر رحم فرمائیں۔ اور تفسیر کی تکلیف گوارا نہ کریں۔'' اس خالص ہندی محاورہ کو آپ عربی میں یوں منتقل کرتے ہیں۔

فارحموا مسیحاً آخر و اقیموا من ھٰذہٖ العزّۃ (صفحہ ۱۴۰)

(تم مسیح پر رحم کرو۔ اور اسے نزول کی عزت سے معافی دو۔)

....

۱۴۔ فلیبصروا حتّٰی یرجعوا الیٰ ربھم و یطلعوا علیٰ صورھم.

(صفحہ ۱۶۳)

(وہ انتظار کریں۔ جب خدا کے ہاں جائیں گے تو وہاں شیشے میں اپنا منہ دیکھ لیں گے۔)

''شیشہ میں منہ دیکھنا'' اردو کا محاورہ ہے۔ عربوں کے ہاں اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

۱۵۔ چند الہامی اشعار ملاحظہ ہوں۔

اریٰ سَیلَ افاتٍ قضاھا المقدروَ فی الخلقِ سَیّاتٌ تذاع وَ تنشرُ ط

(صفحہ ۲۰۳)

لفظ سَیّـاتٌ ہے (یا مکسور۔ ش مشدد اور مابعد الف ممدودہ) لیکن اس شعر میں سَیّاتٌ (الف ممدودہ غائب اور یا کو مفتوح باندھا گیا۔ جو غلط ہے۔)

....

وَلِذّین اطلالٌ اداھا کلا ھِف وَدمعی بذکر قصورہٖ یتحدّرُ ط

(صفحہ ۲۰۳)

دوسرا مصرع خارج از وزن ہے۔

ع۔ اَلا اِنّما الایّام رَجعَت اِلی الھُدیٰ (صفحہ ۲۰۴)

صحیح لفظ رَجعَتُ (بفتح جیم ہے) نہ کہ رَجْعَتُ (بہ سکون جیم)

فمُت ایما النّاری بنا رٍ تسعر (صفحہ۲۰۴)

ناری غلط ہے۔ قارِیٌ بہ تشدید یا ہونا چاہیے۔

....

قصیدۂ اعجازیہ

• یہ ایک الہامی قصیدہ ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار بھی ہے۔ کہ جو شخص اتنی مدت میں ایسا قصیدہ تیار کرے گا اسے یہ رقم بطور انعام دی جائے گی۔ لیکن یہ شرط تھی کہ قصیدہ ساڑھے پانچ سو اشعار کا ہو۔ اور صرف بارہ دن میں مطبوعہ کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے۔ چونکہ ان شرائط کو پورا کرنا انسانی قدرت سے باہر تھا۔ اس لیے کوئی شخص مقابلے میں نہ اترا۔ ہاں یعنی شعراء نے اس قصیدے کا جواب ضرور لکھا۔ جن میں سے ایک قاضی ظفر الدین پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور تھے۔ ان کا طویل قصیدہ فصیح عربی زبان میں ہے اور عروض ونحو کی لغزشوں سے معرا ہے۔ لیکن قصیدۂ اعجازیہ کے تقریباً تین درجن اشعار عروضی ونحوی اغلاط سے آلودہ ہیں۔ بطور نمونہ ہم چند اشعار پیش کرتے ہیں۔

اس قصیدہ کا آخری حرف مجدیٰ مرفوع ہے۔

یُحذر ۔ یذکر ۔ یُظهر ۔وغیرہ

۱۔ فاین بهذا لوقت من شان جولر ط

جولرشان کا مفعول یہ ہے اس لیے منصوب (جولرا) چاہیے۔

۲۔ و کان سنا برق من الشمس اظهر

اظہر غلط ہے۔ اس لیے کہ کان کی خبر ہے۔ اظہر اچاہیے۔

۳۔ اکان شفیع الانبیاو موثر ط موثر

موثر۔ شفیع پہ معطوب ہے اس لیے موثرا چاہیے۔

۴۔ فیاتی من اللہ العلیم معلم

ویھدی الیٰ اسرارھا و یفسر

اسرارھا کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ اللہ مذکر اور ضمیر مؤنث ہے۔

۵۔ فقلت لك الویلات یا ارض جولرا

لعنت بھلعون فانت تدمر ط

ارض مؤنث ہے اور تدمر واحد مذکر مخاطب۔ گویا مؤنث کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کر دیا۔ جو صریحاً غلط ہے۔

یہ بحث خالص فنی قسم کی ہے۔ جس سے قارئین کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

الہامی تفسیر فاتحہ

۱۔ فی سبعین یوما من شھر الصیام (ص۱)

سبعین = ستر

(ماہ رمضان کے ستر دنوں میں)

یہ کیسا رمضان ہے۔ جس کے ستر دن ہوتے ہیں۔

۲۔ ما قبلوا نی من النجل (ص۸)

بخل کا استعمال خالص پنجابی ہے۔ حسد چاہیے۔

۳۔ اتخذوا الخفا فیشن و قراً الجنانھم (ص۸)

لجنانھم۔ یہ لام غلط ہے۔ اس لیے کہ اتخذ دو مفعول چاہتا ہے۔

جنان۔ پہلا مفعول ہے۔ مفعول پہ لام لانا درست نہیں۔

۴۔ یریدون ان یسفکوا قائلر (ص۱۳)

سفک کے معنی ہیں بہانا۔گرانا

(وہ چاہتے ہیں کہ قائل کا بہائیں)

کیا؟ خون؟ تو پھر قائلہ سے پہلے دَم (خون کا) اضافہ فرمایئے۔

۵۔ وجعل قلمی و کلمی مبنع المعارف (ص ۳۰)

منبع غلط ہے۔ منابع چاہیے۔

۶۔ وایٌّ معجزة وایةٌ چاہیے۔ (ص ۴۵)

۷۔ ومن نو اور ما اعطی لی ما اعطیت صحیح ہے۔ (ص ۴۸)

۸۔ ومثلها کمثل ناقة .... توصل الیٰ دیار الحب من رکب علیه (ص ۷۷)

ناقۃ مؤنث ہے اور علیہ کی ضمیر مذکر علیھا چاہیے۔

۹۔ الزم الله کافة اهل الملة (ص ۸۳)

عربی میں کافہ مضاف نہیں ہوسکتا۔اس لیے یہ فقرہ غلط ہے۔

۱۰۔ وتلک الجنود یتحاربان ط (ص ۱۲۹)

یتحاربان غلط ہے۔تتحاربان صحیح ہے۔

۱۱۔ النفس التی سعیٰ سعیها (ص ۱۲۶)

سعیٰ غلط ہے اس لیے کہ نفس مؤنث ہے سعت چاہیے۔

۱۲۔ الاقلیل . ن الذی هو کالمعدوم (ص ۱۵۹)

یہاں موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ جو صحیح نہیں۔

۱۳۔ لاتوذی اخیك (ص ۱۶۵)

اخیک غلط ہے مفعول ہونے کی وجہ سے اخاک چاہیے۔

۱۴۔ ثمرات الجنة فویلٌ للذی ترکهم (ص ۱۷۰)

ترکھم غلط ہے ثمرات جمع مکسر ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اس لیے ترکھا صحیح ہے۔

۱۵۔ اتظن ان یکون الغیرط (ص ۱۷۰)

غیر پر الف لام نہیں آسکتا۔

اس تفسیر میں اس قسم کی کم وبیش ایک سو اغلاط موجود ہیں حقیقتاً تاریخ رسالت کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ نے مسیح موعود پر چار زبانوں میں الہامات اتارے اور ہر زبان میں درجنوں غلطیاں کیں۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ دشمن اس کی غلطیوں پر ہنس رہے ہیں۔ وہ آخر تک اپنی ہٹ پہ قائم رہا اور وقتاً فوقتاً غلط الہامات نازل کرتا رہا۔

بارھواں باب

مخالفین نبوت سے سلوک

قرآن حکیم میں بار بار حضور علیہ السلام کو ہدایت کی گئی ہے کہ

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ . فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔ (حٰمٓ السجدة:۳۴)

(اے رسول! تم مخالفین کے مقابلے میں ایسے اخلاق کا مظاہرہ کرو کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا مخلص دوست بن جائے۔)

دشمن کے مخلص دوست بنا لینا بڑی مشکل اور کٹھن منزل ہے اور اس منزل کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان دشمن کے اشتعال۔ سب وشتم۔ دل آزار اقدامات اور فتنہ وسازش کو قطعاً خاطر میں نہ لائے۔ رفق و ملاطفت کو نہ چھوڑے گالیاں سن کر دعائیں دے اور وقت مصیبت آگے بڑھ کر دشمن کے کام آئے۔ حضور علیہ السلام زندگی بھر اس ہدایت پر عمل پیرا رہے۔ جب اہل طائف کی سنگ باری سے سرورِ عالم کے جوتے لہو سے بھر گئے تو آپ کی زبان مبارک پر از طائف تا مکہ (دس میل) یہی دعا جاری رہی۔

اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ط

(اے اللہ! میری قوم کی آنکھیں کھول اور انہیں سیدھی راہ دکھا۔ کہ یہ غریب سچائی سے ناآشنا ہیں۔)

جنگ حنین میں جب صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کفار کی بے پناہ تیراندازی نے قیامت کا سماں باندھ دیا تو رحمتہ اللعالمین نے ہجوم مصائب میں دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ لوگ یہ سمجھے کہ آپ کفار کے لیے کسی فوری عذاب کی دعا مانگیں گے۔

لیکن اس رحمت مجسم کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ط

عہد خلافت میں حضرت علیؓ کہیں جا رہے تھے کہ دُور سے ایک خارجی نے دیکھ لیا۔ اور منہ سے اناپ شناپ بکے۔ جب ساتھیوں نے توجہ دلائی۔ تو مدینۃ العلم نے فرمایا۔

''عرب میں علی نام کے کئی آدمی ہیں۔ کسی اور کو کوس رہا ہوگا''

....

آپ جانتے ہیں کہ اہل مکّہ نے حضور علیہ السلام پر انتہائی مظالم توڑے تھے آپ کے پیروؤں کو گرم ریت پر گھسیٹا تھا۔ آپ کو تین برس کے لیے پہاڑوں میں قید کر دیا تھا۔ آپ کو گھر بار سے نکال دیا تھا۔ اور مدینہ پر کئی مرتبہ چڑھائی کی تھی لیکن جب فتح مکّہ کے بعد اہل مکّہ کو سزا دینے کا وقت آیا۔ تو آپ نے اعلان فرمایا۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ط (یوسف:۹۲)

(جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا)

حضور علیہ السلام کا یہی وہ خلقِ عظیم تھا۔ جس نے لاکھوں دلوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور صحابہ کی یہی وہ تلوار تھی۔ جس نے چالیس ہزار بستیوں اور قلعوں کے ہمراہ چار کروڑ دلوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔ صحابہ کو ہدایت تھی کہ جاؤ۔ اس قوم کے انبیاء و صحائف کی صداقت کا اعلان کرو۔ ان کے معابد کو مت چھیڑو۔ ان کے معبودوں کو برا نہ کہو۔ انہیں مکمل مذہبی و مجلسی آزادی دو۔ ان سے ایسا عادلانہ بلکہ محسنانہ سلوک کرو۔ کہ وہ لوگ تمہیں رحمتِ مجسم سمجھنے لگیں۔

قرآن و حدیث میں از اول تا آخر کہیں کوئی بدکلامی یا گالی موجود نہیں۔ حضور علیہ السلام نے زندگی بھر کسی فرد کی توہین و تحقیر نہیں کی کسی کا مضحکہ نہیں اڑایا۔ کسی کو دجال یا سُور نہیں کہا۔ اس میں کلام نہیں کہ قرآن عظیم نے بدکاروں کو فاسق و کافر قرار دیا تھا۔ لیکن یہ گالی نہیں تھی۔ بلکہ خالص حقیقت بیانی تھی فاسق کے معنی ہیں بدچلن اور کافر کے معنی ہیں قانون شکن۔ اگر ایک شرابی۔ زانی۔ مفسد۔ چور۔ خائن اور منافق کو فاسق و کافر نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ گدھے کو گدھا کہنے سے اس کی توہین نہیں ہوتی۔ حضور علیہ السلام کے اقوال میں نہ طعنے ہیں نہ گالیاں۔ نہ

بازاری قسم کی تضحیک ہے اور نہ مبتذل قسم کی پھبتیاں۔ از اول تا آخر ایک پُر عظمت متانت اور روح افزا سنجیدگی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ایک اخلاقی معلم کا اپنا اخلاق قابلِ رشک نہ ہو۔ دنیا اس سے مستفیض نہیں ہوسکتی۔ درست فرمایا تھا۔ جناب مرزا صاحب۔

اخلاقی معلم کا یہ فرض ہے کہ پہلے اپنے اخلاق کریمہ دکھلا دے۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۹)

لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں۔ مومن تعان (لعنت بھیجنے والا) نہیں ہوتا۔

(ازالہ صفحہ ۶۶۰)

تحریر میں سخت گالیاں دینا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور بدزبانی کرنا اور اپنے مخالفانہ جوش کو انتہا تک پہنچانا۔ کیا اس عادت کو خدا پسند کرتا ہے یا اس کو شیوۂ شرفا کہہ سکتے ہیں؟

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۹)

''میری فطرت اس سے دُور ہے کہ کوئی تلخ بات منہ پر لاؤں۔''

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۰)

سو فیصدی درست! بھلا ایک رسُول کو تلخ نوائی و بدزبانی سے کیا تعلق؟

لیکن:

جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے ایک اشتہار میں جناب مرزا صاحب کے متعلق یہ لکھا کہ ''یہ میرا شکار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔جو میرے قبضے میں آگیا ہے۔'' تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔

''اس زمانے کے مہذب ڈوم اور نقال بھی تھوڑا بہت حیا کو کام میں لاتے ہیں پشتوں کے سفلے بھی ایسا کمینگی اور شیخی سے بھرا ہوا تکبر۔۔۔۔۔۔۔۔زبان پر نہیں لاتے۔''

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۰)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے ہندوستان کے متعلق فرماتے ہیں۔

''ان لوگوں نے چوروں۔ قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ شروع کر دیا۔''

(ازالہ صفحہ ۷۲۴)

....

اور بٹالوی کو ایک مجنون درندہ کی طرح تکفیر اور لعنت کی جھاگ منہ سے نکالنے کے لیے

چھوڑ دیا۔ (آسمانی فیصلہ صفحہ۱۴)

....

جھوٹ بولنا اور نجاست کھانا ایک برابر ہے تعجب ہے کہ ان لوگوں کو نجاست خوری کا کیوں شوق ہو گیا۔ (آسمانی فیصلہ صفحہ۳۲)

....

مباحثہ مُد (ضلع امرتسر کا ایک گاؤں۔ جہاں ۱۹۰۲ء میں احمدیوں اور مولوی ثناء اللہ کے درمیان مباحثہ ہوا تھا) کے سلسلے میں مولوی ثناء اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔موضع مُد میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سخت بے حیائی سے جھوٹ بولا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ انسان کتوں سے بدتر ہوتا ہے کہ جو بے وجہ بھونکتا ہے۔''

(اعجاز احمدی صفحہ۲۳)

''یہ بزدل علماء جیفہ خوار۔۔۔۔۔۔۔'' (نشان آسمانی صفحہ۱۹)

....

''اگر کوئی ۔۔۔۔۔۔۔خواب یا کوئی الہام یا کشف میرے خوش کرنے کے لیے مشہور کر دے گا۔ تو میں اسے کتوں سے بدتر اور سُوروں سے ناپاک تر سمجھتا ہوں۔''

(نشان آسمانی صفحہ۶)

پھر فرمایا کہ ''اس امت پر ایک آخری زمانہ آئے گا۔ کہ علما اس امت کے یہود کے مشابہ ہو جائیں گے۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ اگر کسی یہود نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے۔ تو وہ بھی کریں گے۔'' (شہادت القرآن صفحہ۱۱)

یہ بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

''خداوند قادر قدوس میری پناہ ہے اور میں تمام کام اسی کو سونپتا ہوں اور گالیوں کے بدلے گالیاں دینا نہیں چاہتا اور نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' (آسمانی فیصلہ صفحہ۲۵)

اور یہ بھی:۔

''کس درجہ کے خبیث طبع یہ لوگ ہیں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔''

(چشمہ مسیحی صفحہ۱۷)

''منشی الٰہی بخش نے جھوٹے الزاموں ۔۔۔۔۔ کی نجاست سے اپنی کتاب عصائے موسیٰ کوایسا بھر دیا ہے جیسا کہ ایک نالی اور بدررو گندی کیچڑ سے بھری جاتی ہے یا جیسا کہ سنڈاس پاخانہ ہے۔''
(حاشیہ اربعین نمبر ۴ صفحہ ۲۷)

۱۹۰۲ء میں جناب مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ کو دعوت دی کہ اگر وہ سچے ہیں تو قادیان میں آ کر پیش گوئیوں کی پڑتال کریں۔ اگر کوئی پیش گوئی جھوٹی نکلے تو ہر ایسی پیشگوئی پر سو روپیہ انعام حاصل کریں۔ اس دعوت کے ساتھ ہی یہ پیش گوئی بھی کر دی۔

''وہ قادیان میں تمام پیش گوئیوں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے۔''
(اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

اور اس پیش گوئی کو ایک نشان قرار دیا (اعجاز رضوی صفحہ ۳۷) لیکن مولوی ثناء اللہ قادیان جا دھمکے۔ اور جناب مرزا صاحب کو بموجب مکتوب محررہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء اطلاع دی۔ حاملین رقعہ بیان کرتے ہیں کہ۔

مرزا صاحب ایک ایک فقرہ (مکتوب کا) سنتے جاتے تھے۔ اور بڑے غصہ سے بدن پر رعشہ تھا۔ اور وہانِ مبارک سے خوب گالیاں دیتے تھے
۔۔۔۔۔۔۔ چند الفاظ ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ ہیں۔
خبیث۔ سُور۔ بدذات۔ گوں خور۔ ہم اس (ثناء اللہ) کو کبھی (جلسہ عام) میں نہ بولنے دیں گے۔ گدھے کی طرح لگام دے کر بٹھائیں گے۔ اور گندگی اس کے منہ میں ڈالیں گے۔

(الہامات مرزا۔ از ثناء اللہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲)

....

پھر پڑھیے:۔
میری فطرت اس سے دُور ہے۔ کہ کوئی تلخ بات منہ پر لاؤں۔

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۰)

....

سچا خواب ایک گناہ گار کو بھی آ سکتا ہے۔ اس مضمون کو آپ یوں ادا فرماتے ہیں۔

''بعض اوقات بعض فاسق اور فاجر اور تارک صلوٰۃ بلکہ بدکار اور حرام کار بلکہ کافر۔ اللہ اور رسول سے سخت بغض رکھنے والے بلکہ توہین کرنے والے اور سچ مچ اخوان الشیاطین شاذ و نادر طور پر سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں۔'' (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۷۷)

مولوی محمد حسین بٹالوی کے متعلق فرماتے ہیں۔

''مگر افسوس کہ بطالوی نے اس اعتراض میں بھی شیطان ملعون کی طرح دانستہ لوگوں کو دھوکہ گا دینا چاہا۔'' (انجام آتھم ح صفحہ ۲۰)

علما کو یوں مخاطب فرماتے ہیں۔

''اے بد ذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے کب وہ وقت آئے گا۔ کہ تم یہودیانہ خصلت کو چھوڑو گے۔ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا۔ وہی عوام کالانعام کو پلایا۔'' (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۱)

....

بعض خبیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں ---------- یہ دل کے مجذوم اور اسلام کے دشمن ---------- دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کراہت کے لائق خنزیر ہے مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسانی جوش کے لیے حق اور دیانت کی گواہی چھپاتے ہیں۔ اے مردار خوار مولویو! اور گندی روحو! ---------- اے اندھیرے کے کیڑو۔ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۱)

''---------- پلید۔ ذرّیت شیطان۔''

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۵)

یہ (مولوی) جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہیں۔

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۵)

ذرا یہ بھی ملاحظہ ہو۔

میں سچ سچ کہتا ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ میں نے (اپنی تالیفات میں) ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا۔ جس کو دشنام دہی کہا جائے۔ (ازالہ جلد اول صفحہ ۶)

....

اور یہ بھی:۔ ''جس دن یہ سب باتیں (محمدی بیگم کی پیش گوئی میں درج شدہ) پوری ہو جائیں گی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس دن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہایت صفائی سے (ان کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں کو بندروں اور سؤروں کی طرح کر دیں گے۔'' (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۳)

....

عبدالحق غزنوی بار بار لکھتا ہے کہ آتھم والی پیش گوئی میں پادریوں کی فتح ہوئی۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہیں اور کیا لکھیں۔ کہ اے بدذات۔ یہودی صفت۔ پادریوں کا اس میں منہ کالا ہوا اور ساتھ ہی تیرا بھی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اے خبیث کب تک تو جیے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خاص کر رئیس الدجالین عبدالحق غزنوی اور اس کا تمام گروہ علیھم نعال لعن اللہ الف الف مرۃ ط

ان پر خدائی لعنت کے دس لاکھ جوتے برسیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اے پلید دجال! تعصب نے تجھ کو اندھا کر دیا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۴۵۔۴۶)

پھر پڑھیے:۔

لعنت بازی صدیقوں کا کام نہیں۔ مومن لعان (لعنت بھیجنے والا) نہیں ہوتا۔

(ازالہ صفحہ ۶۶۰)

اور یہ بھی:۔ (مولوی عبدالحق غزنوی کو خطاب کیا جا رہا ہے)

''اے کسی جنگل کے وحشی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔'' (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۹)

خطاب جاری رہا۔

''تم نے حق کو چھپانے کے لیے یہ جھوٹ کا گوہ کھایا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اے بدذات۔ خبیث۔ دشمن اللہ اور رسول کے تو نے یہ یہودیانہ تحریف کی۔ مگر تیرا جھوٹ اے نابکار پکڑا گیا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵۰)

اور ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے۔

''میں محض نصیحتاً اللہ مخالف علما اور ان کے ہم خیال لوگوں کو کہتا ہوں کہ گالیاں دینا اور

بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں ہے۔" (ضمیمہ اربعین نمبر ۳-۴ صفحہ ۵)

لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"یُقبلنی و یُصدّق دعوتی اِلّا ذریّۃُ البغا یا الّذین ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم." (آئینہ کمالات صفحہ ۵۴۷)

(کنجریوں کے بچوں کے بغیر جن کے دلوں پر اللہ نے مُہر لگا دی ہے باقی سب میری نبوت پہ ایمان لا چکے ہیں۔)

"دشمن ہمارے بیانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔"

(نجم الہدیٰ صفحہ ۱۰)

"اب جو شخص بار بار کہے گا کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں ہے۔" (انوار الاسلام صفحہ ۳۰)

کیا حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے بھی زندگی بھر کوئی ایسا لفظ نکلا تھا؟ اگر نہیں اور ہر گز نہیں۔ تو ارشاد ذیل کا مطلب؟

"میں بروزی طور پر آنحضرت صلعم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمد مع نبوتِ محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

"میں وہ آئینہ ہوں۔ جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔"

(نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۲)

حضور ﷺ کا کمالِ صبر وضبط اور جنگ کے گھمسان میں دشمنوں کے لیے دُعائیں مانگنا تھا۔ نہ کہ انہیں مُردار خور۔ سؤر۔ ولد الحرام۔ گوہ خور اور کنجریوں کی اولاد کہنا مخالفین پر ایسے الفاظ کا کبھی اچھا اثر نہیں ہو سکتا۔

"یہ بات نہایت قابل شرم ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاقِ رذیلہ میں گرفتار ہو۔ اور درست بات کا ذرا بھی متحمل نہ ہو سکے اور جو امامِ زماں کہلا کر ایسی کچھ طبیعت کا آدمی ہو کہ ادنیٰ بات میں منہ میں جھاگ آتا ہے آنکھیں نیلی پیلی ہوتی ہیں۔ وہ کسی طرح بھی امامِ

زماں نہیں ہو سکتا۔" (ضرورت الامام صفحہ ۸)

جناب مرزا صاحب اپنے مخالفین کے متعلق نہایت سخت کلامی سے کام لیتے تھے۔ یہ مرض آپ کے پیروؤں میں بھی موجود تھا۔ یہاں کئی سو مثالوں میں سے صرف دو پر اکتفا کی جاتی ہے۔

۱۹۳۵ء میں قادیان کے ایک اخبار فاروق میں لاہوری احمدیوں کے متعلق ایک سلسلہ مضامین شائع ہوا۔ صرف ایک مضمون میں مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوئے۔

یہودیانہ قلابازیاں۔ ظلمت کے فرزند۔ زہریلے سانپ خباثت شرارت اور رذالت کے مظہر۔ عباد الدنیا وقود النار کمینے۔ رذیل احمق۔ دوغلے نیمے دروں نیمے بروں۔ بدلگام۔ غدار۔ نمک حرام۔ دورُخے۔ کھلی اٹھی کبوتر نما جانور۔ سترے بہترے کھوسٹ۔ جھوٹے دھوکے باز فریب کار۔ اڑھائی ٹوٹرو بھیگی بلّی۔ دجال۔ علی بابا چالیس چور۔ لعنت کا سیاہ داغ ماتھے پر ـــــــــ وغیرہ وغیرہ (فاروق ۲۸ فروری ۱۹۳۵ء)

جناب خلیفۃ المسیح ثانی نے ایک تقریر میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے متعلق فرمایا۔

کہ اگر محمد حسین بٹالوی کے والد کو معلوم ہوتا کہ اس کے نطفہ سے ایسا ابوجہل پیدا ہوگا۔ تو وہ اپنے آلۂ تناسل کو کاٹ دیتا اور اپنی بیوی کے پاس نہ جاتا۔

(ملخص) الفضل ۲ نومبر ۱۹۲۲ء

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اخلاقی تعلیم پہ عمل نہیں کیا۔ انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر بددعا کی۔ اور دوسروں کو دعا کرنا سکھایا ـــــــــ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو۔ مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام تک کہہ دیا ـــــــــ اخلاقی معلم کا یہ فرض ہے کہ پہلے اپنے اخلاق کریمہ دکھلاوے پس کیا ایسی ناقص تعلیم جس پر انہوں نے اپنے آپ بھی عمل نہ کیا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے؟

(چشمۂ مسیحی صفحہ ۹)

....

خاتمہ

ہم جناب مرزا صاحب کے اقوال۔ دلائل بشارات۔ الہامات اور نشانات کا جائزہ لیتے ہوئے خاتمہ کتاب تک آ پہنچے۔ ہمارا آغاز سے ارادہ تھا کہ ہم اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر منصفانہ و غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالیں۔ کہیں تحریف نہ کریں۔ کسی عبارت کو مصنف کی منشا کے خلاف مسخ نہ کریں اور کوئی دلآزار لفظ ساری کتاب میں داخل نہ ہونے دیں۔ الحمدللہ۔ کہ ہم ان ارادوں میں کامیاب رہے۔

قارئین کرام! اب اس مسئلہ کی پوری تصویر آپ کے سامنے ہے، ہم واضح کر چکے ہیں۔

۱۔ کہ قرآن۔ حدیث اور جناب مرزا صاحب کے اقوال کی روشنی میں خاتم النبیین کی تفسیر کیا ہے۔

۲۔ کہ قرآن میں کسی مسیح موعود کے آنے کا ذکر موجود نہیں اور احادیث بقول مرزا صاحب ظنی و ساقط الاعتبار ہیں۔

۳۔ کہ آپ ۱۸۶۵ء سے ۱۹۰۲ء تک حضور علیہ السلام کو آخری نبی اور ہر مدعی نبوت کو خارج از اسلام قرار دیتے رہے۔

۴۔ کہ آپ نے ایک طرف انگریزوں کو دجال قرار دیا۔ اور دوسری طرف ان کی اطاعت اپنی ذریت اور جماعت پہ فرض کر دی۔

۵۔ کہ آپ کی بعض دعائیں قبول نہ ہوئیں۔

۶۔ کہ آپ کی بعض پیش گوئیاں پوری نہ ہوئیں۔

۷۔ کہ آپ کے تمام الہامات آپ کی تعریف اور بشارات تک محدود رہے اور ان میں کوئی اخلاقی۔ سیاسی یا عمرانی ضابطہ نازل نہ ہوا۔

۸۔ کہ آپ کا اردو کلام جو ہر فصاحت سے معرا تھا اور عربی کلام میں بھی خامیاں موجود تھیں۔

۹۔ کہ آپ نے اپنے مخالفین کے متعلق ایسی زبان استعمال فرمائی جو مقامِ نبوت کے شایان نہ تھی۔

احمدی بھائیو! ان تفاصیل سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں لیجئے۔ ہم اس مسئلہ کو ایک اور رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

جناب مرزا صاحب کی عمر انہتر برس تھی۔ ان پر پہلا الہام ۱۸۶۵ء میں نازل ہوا تھا۔ آپ اکتوبر ۱۹۰۲ء تک یہی فرماتے رہے کہ میں نبی نہیں اور آپ کے آخری ساڑھے پانچ برس اثبات نبوت میں بسر ہوئے تو گویا آپ کی زندگی کو دو حصوں میں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول۔ پہلے چونسٹھ برس جن میں آپ حضور علیہ السلام کو آخری نبی سمجھتے رہے۔

دوم۔ اور آخری پانچ برس جن میں آپ نے بابِ نبوت کھول دیا میں آپ سے سیدھا سا سوال پوچھتا ہوں کہ آپ جناب مرزا صاحب کے کس حصۂ زندگی کو قابلِ تقلید و عمل سمجھتے ہیں؟ صرف آخری پانچ برس کو؟ ایک رسول کی یہ توہین کہ آپ ان کو چونسٹھ برس کی طویل زندگی کو ناقابل تقلید قرار دیں۔ اور ان کی اڑتالیس ضخیم پہ خط نسخ کھینچ ڈالیں۔ کیوں؟ کوئی سند؟ کوئی دلیل؟ اگر آپ کسی معقول انسان کے سامنے جناب مرزا صاحب کو بایں صورت پیش کریں۔ کہ ان کی حیاتِ مرسلانہ کے پہلے سینتیس برس ناقابل تقلید و عمل اور صرف آخری پانچ سال قابلِ اطاعت تھے تو آپ کی بات پہ کبھی بھی کان نہیں دھرے گا۔ اور اسے یہ پوچھنے کا حق ہوگا۔

اول۔ کہ کیوں صاحب! پہلے سینتیس برس میں کیا خرابی تھی کہ اب وہ قابلِ تقلید نہیں رہے؟

دوم۔ کیا اس حصۂ زندگی کے الہامات خدائی نہیں تھے اگر تھے تو پھر انہیں ناقابلِ تقلید کہنے کا مطلب؟

سوم۔ بارش کی طرح برسنے والی وحی نے سینتیس برس تک آپ کو ختم نبوت کی تعلیم دی اور آخری پانچ سال اجرائے نبوت کی کون سی وحی صحیح تھی؟

ایک قابلِ قبول تصفیہ

احمدی وغیر احمدی میں متنازعہ فیہ امور دو ہیں۔

اول۔ جناب مرزا صاحب کی ذات گرامی۔

دوم۔ مسئلہ ختم نبوت۔

امرِ اول کے متعلق پھر اختلاف ہے۔ احمدی اکابر آپ کی آخری پنجسالہ زندگی کو مانتے ہیں اور میرے ہاں اس تنازعہ کا معقول اور قابلِ اعتماد حل یہ ہے۔ کہ ان کی چونسٹھ سالہ زندگی کو مشعل راہ بنایا جائے۔ مسئلہ ختم نبوت خود بخود حل ہو جائے گا۔ احمدی دوستو! میرے مؤقف کو پھر سمجھ لیجئے۔ میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہا کہ جناب مرزا صاحب کی پیروی چھوڑ دیجئے۔ بلکہ یہ کہہ رہا ہوں کہ پانچ سے چونسٹھ زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کی چونسٹھ سالہ زندگی کی تقلید کیجئے۔ احمدی وغیر احمدی کا امتیاز مٹ جائے گا۔ ملی انتشار ختم ہو جائے گا۔ آپ سوادِ اعظم میں شامل ہو کر عظیم بن جائیں گے اور وطن عزیز کو آئے دن کے مظاہروں اور جھگڑوں سے نجات مل جائے گی۔

خدا آپ کے ساتھ ہو۔

والسلام

برقؔ

آغاز کتاب ۔ ۵ جون ۱۹۵۳ء

تکمیل کتاب ۷ جولائی ۱۹۵۳ء

مآخذ

الہامی صحائف

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ تورات مقدس

۳۔ انجیل شریف

احادیث

۴۔	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
۵۔	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری
۶۔	سنن	ابوداؤد السجستانی
۷۔	سنن	احمد بن شعیب النسائی
۸۔	سنن المعروف بہ ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن تبرید القزوینی
۹۔	سنن	محمد بن عیسیٰ الترمذی
۱۰۔	موطا	امام مالک

تاریخ

۱۱۔	تاریخ الحکما	القفطی
۱۲۔	طبقات سلاطین اسلام	لین پول ترجمۂ عباس اقبال تہران
۱۳۔	تاریخ انقلابات عالم	ابوسعید بزمی

۱۴۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل طفیل احمد بنگلوری

۱۵۔ کمپنی کی حکومت باری۔ علیگ

۱۶۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر

لُغت

۱۷۔ المنجد

۱۸۔ منتھی الارب

۱۹۔ لسان العرب

۲۰۔ القاموس

۲۱۔ صراح

۲۲۔ تاج العروس

۲۳۔ مجمع البحار

۲۴۔ تہذیب (ازہری)

۲۵۔ صحاح الربیہ

۲۶۔ کلیات ابی البقا

مُتفرق

۲۷۔ تبلیغ رسالت میر قاسم علی۔ احمدی

۲۸۔ سیرۃ المہدی صاحبزادہ بشیر احمد صاحب

❀❀❀

مصنف کی دیگر کتب

- من کی دنیا
- دو قرآن
- معجم القرآن
- معجم البلدان
- تاریخ حدیث
- عظیم کائنات کا عظیم خدا
- بھائی بھائی
- یورپ پر اسلام کے احسان
- دانش رومی و سعدی
- میری آخری کتاب
- عظیم کائنات کا عظیم خدا
- فرمانروایان اسلام
- مضامین برق
- سلاطین اسلام
- رمز ایمان